إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (ترمذی)

مجموعہ کتب

احتسابِ ناصبیت

۱



المکتبۃ السراجیۃ لنشر الکتب الاسلامیۃ
حضوری باغ روڈ، ملتان فون: 061-4783486

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ
أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ
لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (ترمذی)

مجموعہ کُتب

احتسابِ ناصبیّت

۱

۱ الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید (یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزیؒ کی نظر میں)
۲ احیاء المیت فضائل اھل بیت (فضائل اہل بیت علیہم السلام)
۳ در تحقیق واثبات شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ و کردار یزید
۴ امہات المومنینؓ و بنات رسول یزید پر
۵ اسوۂ حسینی یعنی شہید کربلا
۶ خلافت معاویہؓ و یزید "ایک جائزہ"
۷ فتنہ خارجیت
۸ حدیث غزوۂ قسطنطنیہ اور مغفرت یزید
۹ ایک سوال اور اس کا جواب المعروف بہ حقیقت یزید

مکتبہ رحیمیہ لتراث الکتب الاسلامیہ
محمود آباد، ضلع مردان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب احتساب ناصحیت (جلد اوّل)

مصنفین : الامام ابوالفرج عبدالرحمٰن علی بن محمد بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مجاہد الاسلام القاسمی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی حافظ سید مہدی حسن شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۴۷۲

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : مئی ۲۰۲۶ء

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ ملتان

0301-7500173 0303-7396203

0301-7904257 0344-7121967

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست.....مجموعہ کتب احتساب ناصبیت جلد ۱

☆	عرض ناشر	مولانا اللہ وسایا	۴
۱	الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں	الامام ابوالفرج عبدالرحمٰن علی بن محمد بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ	۱۳
۲	احیاء المیت فضائل اہل بیتؓ	حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۹
۳	شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ و کردار یزید	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۵
۴	امہات المومنینؓ و بناتؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶۹
۵	اسوہ حسینی یعنی شہیدؓ کربلا	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۷۹
۶	خلافت معاویہؓ و یزید "ایک جائزہ"	حضرت مولانا مجاہد الاسلام القاسمی رحمۃ اللہ علیہ	۳۵۳
۷	فتنہ خارجیت	حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۷۳
۸	حدیث غزوہ قسطنطنیہ اور مغفرت یزید	// // //	۳۷۷
۹	ایک سوال اور اس کا جواب (حقیقت یزید)	حضرت مولانا مفتی سیّد مہدی حسن شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ	۳۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علی سید الرسل وخاتم الانبیاء۔ امابعد!

۱..... احتساب قادیانیت کی پہلی جلد دسمبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کی ۶۰/ویں جلد دسمبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔ محاسبہ قادیانیت کی پہلی جلد اگست ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی اور ۴۰/ویں جلد فروری ۲۰۲۶ء میں شائع ہوئی۔ یوں دسمبر ۱۹۸۹ میں جس کام کا آغاز کیا تھا، فروری ۲۰۲۶ء میں اس کی ایک سو جلدیں پوری ہونے پر یہ کام مکمل ہوا۔ اللہ رب العزت کی عنایت کردہ توفیق سے احتساب ومحاسبہ قادیانیت کی ۱۰۰ جلدوں پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا ردقادیانیت ۶۱۱ مصنفین کے ۱۶۰۳ کتب ورسائل و مقالہ جات ۲۵ ہزار ۶۲۰ صفحات میں محفوظ ہوگئے۔ الحمدللہ اوّلاً وآخراً!

۲..... اللہ رب العزت کی عنایت کردہ توفیق کے ساتھ سترہ جلدوں میں تقریباً دس ہزار صفحات پر مشتمل ''مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام'' اکتوبر ۲۰۲۴ء میں شائع کیا۔

۳..... اسی طرح مجلس نے شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ''تحفہ قادیانیت'' شائع کی، جس کے ۳۲۴۶ صفحات ہیں۔

۴..... قومی اسمبلی کی مصدقہ رپورٹ مجلس نے شائع کی جس کی پانچ جلدیں اور ۲۹۵۲ صفحات ہیں۔

۵..... مجلس نے تحریک ختم نبوت دس جلدوں پر مشتمل کتاب شائع کی، جس کے ۶۴۲۸ صفحات ہیں۔

۶..... چمنستان ختم نبوت کے گلہائے رنگا رنگ پانچ جلدوں پر مشتمل مجلس نے شائع کی، جس کے ۲۲۱۶ صفحات ہیں۔

۷..... روئیداد مقدمہ مرزائیہ بہاول پور تین جلدوں پر مشتمل مجلس نے شائع کی، جس کے ۱۳۱۶ صفحات ہیں۔

۸..... تین حصص پر مشتمل قادیانی شبہات کے جوابات شائع کی۔

۹..... فتاویٰ ختم نبوت تین جلدوں پر مشتمل مجلس نے شائع کی، جس کے صفحات ۱۶۴۴ ہیں۔

۱۰..... قادیانیت کے خلاف اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے دو جلدوں پر مشتمل مجلس نے شائع کئے، جس کے ایک ہزار ۶۸ صفحات ہیں۔ (تلك عشرة كاملة)

مجلس کی کل مطبوعات کی تعداد اور نایاب کتب کی تلاش و اشاعت اس خدمت کو احاطہ تحریر میں لانا خاصہ مشکل محنت طلب اور لمبا کام ہے۔

آج کی مجلس میں یہ تفصیل اس لئے عرض کرنا پڑی کہ گزشتہ چند ماہ سے رد ناصبیت پر لکھی گئی کتابوں کے ایک منتخب مجموعہ کو شائع کرنے پر محنت ہو رہی تھی۔ اللہ رب العزت نے فضل فرمایا کہ تقریباً ۵۴ کتب و رسائل یک جا سیٹ کی شکل میں شائع ہو رہے ہیں، جن کا نام ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' تجویز ہوا ہے۔

ناصبی گروہ

مولانا محمد نافع کے مجموعہ مکاتیب نافع جلد ا ص ۳۱۰، ۳۱۱ پر مولانا ممدوح لکھتے ہیں:

''اصطلاحاً ناصبی اس کو کہا جاتا ہے جو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو برا جانتا ہو، شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہم کو اچھا جانتا ہو۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کو بھی بہتر جانتا ہو۔''

''خارجی اس کو کہتے ہیں جو شیخینؓ کو اچھا جانتا ہے مگر حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہؓ کو برا جانتا ہو۔''

''آج کل مذکورہ کراچی والی پارٹی (محمود عباسی ناصبی اور اس کے ہمنوا) حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کو اچھا جانتی ہے۔ لیکن حضرت علیؓ اور ان کی اولادؓ سے بغض رکھتی ہے۔ لہٰذا ان کو ناصبی کہا جائے گا۔ خارجی کہلانے کے یہ مستحق نہیں ہیں۔ اس اصطلاح کا صحیح استعمال کرنا چاہئے۔''

حضرت مولانا محمد نافع مرحوم کے مکتوب گرامی کی مسلسل عبارت کو راقم نے تین حصوں میں نشان لگا کر لکھا ہے تاکہ محمود عباسی ناصبی اور اس کے ہم نواؤں کو سمجھنے میں آسانی ہو کہ اکابر علماء ان کو ناصبی شمار کرتے، لکھتے، پڑھتے اور سمجھتے تھے۔

محولہ بالا کتاب کے ان صفحات کے نیچے حواشی میں صراحت ہے کہ ابتداً خوارج سے نواصب کی تشکیل ہوئی لیکن بعد میں اصطلاحاً دو علیحدہ طبقے ہو گئے، ناصبی و خارجی۔

۱..... علامہ ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: النواصب الذین یؤذون اھل البیت بقول وعمل "نواصب وہ ہیں جو اہل بیتؓ کو اپنے قول وفعل سے ایذاء دیتے ہیں۔" (مجموع الفتاویٰ تحقیق عبدالرحمٰن بن محمد قاسم مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف المدينه النبويه مملكة العربية السعودية، ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۵ء، ج ۳، ص ۱۵۴)

۲..... علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: الخوارج الذین یکفّرون علیاً. النواصب الذین یفسّقونه۔ (منہاج السنۃ لابن تیمیہ تحقیق محمد ارشاد سالم جامعہ الامام محمد بن مسعود الاسلامیہ طبع اوّل ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء ج ۲ ص ۵۹) خوارج حضرت علیؓ کی تکفیر اور نواصب حضرت علیؓ کی تفسیق کرتے ہیں۔

۳..... علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: وفیهم نواصب المبغضون لعلی رضی اللہ عنہ فتکون شیعة عثمان رضی اللہ عنہ "نواصب سیدنا علیؓ سے بغض اور حضرت عثمانؓ کے شیعان ہوتے ہیں۔" (منہاج السنۃ ج ۵ ص ۴۶۶)

ان حوالہ جات کی روشنی میں آج کل اپنے ملک پاکستان کے ماحول کو دیکھیں محمود عباسی کے ہم نوا، محروم القسمت گروہ، اپنی بدنصیبی کے ہاتھوں سیدنا علیؓ اور ان کی اولادؓ سے بغض میں کہاں سے کہاں تک چلے گئے اور پھر ظلم یہ کہ حضرت سیدنا عثمانؓ، حضرت سیدنا معاویہؓ کی محبت کے نام پر حضرت سیدنا حسینؓ کے قاتل یزید ایسے حکمران بلکہ عبید اللہ بن زیاد وغیرہ کی صفائی کے وکیل کے روپ میں نظر آنے لگے ہیں۔

محمود عباسی جس نے پاکستان میں ناصبیت و یزیدیت کی آبیاری اور احیائے نو کا علم بلند کیا، اس کی تائید، اس کی کتابوں کی نشر و اشاعت، اس کے

موقف، تقریر وتحریر کے ذریعے غوغا حمقاء بلند ہوا تو مسلک اہل سنت بالخصوص اکابر علمائے دیوبند نے تحریر وتقریر کے میدانوں میں بھی ان کو للکارا ان کے راستہ میں سد سکندری قائم کیا۔

حق و باطل، سفید وسیاہ، بلندی وپستی، بخت آوری اور بد نصیبی، لیل ونہار اور ارض وسماء میں وہ امتیاز قائم کیا کہ اپنے پرائے دوست ومخالف سبھی جان پہچان حتیٰ کہ مان گئے کہ شرذمۃ قلیلہ، فئۃ باغیہ، دشمنان اہل بیتؓ، ناصبیت اور اس کے اعوان و انصار ان کے اگر کسی نے لگام چڑھائی ہے، کھونٹے سے باندھا ہے تو وہ علمائے دیوبند ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہ جہان پوری، حضرت سید نفیس الحسینی، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی، مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا دوست محمد قریشی، حضرت علامہ خالد محمود، مولانا سید حامد میاں، مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایسے اکابر اس حادثہ فاجعہ پر امت مسلمہ کے دلوں کے زخموں پر مرہم رکھنے اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے میدان میں کیا اترے کہ چہار دانگ عالم کامیابی کے پھریرے لہرا دیئے۔ ''جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً'' کا منظر ہویدا ہوا۔

مردود عباسی اور اس کی پارٹی کی ایک ایک کتاب، کتابچہ، پمفلٹ یا رسالہ کے جوابات دیئے اور انہیں واپس ان کے بلوں میں دھکیل دیا۔ پہنچی وہیں پے خاک جہاں کا خمیر تھا۔

ضرورت تھی کہ اس علمی سرمایہ کو یکجا محفوظ کر دیا جائے۔ اللہ رب العزت کی عنایت کردہ توفیق، رفقاء سے مشاورت، اس فن کے حضرات سے تعاون علمی کے ساتھ اس کا بیڑا اٹھایا۔ اس عنوان پر لکھی گئی تمام کتب کا احاطہ تو مشکل امر تھا۔ البتہ ان سے انتخاب کر کے ایک مجموعہ مرتب ہو گیا۔ جس کا نام ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' تجویز کیا ہے۔ ۵۴ کتب ورسائل، خط، رپورٹ حتیٰ کہ ایک صفحہ کی شہادت بھی ایسی ملی، جس کا ریکارڈ پر لانا ضروری تھا تو اسے لے لیا۔ غرض! کوئی دستیاب اہم چیز کو ترک نہیں کیا۔ طوالت سے بچنے کے لئے غیر اہم چیزوں کو ترک کرنے میں تامل بھی نہیں کیا۔

ہاں! البتہ بعض اہم چیزوں کے شامل کرنے کو جی کرتا تھا لیکن بعض عوارض وعذرات کے باعث ایسے نہ کر پائے۔ آخر انسان ہیں اور تقدیر الٰہی کے تابع اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا منیر احمد منور، حضرت مولانا نعیم الدین، مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی، حضرت مولانا محمد اسماعیل ریحان، مولانا مجیب الرحمن ڈیرہ اسماعیل خان، مولانا محمد عابد جامعہ مدنیہ لاہور، جناب میاں رضوان نفیس، مولانا عبدالحمید تونسوی، مولانا محمد راشد مدنی، مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا محمود عالم اوکاڑوی، مولانا مفتی محمد عنایت الکریم، مولانا رضوان عزیز، مولانا محمد عاطف حنفی

مولانا محمد معاویہ اسلم، مولانا قاری احسان اللہ ڈیروی، مولانا ظہیر احمد ظہیر، مولانا احسان اللہ صدیقی ملتانی ایسے کئی گرامی قدر حضرات سے رابطہ رہا۔

ان میں سے بعض حضرات تو ابر کرم کی طرح سایہ فگن ہوئے اور بعض حضرات ماشاءاللہ، جزاکم اللہ کی حد تک مہربان ہوئے سب کا شکریہ۔ البتہ رفقائے کار مولانا محمد وسیم اسلم، مولانا عتیق الرحمٰن سیف، مولانا محمد اویس گجر، مولانا خبیب احمد رنوجہ، مولانا شرافت علی لاشاری، جناب برادر عدنان سنپال، دن رات تمام حضرات نے خون پسینہ ایک کر دیا۔ سب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں۔ پس مجموعہ کے شائع کرنے کا مقصد ایک علمی وفکری سرمایہ کو محفوظ کرنے کے سواء اور کچھ نہیں۔ اس توقع پر کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اس عنوان پر کارآمد ثابت ہو جائے۔ کسی ایک شخص کے لئے بھی ہدایت کا باعث ہو گیا تو ہمارا کام بن گیا۔ ان شاءاللہ!

۱..... اس مجموعہ میں علامہ ابن جوزیؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت تھانویؒ ایسے اکابر کے رسائل وکتب شامل اشاعت ہیں۔

۲..... مجموعی طور پر ۵۴ رسائل شامل اشاعت ہیں۔ (لکی نمبر ۹ بنتا ہے)

۳..... اس سیٹ کا نام ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' ہے۔

۴..... یہ سیٹ بارہ جلدوں اور چھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۵..... ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے سیٹ کی ہر جلد کے ٹائٹل پر اس جلد میں شامل کتب کا نام ونمبر شامل ہیں۔

۶..... تمام جلدوں میں تسلسل کے ساتھ شامل تمام کتب کے نام ونمبر ترتیب کے ساتھ چلیں گے۔ آخری جلد میں نمبر ایک سے چون تک تمام کتب کے نام

مجموعہ کتب کی جلد اور صفحہ اور مصنف کے نام کے ساتھ فہرست شامل کر دی ہے، تا کہ تلاش میں آسانی رہے۔

۷..... تمام جلدوں کا ٹائٹل رنگین اور دل آویز ہے۔

۸..... ہر جلد پر آرٹ کور کا ٹائٹل بھی چسپاں کیا ہے تا کہ ہر جلد محفوظ اور اس کی آن و بان، شان و شوکت دیرپا ہو۔

۹..... ہر کتاب پر اس کے مصنف کا نام نمایاں ہے۔

۱۰..... ہر کتاب کے اوّل میں مختصر چند سطری کتاب کے مصنف اور کتاب کا تعارف شامل کر دیا گیا ہے۔

۱۱..... جس کتاب کے اوّل میں فہرست کی اگر ضرورت تھی تو لگا دی گئی ہے۔

۱۲..... ہر کتاب کے ٹائٹل کے ساتھ اگر قدیم ایڈیشن کا ٹائٹل میسر آ گیا تو وہ بھی لگا دیا گیا ہے۔

۱۳..... پورے سیٹ میں اوّل سے آخر تک ایک سائز رکھا گیا، صفحات کی سطروں کی تعداد بھی یکساں رکھی گئی ہے۔

۱۴..... یاد رہے کہ اس سیٹ کی قیمت مقرر کرتے ہوئے نفع کمانے کی بجائے تبلیغ کے نقطہ نظر کو سامنے رکھا گیا ہے۔ تقریباً لاگت پر قیمت کا تعین کیا گیا تا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔

ان چودہ نمبرات میں سیٹ کے چودہ پہلو واضح کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد گرامی ہے:

''اذ قال یوسف لابیه یا ابت انی رأیت احد عشر کو کبا

والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین'' (یوسف:۴) سیدنا یوسف علیہ السلام خود، آپ کے گیارہ بھائی، والد گرامی علیہ السلام اور والدہ محترمہ علیہا السلام ان سب کی تعداد بھی چودہ ہی بنتی ہے۔ اس سیٹ کی اشاعت پر کوئی چیں بجبیں ہو تو ''کذالك کدنا لیوسف'' میں انعام الٰہی کے تذکرہ کے بموجب اس سیٹ کی اشاعت کو بھی ہم انعام الٰہی سمجھتے ہیں۔ یہاں تک پہنچا تھا تو مولانا محمد انس، مولانا اسد اللہ ضیاء، مولانا محمد بلال نے فقیر کے حج کے ویزا کی آن لائن سلپ لا کر دی۔ اہل بیت عظام ؓ کی صدق نیت سے غلامی انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے؟ ان عزیزوں کے ہاتھوں یہ نوید سعید اس کی کامل و مکمل دلیل ہے۔ فقیر بے نوا کے لئے یہ سعادت ''کیف اخشی الفقر وانا عبد الغنی'' کا مصداق ہے اور واقعی ہے!

پروردگار عالم باری تعالیٰ حضرات اہل بیت عظام ؓ کے مورث اعلیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وسلم کی بروز حشر شفاعت سے مالا مال فرمائیں۔

آمین بحرمۃ سید الانبیاء وخاتم النبیین۔

برحمتك یا ارحم الراحمین!

محتاج دعا: فقیر اللہ وسایا (ملتان)

۲۲ ذیقعدہ ۱۴۴۷ھ / ۱۰ مئی ۲۰۲۶ء

اَلرَّدُّ عَلَى الْمُتَعَصِّبِ الْعَنِيْدِ
اَلْمَانِعِ مِنْ ذَمِّ يَزِيْدَ

یزید کی شخصیت

علّامہ ابن جوزیؒ کی نظر میں

الامام ابوالفرج عبدالرحمٰن علی بن محمد بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

الرد على المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد

یزید کی شخصیت

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

عربی تصنیف

الامام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

مفتی عبدالواحد صاحب

مترجم

مفتی شعیب احمد

بسعی واہتمام

میاں رضوان نفیس

شاہ نفیس اکادمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الرّد علی المتعصب العنید
المانع من ذم یزید
یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزیؒ کی نظر میں

الامام ابوالفرج عبدالرحمٰن علی بن محمد بن جوزیؒ آپ کی پیدائش ۵۱۰ھ، ۵۱۱ھ کے لگ بھگ بغداد شہر میں ہوئی۔ آپ اپنے زمانہ کے نامور مصلح، مبلغ، مصنّف اور امام زمانہ تھے۔ آپ نے یہ کتاب ۶۵ سال کی عمر میں لکھی۔ اس کا باعث یہ ہوا کہ آپ کے وعظ کی مجالس مثالی ہوتی تھیں۔ لاکھوں خلق خدا کے آپ کے وعظ کی مجالس میں شمولیت دو لچسپی کے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔

ایک وعظ میں ''یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟'' کا سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ''ایک آدمی (یزید) کو تین سال حکومت ملی۔ اس نے پہلے سال حضرت حسینؓ کو شہید کیا۔ دوسرے سال اہل مدینہ کو ستایا (حرّہ) صحابہ، تابعین کا قتل عام ہوا۔ صحابہ کرامؓ کی اولاد کی عزتوں کو پائمال کیا گیا۔ مدینہ طیبہ کو مباح کر دیا گیا۔ تیسرے سال کعبہ شریف پر گولہ باری کی۔ اس کا ایک حصہ منہدم ہوا۔ بیت اللہ

شریف کے غلاف کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ ایسے آدمی کے متعلق آپ بتائیں کہ آپ کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ لوگوں نے کہا کہ ایسے شخص (یزید) پر ہم لعنت کرتے ہیں۔ پھر خلیفہ ناصر کی موجودگی میں بھرے مجمع نے یزید پر لعنت کی۔"

(تذکرۃ الخواص ص ۲۹۱)

اس دور کے عبدالمغیث حنبلی نے اس واقعہ کے خلاف "فضائل یزید" نامی رسالہ لکھ دیا۔ اس کے جواب میں حضرت العلّام ابن جوزی نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ عبدالمغیث حنبلی کے رسالہ پر تمام ائمہ، فقہاء نے عدم اعتماد کیا اور علامہ ابن جوزی کے رسالہ کو ہر دور میں سراہا گیا۔

محقق دوراں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ (لاہور) نے اس پر مقدمہ لکھا۔ مفتی محمد شعیب مد ظلہم نے اس کا ترجمہ کیا۔ جناب میاں رضوان نفیس نے اسے شائع کرنے کی ہمت کی۔

"مجموعہ کتب احتساب ناصبیّت" میں پہلے نمبر پر ہم اسے شامل کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (ادارہ)

فہرست

عرضِ مترجم 23

عرضِ دوم 26

حرفِ رضوان 27

عرضِ مزید 34

تنبیہ 35

مقدمہ (حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ) 37

1۔ یزید کے زمانے سے متعلق احادیث: 38

2۔ یزید کے ظالم گورنروں کو مقرر کرنے سے متعلق احادیث: 40

2۔ کوفہ پر عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا۔ جس کے جرائم یہ ہیں: 42

ا:۔ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدتمیزی: 42

۲:۔ حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑانا: 42

۳:۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل اور ان کی بے حرمتی: 43

3:۔ یزید کی حرمین پر لشکر کشی 44

1۔ وقعہ حرہ 44

2:۔ خانہ کعبہ پر گلہ باری: 45

حاصل بحث: 45

یزید پر لعنت: 46

تنبیہ: 50

آخری بات:..... 50
مقدّمہ..... 52
تعارف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ..... 53
کچھ دیر مصنف کے حضور..... 53
نام ونسب:..... 53
نسبت:..... 54
تاریخ پیدائش:..... 55
ابتدائی حالات اور تحصیل علم:..... 57
مقدار سے معیار تک:..... 59
اساتذہ کرام:..... 61
فراغت اور افادہ خلق:..... 62
عملی زندگی کے دو پہلو:..... 63
وعظ ونصیحت:..... 64
مجالس وعظ کے شرکاء:..... 65
علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اور زہد وتصوف:..... 67
تالیفات:..... 73
تصانیف کی تعداد:..... 75
تدریسی زندگی:..... 77
تلامذہ:..... 78
درسِ قرآن کا دستور:..... 79

حلیہ وشمائل:..... 80
نظر بندی کے مصائب:..... 81
وفات اور تدفین:..... 84
کچھ کتاب کی نسبت سے..... 86
استنادی حیثیت:..... 86
زمانہ تالیف:..... 87
سبب تالیف:..... 87
"فضائل یزید" علماء کی نظر میں:..... 88
عبدالمغیث حنبلی کا علمی مقام:..... 89
خطبہ کتاب..... 92
زیرِ نظر تحریر کا پس منظر..... 92
عبدالمغیث حنبلی کا علمی پایہ..... 94
علمِ حدیث سے تہی دامنی..... 94
صفاتِ باری تعالیٰ میں غلو..... 96
علمِ فقہ میں بے بضاعتی..... 97
ایک محدث کا علمی لطیفہ..... 98
بے ادب بے نصیب..... 99
بے عقلی کا مظاہرہ..... 100
آمدم برسرِ مطلب..... 101
لعنتِ یزید کا مسئلہ..... 102

امام احمد رحمہ اللہ اور مذمتِ یزید 103
احادیث سے لعنت کا جواز 105
زیرِ نظر رسالے کی ترتیب 107
یزید کی جانشینی کی مہم 108
یزید کی ولی عہدی اور نصائح 109
یزید کی تخت نشینی اور بیعت کا مطالبہ 111
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی 111
میدانِ کارزار میں 113
نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی المناک شہادت 116
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مکالمہ 119
اشعار کا پس منظر: 124
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ دربارِ یزید میں: 125
اہل خانہ کی مدینہ منورہ آمد: 126
یزید کی بدنیتی اور ڈھٹائی: 129
اہل مدینہ کی یزید سے براءت 130
حرّہ کا دلخراش واقعہ 131
اہل مدینہ کی بابت احادیثِ نبوی 133
عبدالمغیث کی بات پر تبصرہ 134
حرمِ مکی پہ سنگ باری 135
حمایتِ یزید میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ 137
امام احمد رحمہ اللہ پر اعتراض 137

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے استدلال..... 140
امام احمد رحمہ اللہ کے سکوت سے استدلال..... 141
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی سے یزید کے حق میں استدلال:.... 142
ولایتِ یزید کے رد کا مسئلہ:..... 146
نظامِ زندگی کے لیے حکمران کی ضرورت:..... 147
امارتِ یزید کی شرعی حیثیت..... 150
ظالم حکمران کی اطاعت کا مسئلہ:..... 151
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا طرزِ حکومت:..... 154
حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خارجیت:..... 158
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے یزید کی رعایت:..... 159
یزید کی سخاوت کا سہارا:..... 160
یزید کے قرنِ ثانی میں ہونے سے استدلال:..... 161
یزید اور تلاوتِ قرآن:..... 162
دعائے خاتمہ:..... 162
اختتام ترجمہ:..... 163
الرَّدُّ علَى المُتَعَصِّبِ العَنِيْدِالمَانِعِ مِنْ ذَمِّ يَزِيْد(عربی متن کتاب)
165.....

انتساب

اس ہستی کے نام جس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اور دل میں مچلنے والی نسبت اس گنبدِ خضریٰ (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے جڑی ہوئی ہے جو نہ صرف فرشیوں بلکہ عرشیوں کی بھی عقیدتوں اور محبتوں کا مدار و محور ہے۔

میری مراد ہیں

قطب الاقطاب

حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ

کہ جن کی نگاہِ کامل سے ان گنت بنجر دلوں میں شادابی آئی اور بے شمار چٹیل دماغوں میں رسولِ خدا ﷺ سے جڑی ایک ایک چیز کے بارے میں عقیدت و محبت کے دریا ٹھاٹھیں مارنے لگے۔

عرضِ مترجم

(طبع اوّل)

مشہور ہے کہ رزق آدمی کو یوں ڈھونڈتا ہے جیسے موت اس کی تلاش میں رہتی ہے۔ رزق سے مراد صرف ماکولات ومشروبات، اور مال ودولت ہی نہیں، بلکہ اس میں انسان کی سعادت وخوش بختی کے مواقع اور ذرائع بھی ہیں۔ اور وہ بھی انسان کو ڈھونڈتے رہتے بلکہ ڈھونڈ کر رہتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تو یوں معلوم پڑتا ہے کہ انسان کی حالت گویا یوں ہے: أقوام یقادون إلی الجنة بالسلاسل. ترجمہ: کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جنہیں بیڑیاں ڈال کر جنت میں لے جایا جائے گا۔ یعنی گویا سعادت اپنے زورِ بازو پر ان لوگوں کو خواہی نخواہی مل کر رہے گی۔ بیڑیاں ڈالا ہوا آدمی ظاہر ہے جاہی کہاں سکتا ہے؟

یہ تمہید دراصل تعبیر وتصویر ہے اس حقیر سی کاوش کی، کہ لینے والے نے کام لے لیا ہے اور کام مکمل ہو گیا ہے۔ یعنی بحمد اللہ! محدثِ جلیل مورخِ عظیم علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے ایک 'بقامتِ کہتر وبقیمتِ بہتر' کے مصداق رسالے کا ترجمہ مکمل ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔ کام اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے اتنا زیادہ نہ تھا، لیکن کچھ عملی اور کچھ ذہنی مصروفیات یا طبعی کسل مندی کی وجہ سے تاخیر ہوئی، تاہم پھر بھی اس دن میں ترجمے کی تسوید سے بحمد اللہ فراغت ہو ہی گئی۔ لیکن اس کے بعد کتابت، تصحیح اور مقدمہ نگاری وغیرہ کے عوائق بات کو آج تک پہ لے آئے۔ اب ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ترجمے میں چند باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

- ترجمے میں کوشش رہی ہے کہ سلیس اور رواں ہو۔اس سلسلے میں کچھ چیزوں کا تمہیداً یا تفریعاً اضافہ بھی ناگزیر تھا، چنانچہ کیا گیا، تاہم ایسے اضافوں کو متن سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن عبارت کے تسلسل کی وجہ سے خلل محسوس نہیں ہوتا، بلکہ اضافے اصل کتاب کا حصہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔
- اصل کتاب میں صرف فصلیں تھیں عنوانات نہیں تھے، یہ اضافہ بھی ترجمے کا ہی حصہ ہے۔
- علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اگر کوئی بات کسی کتاب سے نقل کی ہے تو اس کا حوالہ دیا ہے۔اور اگر اپنے ذریعے اور روایت سے نقل کی ہے تو اس کی مکمل سند بیان کی ہے۔ لیکن اردو قاری کی سہولت اور ضرورت کے پیش نظر سند کو ترجمے میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ تحقیق کے لیے اصل کتاب موجود ہے۔
- مصنف کا تعارف مختصر لکھنے کا ارادہ تھا لیکن بات سے بات نکلتی ہی اس لیے کام قدرے طول پکڑ گیا ہے۔ بے جا سمع خراشی پر پیشگی معذرت۔
- نفس مضمون سے اختلاف یا اس پر اشکال کی بات ہو تو اس کے تو خود مصنف ذمہ دار ہیں، البتہ ترجمہ کرنے یا ان کی بات کو تعبیر کرنے کے حوالے سے کوئی سقم ہو تو اس پر پیشگی شکریے کے ساتھ توجہ دلانے کی التماس ہے۔
- کتاب کے مقدمے کی تیاری میں اصل کتاب کے محقق کی معلومات اور حوالہ جات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔اسی طرح دورانِ ترجمہ بھی حاشیے سے مدد لی گئی ہے۔ جسے نمایاں کر دیا گیا ہے۔

حضرت الاستاذ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ (اب رحمہ اللہ)

(خلیفہ مجاز حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ) کے حوالے سے دل ودماغ جذباتِ تشکر سے اس قدر لبریز ہے کہ جس کی تعبیر کو موزوں پیرایہ اظہار میسر نہیں۔ حضرت نے غایتِ شفقت اور ذرہ نوازی سے کتاب کے اصل موضوعِ بحث سے متعلق اپنی مدلل رائے بطور مقدمہ مرحمت فرمائی۔ جزاہ اللہ عنا أحسن ما جزی محسناً عن إحسانه.

آخر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی اخلاقی فرض بنتا ہے جن کی تحریک وتحریض یا علمی تعاون کسی بھی طور اس کاوش میں شریک رہا۔ خصوصاً حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے خادم اور ہمارے مخدوم جناب رضوان نفیس صاحب مدظلہ، اور ہمارے دوست سید رضا علی جعفری صاحب، مفتی عبدالرحمن نذر صاحب، مفتی ضیاء الرحمن صاحب اور مفتی طلحہ جواد صاحب وغیرہم۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس حقیر سی کاوش کو قبول فرما کر اسے راقم کے لیے ذخیرہ آخرت اور خاتمہ بالخیر کا ذریعہ بنائیں۔ آمین، وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

شعیب احمد

جامعہ دارالتقوی۔ چوبرجی پارک، لاہور

قریباً من نصف لیلة النصف من شعبان 1433ھ

عرضِ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اب سے تقریباً نو سال پہلے اللہ رب العزت نے زیرِ نظر کتابچے کے ترجمے کی سعادت عطا فرمائی تھی۔ کتاب کو توقع سے بڑھ کر مقبولیت حاصل ہوئی۔ فللہ الحمد۔ ایڈیشن ختم ہو گیا مگر طلب قائم رہی۔

مخدوم و مکرم جناب محترم میاں رضوان نفیس صاحب مد ظلہم نے اس طباعت کا اہتمام فرمایا تھا اب بھی وہی اس کی دوسری طبع کی سعی فرما رہے ہیں۔ نظرِ ثانی کا حکم ہوا تو نظرِ ثانی کر لی گئی۔ لفظی اغلاط کی تصحیح اور معمولی سے حذف و اضافوں کے علاوہ کوئی قابلِ شمار بڑی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

طبع دوم میں پرانے احباب کے علاوہ حضرت مفتی رفیق صاحب اور عزیزم مفتی صہیب ظفر صاحب اور مفتی ضیاء الرحمن صاحب کا خصوصی حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازیں۔ اور ہماری نیتوں کو خالص اور اعمال کو مقبول اور فوائد و ثمرات کو عام و تام فرمائیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيزٍ۔

شعیب احمد

○ دار الافتاء والتحقیق، جامعہ دار التقویٰ، لاہور

○ خطیب جامع مسجد چوبرجی کوارٹر، لاہور

26 صفر الخیر 1442ھ

حرفِ رضوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علیٰ من لا نبي
بعدہ

ہمارے پیر و مرشد امام العاشقین، قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات مرکز محبت و وفا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ محبت کا طریقہ بھی خود ہی تعلیم فرما دیا ہے، ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں کہ:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال قال النبي ﷺ لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین.

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (صحیح بخاری و مسلم)

جب قاعدہ اور دستور یہ ہے کہ محبوب کی ہر چیز بھی محبوب ہوتی ہے، پھر جس چیز کو خود محبوب بھی محبوب بتائے اس کو تو لاریب محبوب ترین ہونا چاہیے۔ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے ان کے متعلق تو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"حسن اور حسین میری دنیا کی بہار ہیں"

اس لیے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں ان کے دشمن کو فضیلت دینا بہت بڑی گمراہی اور بد نصیبی ہے۔ اور پھر یزید جیسا شخص جس کے فاسق و فاجر ہونے

پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے، اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حق پر سمجھا جائے اور اس کی حمایت میں ہر ضابطے کو پامال کر دیا جائے یہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے اپنے لیے بھی اور اپنے ماننے والوں کے لیے بھی۔

اور جو کوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) باطل اور خاطئی سمجھے اور یزید کو برحق سمجھے، اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے تو اللہ پاک نے قرآن مجید میں واضح طور پر فرمادیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا. (سورۃ الاحزاب: آیت:۵۷)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور انکے لیے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

کسی بھی آدمی پر اس کے گھر کی گواہی بہت بڑی حجت ہوتی ہے۔ یزید کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے حضرت معاویہ رحمہ اللہ بن یزید نے جو تاریخ ساز خطبہ دیا وہ دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے کا ہے جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے اصل حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے۔ حضرت معاویہ رحمہ اللہ بن یزید کہتے ہیں:

"میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہو گیا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ) اس نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

عترت کو قتل کیا، شراب کو مباح کیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟ اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام۔" (الصواعق المحرقۃ: 431، مطبوعہ مصر)

یہ بیٹے کی گواہی ہے اپنے باپ کے بارے میں۔

اور یزید کے خاص الخاص شریک کار، اس کے عراق کے چیف آف آرمی سٹاف، اس کے برادرِ عم (بشرطیکہ استلحاق زیاد صحیح ہو) عبید اللہ بن زیاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام اہل السنہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بسند ذیل نقل فرمایا ہے:

"یزید نے ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) کو لکھا کہ جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرو، تو ابن زیاد نے کہا کہ میں اس فاسق (یزید) کی خاطر دونوں برائیاں اپنے نامۂ اعمال میں کبھی جمع نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر چکا، اب خانہ کعبہ پر بھی چڑھائی کر دوں" (تاریخ طبری: 2/483-484)

اب یزیدی حضرات ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ بیٹا کیا کہتا ہے اور اُس کا آرمی چیف کیا کہتا ہے؟ اور یہ بیٹے سے اور آرمی چیف سے زیادہ یزید کے وفادار کیا کہتے ہیں؟ جن کو نہ اپنے انجام کی فکر نہ اپنے پیروکاروں کی، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بات پر بڑے درد کے ساتھ لکھتے ہیں جو اختصار کے ساتھ پیشِ قارئین ہے:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

المرء مع من أحب.

انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ

ہو۔" (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، 484/4)

قارئین کرام! یزید اس قابل ہر گز نہ تھا کہ اس پر اپنی توانائیاں صرف کی جائیں اور اس پر بحث کر کے اپنا وقت ضائع کیا جائے، لیکن کیا کیا جائے اس فتنہ پردازی کا جس کی اساس سراسر دھوکہ دہی اور دجل پر ہے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے، اس سے سادہ لوح مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لیے یہ خدمت انجام دینا بھی ضروری ہے۔

بزیر دلق ملمع کمند ہا دارند
دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

(دکھاوے کے چمکدار خرقہ کے نیچے (سادہ لوح افراد کو پھنسانے کے لیے) پھندے رکھتے ہیں، ذرا ان کوتاہ آستینوں کی دراز دستیاں (ظلم و ستم) تو دیکھو)۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو غلط اور یزید کو حق پر سمجھنا اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا، دجل کی ناصبی ٹیکسال پر اُس کے لیے جھوٹی روایات گھڑنا اور اس کے ظلم و ستم بد کرداری اور فسق و فجور کے متعلق صحیح روایات کو توڑ موڑ کر اسے نیک و پارسا ثابت کرنا یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے، ہر فتنہ کی طرح اس فتنہ سے بھی لوگوں آگاہ کرنے اور ان کا ایمان بچانے کی کوشش کی ذمہ داری ہر دور کے علماء حق اور ان کے پیروکار حضرات پر آتی رہی ہے جس کو ان حضرات نے اور ان کی نیابت میں علماء دیوبند رحمہم اللہ نے کما حقہ ادا کیا ہے۔ ہمارے حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ جو اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کے سلسلۃ الذہب کی نمایاں کڑی ہیں، انہوں نے بھی تادم آخر اس خدمت کا حق ادا کیا، جو حضرت رحمہ اللہ کی امتیازی شان

اور سب سے نمایاں وصف تھا۔ اللہ پاک ہمارے سب اکابر کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور ہمیں ہمارے بزرگوں کے ساتھ محشور فرمائے (آمین)۔

خدائے بالا بزرگ و برتر کی شان دیکھیے کہ جب بھی کوئی ایسا عقیدہ لے کر میدان میں نکلا کہ جو لوگوں کی گمراہی کا باعث بنا تو اللہ جل جلالہ نے اسی زمانے کی مقتدر شخصیت کو لوگوں کی رہنمائی کے لیے کھڑا کر دیا۔ انہی یگانۂ روزگار شخصیات میں سے ایک علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذات بابرکات ہے جن کا نام ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے جنہیں قدرت نے بے شمار خوبیوں کا مرقع بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانے میں ایک ایسی ہی تصنیف جو کہ یزید کی بے جا حمایت میں لکھی گئی تھی اس کا ایسا شافی جواب تحریر فرمایا جو تقریباً ساڑھے آٹھ سو (850) سال سے یزید کے حمایتیوں کے پھیلائے ہوئے زہر کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ کتاب عرصہ دراز سے کم یاب چلی آرہی تھی اور چیدہ چیدہ افراد کے پاس اس کے نسخے موجود تھے۔ ہمارے اکابر نے اس کتاب کے حوالے اپنی کتابوں اور تحریروں میں اکثر دیے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ہم نے حضرت رحمہ اللہ کے نام مبارک پر "شاہ نفیسؒ اکادمی" کے تحت حضرت رحمہ اللہ کی خواہش، تربیت اور حکم کے مطابق کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تو اور دوسری بہت سی کتابیں جو حضرت رحمہ اللہ شائع کرنا چاہتے تھے، ان کی تلاش و جستجو کے ساتھ ساتھ ہم اس کتاب کے بھی طالب تھے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک مخلص عالم دین جناب قاری ظہور احمد کے کتب خانہ سے ہمیں یہ گوہر مقصود ہاتھ آیا اس سفر میں ہمارے مخلص بے ریا جناب مفتی سید رضا علی جعفری زیدہ مجدہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اب اس کے کتاب کے ترجمہ کا خیال شدت سے دل میں پیدا ہوا۔ اس کا

اظہار ہم نے مفتی رضا صاحب سے بھی کر دیا۔ اگلے دن شام کو مفتی صاحب جو دوبارہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ اُن کے ہم جماعت مفتی شعیب احمد صاحب بھی تھے، جو کہ دار العلوم کراچی کے فاضل اور آج کل لاہور میں ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم (اب رحمہ اللہ) کے دار الافتاء والتحقیق کے معین مفتی بھی ہیں ان سے باتوں باتوں میں اس کتاب کے ترجمہ کا ذکر چلا تو مفتی شعیب صاحب نے مجھ عاجز کی تڑپ کو دیکھ کر ترس فرمایا اور ترجمہ کی ہامی بھر لی۔ اسی دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کتاب کے بعض دیگر تراجم بھی دستیاب ہیں لیکن دیکھنے سے مایوسی ہوئی کیونکہ محض لفظی ترجمہ کیا گیا جبکہ یہ کتاب جیسا کہ مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ ایک مخصوص پسِ منظر میں لکھی گئی اور اس کے اصل مخاطب اہلِ علم حضرات ہیں۔ لیکن مذکورہ ترجمہ اُن خصوصیات سے عاری تھا جو ایک علمی اور تحقیقی کتاب کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی گوناں گوں علمی مصروفیات کے باوجود صرف دس (۱۰) دنوں کے اندر اندر نہ صرف عمدہ ترجمہ کر دیا بلکہ ایک وقیع علمی تحریر کا اضافہ بھی فرمایا جس میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تعارف اور حالات کے علاوہ ''تنبیہ'' کے عنوان سے چند اہم اصولی باتیں بھی ذکر کر دیں، اس ترجمے کو اس ''تنبیہ'' کی روشنی میں ہی پڑھنا چاہیے تاکہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی جنم نہ لے۔

اس کتاب پر مقدمہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے انتہائی قابل اعتماد اور جلیل القدر خلیفہ، ہمارے دور کی معروف علمی شخصیت ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ (اب رحمہ اللہ) نے تحریر فرمایا ہے جو کہ بذات خود ایک بہت بڑا اعزاز اور مجھ مسکین پر ان کا بہت بڑا احسان ہے، [افسوس کہ حضرت 18 شوال

المکرم 1440ھ کو ہمیں داغِ مفارقت دے گئے اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں اپنے مخصوص مقاماتِ قرب سے نوازے۔ آمین]

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ہم "حلقۂ احبابِ نفیس" کے تمام کرم فرماؤں کے تہہ دل سے مشکور ہیں جن کی سرپرستی میں یہ نادرِ روزگار کتاب تیار ہو کر منصۂ ظہور پہ آرہی ہے۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ہماری اس عاجزانہ سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور آخرت میں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے (آمین یارب العالمین)۔

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم سے محبت اور خلوص کی سنو ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے)

خاکپائے شاہ نفیس الحسینی قدس سرہ

احقر رضوان نفیس

14 رمضان المبارک 1433ھ

عرضِ مزید

جب یہ کتاب چھپ کر علمی حلقوں میں پھیلی تو بعض لوگوں نے بطور اعتراض یہ نکتہ اٹھایا کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا کیا ہے؟ انہوں نے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر بھی تنقید کی ہے۔ اگر انہوں نے یزید کی مذمت کر دی تو کیا ہوا!!

اگر ذرا انصاف سے کام لیا جائے تو یہ اعتراض بالکل ہی بے کار اور بودا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی امام صاحب رحمہ اللہ پر تنقید اور یزید پر تنقید ایک ہی لب و لہجے میں ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ پر تنقید ایک علمی تنقید ہے جبکہ یزید پر علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تنقید بلکہ لعنت اور اس سے بڑھ کر اُس کے ایمان تک کا معاملہ اور چیز ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ امام صاحب رحمہ اللہ پر کی گئی تنقید کو نہ صرف یہ کہ اہل علم نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کا جواب بھی دیا ہے۔ مگر یزید پر کی گئی تنقید کی اہل حق جمہور اہل سنت نے بہت واضح تائید کی ہے۔ چنانچہ اسی کتاب میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ یزید پر تنقید کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سراہا ہے، کیا امام صاحب رحمہ اللہ پر تنقید کو بھی امت میں ایسی قبولیت حاصل ہوئی ہے؟

جب ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر اس مغالطہ دہی کا کیا حاصل! اللہ ہم سب کو ہدایت اور اہل سنت کا مسلک حق شرح صدر کے ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین!

تنبیہ

کتاب کے موضوع اور مواد کے حوالے سے ایک بات ذہن نشین ہونا ضروری ہے اور وہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیت کردار، اور ان سے تعلق رکھنے والے اس دور کے امور کے حوالے سے جو معلومات ہم تک پہنچی ہیں، وہ دو ذرائع پر مشتمل ہیں۔

(۱) حدیث کی روایات

(۲) تاریخ کی روایات

حدیث کی روایات میں، دینی تقاضا اور مذہبی ذمہ داری سمجھتے ہوئے، تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کا معیار بہت بلند رکھا گیا ہے۔ اسی لیے ان مسائل میں اس ذخیرے کو بنیادی اور اولین درجے کی اہمیت حاصل ہے۔ اہل سنت کے اصولی عقائد اس باب میں اسی پر مبنی ہیں۔ اس ذخیرے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو تاثر سامنے آتا ہے اسے، یہ حضرات "اَلصَّحَابَةُ کُلُّھُم عُدُوْلٌ" (یعنی صحابہ تمام کے تمام راست باز، صاف گو، انصاف پرست، اور اُجلے کردار کے مالک تھے) کے ضابطے سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے متوازی دوسرا سلسلہ تاریخی روایات کا ہے، جس میں تحقیق و نقد کا وہ معیار نہیں۔ بلکہ وہ ہر طرح کی مثبت و منفی باتوں پر مشتمل ہے، نہ ہی یہ حد تواتر کو پہنچتا ہے۔ اس کی اجمالی حیثیت وہی ہے جو اسرائیلیات کی ہے کہ "لاتُصَدِّقُوھم ولا تُکَذِّبوھُم" چنانچہ ان روایات کو کسی نظریے یا عقیدے کی بنیاد بننے میں بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اول الذکر علمی ذخیرے کے

تابع رہیں گی۔ جہاں موافقت ہو گی انہیں تائیدی درجے میں لے لیا جائے گا، اور جہاں ناقابل تطبیق تعارض پیدا ہو گا، وہاں ترجیح روایاتِ حدیث کو حاصل ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے سامنے کوئی بھی نظریہ اور تحقیقی رائے قائم کرنے کے لیے اصل چیز حدیثی ذخیرہ ہے۔ تاریخی مواد ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی اہل سنت کا اصول اور اکابر کا طرز ہے۔ اور ہم بھی بحمد اللہ اسی اصول پر کاربند ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں زیر نظر کتاب کا تجزیہ یوں کیا جائے گا۔

کتاب کا اصل موضوع "یزید کی اہلیت اور اس کے مقام" کو واضح کرنا ہے۔

یزید کے بارے میں مذکورہ بالا تقسیم کی رو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ حدیثی ذخیرے کی رو سے ظالم اور فاسق حکمران تھا۔ (جس کی تفصیل مقدمہ میں مذکور ہے) اور تاریخی روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔ اس بناء پر اہل سنت والجماعت یزید کو بالاتفاق ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں۔

باقی کتاب میں ضمناً کچھ ایسی روایات بھی آئی ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہیں۔ یہ روایات خالصتاً تاریخی (اور اخبار آحاد) ہیں۔ جن کی حدیثی ذخیرے اور اس پر مبنی اہل سنت کے اصول کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں۔ لہذا ان روایات کو تاریخی حکایات ہی کا درجہ دینا چاہیے، کسی نظریے یا عقیدے کی ترجمانی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمارے اکابر اہل سنت خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے لے کر خاندان ولی اللہی سے ہوتے ہوئے علمائے دیوبند رحمہم اللہ تک سب حضرات کا یہی نظریہ اور اصول ہے۔ اور اکابر کے طرز میں ہی خیر ہے۔ اَلبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ۔

مقدمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

بسم اللہ حامداً ومصلیاً

یزید کے بارے میں اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ وہ فاسق تھا۔ لیکن تاریخ کی روایات میں اس کے بارے میں ایک تضاد سا بھی پایا جاتا ہے۔ جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اپنے دورِ حکومت میں یزید کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ والے اس کی بیعت کرنے کے باوجود اس کے بارے میں عدمِ اطمینان کا شکار ہیں تو اس نے ان کا ایک وفد اپنے پاس بلایا۔ اس وفد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی سے ایک صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ بھی تھے۔ وفد کے واپس آنے کے بعد محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کے لوگ یزید کی بیعت توڑنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ "مجھے تو یزید میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی" اس پر وفد کے دیگر لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس کی وہ باتیں معلوم ہیں جو آپ کو معلوم نہیں۔ پھر مدینہ منورہ والوں نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ (دیکھیے البدایہ والنہایہ: ۱۸۶/۸)

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اور مدینہ منورہ کے دیگر حضرات سب ہی کوئی چھوٹے لوگ نہ تھے اور نہ ہی جھوٹ بولنے اور اپنی جانب سے الزام گھڑنے والے تھے۔

یہ تو تاریخی روایات کے حوالے سے بات ہے، لیکن یزید کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں کچھ مواد موجود ہے، اور صحیح روایتوں سے اس کے کردار کی خاصی تعیین ہوتی ہے۔ اس لئے تاریخ کی کتابوں کے بجائے حدیث کی کتابوں میں مذکور قابل قبول روایتوں پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ کتبِ حدیث میں اس کے بارے

میں وارد روایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1) ایک تو وہ ہیں جن کا تعلق یزید کے بارے میں اس کے عہد و زمانہ سے ہے۔

(2) دوسرے وہ ہیں جن کا تعلق یزید کی طرف سے ظالم و جابر گورنروں کو مقرر کرنے سے ہے۔

ذیل میں ان دونوں قسم کی روایتوں کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

1- یزید کے زمانے سے متعلق احادیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ. (بخاری: حدیث نمبر: ۱۲۰)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ظرف علم کے یاد کئے ہیں۔ (یعنی دو قسم کا علم حاصل کیا ہے) ان میں سے ایک قسم (جو عقائد اور دین کے احکام پر مشتمل ہے اس کی تو میں نشر و اشاعت کر چکا ہوں۔ رہا دوسرا علم (جو نالائق حکمرانوں کے ناموں اور حالات پر مشتمل ہے) اگر میں اس کی نشر و اشاعت کروں تو (ان لوگوں کو اور ان کے متعلقین کو میری باتیں گوارا نہ ہوں گی اور وہ میرے سخت دشمن بن جائیں گے اور) میرا نرخرہ کاٹ دیا جائے گا۔ (چونکہ وہ صرف آئندہ کی خبریں ہیں اور دین کی تعلیم سے ان کا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اشاعت مجھ پر فرض نہیں ہے اس لئے میں ان کو ذکر نہیں کرتا)

البتہ اشارہ کنایہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کا کچھ ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً وہ یہ دعا مانگتے تھے:

أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة الصبيان.

(فتح الباری: ۱/۲۱۶)

میں اللہ تعالی سے سن ساٹھ کے شروع ہونے (جب یزید کی حکومت قائم ہوئی) اور (بڑے صحابہ کے اعتبار سے بنو امیہ کے) لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں (جو یزید سے شروع ہوئی)

فائدہ :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوئی اور وہ یزید کے حکمران بننے سے ایک سال پہلے وفات پا گئے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے:

قالوا وما أمارة الصبيان؟ قال: إن أطعتموهم هلكتم وإن عصيتموهم أهلكوكم.

(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۳۷۲۳۷)

حاضرین نے پوچھا لونڈوں کی حکومت کا کیا معنی؟ فرمایا: (ان کی صفت یہ ہوگی کہ) اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو (جائز ناجائز احکام ماننے کی وجہ سے تمہارا دین برباد ہوا اور دین کے اعتبار سے) تم ہلاک ہوئے اور اگر تم نے ان کی (بات نہ مانی اور) نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر دیں گے (کہ یا تو جان سے مار دیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں گے یا تمہاری جان و مال دونوں تباہ کر دیں گے)

عن سعيد بن عمرو قال كنت جالساً مع أبي هُريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة ومعنا مروان قال أبو هريرة سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش، فقال مروان لعنة الله عليهم غلمة فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول بني فلان وبني فلان فعلت. (بخاری: حدیث نمبر: ۳۶۰۵)

حضرت سعید بن عمرو کہتے ہیں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا میں نے صادق و مصدوق ذات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی (خاص بربادی و) تباہی

(اور فساد) قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اس پر مروان کی زبان سے نکلا خدا کی ان پر لعنت ہو۔ کیا آپ صرف لونڈے بتاتے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (مزید) کہا اگر میں بتانا چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔

2۔ یزید کے ظالم گورنروں کو مقرر کرنے سے متعلق احادیث:

1۔ مدینہ منورہ پر عمرو بن سعید کو گورنر مقرر کیا جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: كان متألِّهاً متكبّراً (البدایہ: ۱۱۹/۸) ترجمہ: (یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے چونکہ یزید کی بیعت نہ کی تھی اور مکہ مکرمہ میں پناہ گزیں تھے اس لئے اس نے مدینہ منورہ آتے ہی ان کو گرفتار کرنے کے لیے حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی۔ حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول تھے انہوں نے اس کو فہمائش کی:

عن أبي شريح أنه قال لعمرو بن سعيد وهو يبعث البعوث إلى مكة: ائذن لي يا أيها الأمير أحدثك قولاً قام به رسول الله ﷺ الغد من يوم الفتح سمعته أذناي ووعاه قلبي وأبصرته عيناي حين تكلم به. حمد الله وأثنى عليه ثم قال: إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دماً ولا يعضد بها شجرة، فإن أحد ترخص لقتال رسول الله فيها فقولوا إن الله قد أذن لرسوله ولم يأذن لكم، وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس ولبلغ الشاهد الغائب، فقيل لأبي شريح: ما قال لك عمرو؟ قال: قال أنا أعلم بذلك منك يا أبا شريح إن الحرم لا يعيذ عاصياً ولا فاراً بدم ولا فاراً بخربة. (بخاری: حدیث: ۱۰۴)

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید کو جب کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مکہ معظمہ پر چڑھائی کے لیے فوجی دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان کروں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہو کر بیان فرمایا تھا۔ اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اس کو یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو بیان فرما رہے تھے میری دونوں آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) بنایا ہے لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا۔ لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں کسی کا خون بہائے اور وہ وہاں کا کوئی درخت بھی نہ کاٹے۔ پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس بات کی رخصت چاہے تو اس کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اسکی اجازت نہیں دی اور مجھے بھی دن کی ایک گھڑی کے لئے اجازت دی۔ پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو چاہیے کہ جو شخص غائب ہے اس تک یہ بات پہنچا دے۔ اس پر ابو شریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو نے پھر آپ کو کیا جواب دیا؟ فرمایا اس نے کہا: "اے ابو شریح! میں اس بات کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں حرم (مکہ) نہ کسی عاصی (گناہگار) کو پناہ دیتا ہے (اس سے عمرو بن سعید کی مراد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے) اور نہ کسی ایسے شخص کو جو خون کر کے وہاں بھاگ جائے اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں

فرار ہو جائے۔"

فائدہ:

عمرو بن سعید کا یہ کہنا کہ میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت کو عاصی و نافرمان کہنا اس کی بڑی ڈھٹائی اور سرکشی تھی اور مکہ مکرمہ پر لشکر کشی ایک علیحدہ جرم۔

۲۔ کوفہ پر عبیداللہ بن زیادکومقررکیا ۔ اس کے جرائم یہ ہیں:

۱:۔حضرت عائذبن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدتمیزی:

إن عائذ بن عمرو كان من أصحاب رسول الله ﷺ دخل على عبيد الله بن زياد فقال: أي بني! إني سمعت رسول الله ﷺ قال: إن شر الرعاء الحطمة، فإياك أن تكون منهم، فقال له: اجلس فإنما أنت من نخالة أصحاب محمد ﷺ، فقال: وهل كانت لهم نخالة، إنما كانت النخالة بعدهم وفي غيرهم. (مسلم: حدیث: ۱۸۳۰)

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، (ایک مرتبہ) عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے اور (نرمی سے سمجھانے کی خاطر) فرمایا: بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: حکمرانوں میں سے سب سے برا وہ ہے جو بے رحم ہو (اور لوگوں کو پیس ڈالے) تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے رہنا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا (بڑے میاں) بیٹھ جاؤ تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی بھوسی ہو۔ یہ جواب سن کر حضرت عائذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا صحابہ میں بھی بھوسی تھی۔ بھوسی تو بعد میں آنے والوں میں اور ان میں ہے جو صحابی نہیں ہیں۔ (کیونکہ صحابہ تو سارے ہی خالص ہیں)

۲:۔حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کامذاق اڑانا:

عبد السلام بن أبو حازم أبو طالوت قال: شهدت أبا

برزة دخل على عبيد الله بن زياد .... قال: فلما رآه عبيد الله، قال: إن محمديكم هذا الدحداح، ففهمها الشيخ فقال: ماكنت أحسب أني أبقى في قوم يعيرونني بصحبة محمد ﷺ، فقال له عبيد الله: إن صحبة محمد لك زين غير شين. (ابوداود:۴۷۵۱)

ابو طالوت عبدالسلام بن ابو حازم کہتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس (اس کے بلانے پر) تشریف لائے۔ جیسے ہی عبید اللہ کی نظر آپ پر پڑی کہنے لگا: (لو یہ) تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا آگیا۔ حضرت (ابو برزہ رضی اللہ عنہ) اس کی بات سمجھ گئے (اور اس کے ٹھگنا موٹا کہنے پر تو توجہ نہ کی البتہ اس نے محمدی کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا اس پر آپ کو غصہ آگیا، کیونکہ اس سے خود رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی کی اہانت نکلتی ہے۔ چنانچہ) فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ میں ایسے لوگوں کے وجود میں آنے تک باقی رہوں گا جو حضرت محمد ﷺ کی صحبت پر عار دلائیں گے۔ اب عبید اللہ نے (بات بدل کر) ان سے کہا: محمد ﷺ کی صحبت تو آپ کے لئے زینت ہے باعث عیب نہیں ہے۔

۳: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل اور ان کی بے حرمتی:

عن أنس بن مالك قال: أتي عبيد الله بن زياد برأس الحسين فجعل في طست فجعل ينكت (وفي رواية الترمذي فجعل يقول بقضيب في أنفه) وقال في حسنه شيئاً (وفي لفظ الترمذي: ويقول: مارأيت مثل هذا حسناً لم يذكر)، فقال أنس: كان أشبههم برسول الله ﷺ.

(بخاری: حدیث:۳۵۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس تھا اتنے میں) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ وہ چھڑی سے اس کو چھیڑتا

رہا (اور ناک میں چھڑی گھساتا رہا) اور اس نے آپ کے حسن کے بارے میں بدزبانی کی (یعنی یہ کہ میں نے تو ان کو ایسا حسین نہیں پایا پھر ان کے حسن کا کیوں چرچا ہے؟) اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

3:- یزید کی حرمین پر لشکرکشی:

1. وقعہ حرہ:

مدینہ منورہ سے باہر مشرقی جانب جو پتھریلا علاقہ ہے جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام "حرہ" کہلاتا ہے۔ اس مقام پر انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی جو "جنگ حرہ" کہلاتی ہے۔ "جنگ حرہ" کا سبب یہ تھا کہ جب انصار مدینہ نے یزید کو بدکردار سمجھتے ہوئے اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک کثیر فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر بھیجا کہ تین دن تک مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لیے حلال کر دینا۔ اس مدت میں کسی کی جان و مال کو امان نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ثم وقعت الفتنة الثانية يعني الحرة فلم تبق من أصحاب الحديبية أحداً. (بخاری: حدیث: ۳۸۰۰)

پھر دوسرا فتنہ یعنی "جنگ حرہ" جب واقع ہوئی تو اس جنگ نے اصحاب بیعت رضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فدخل مسلم بن عقبة المدينة وبها بقايا من الصحابة فأسرف في القتل. (طبرانی)

مسلم بن عقبہ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس نے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں قریش و انصار میں

سے تین سو چھ معزز حضرات کے نام گنائے ہیں جن کو شامی فوج نے قتل کیا۔

سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے:

لما كان أيام الحرة لم يؤذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثاً ولم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب من المسجد وكان لا يعرف وقت الصلاة إلا بهمهمة يسمعها من قبر النبي ﷺ. (سنن دارمی، حدیث:۹۳)

خرّہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت ہوئی البتہ حضرت سعید بن مسیب (جو کہ بڑے تابعی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے انہوں) نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا (وہ وہیں چھپے رہے) اور وہ بھی نماز کا وقت صرف اس ہلکی سی آواز سے پہچانتے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے وہ سنا کرتے تھے۔

2:۔ خانہ کعبہ پر گولہ باری:

مدینہ منورہ کے بعد یزید کے لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر حرم الٰہی کا محاصرہ کیا۔ سالار لشکر مسلم بن عقبہ تو رستے ہی میں مر گیا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی۔ منجنیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور چھت پر آگ لگ گئی۔

حاصل بحث:

صرف مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد پر ہی یزید کا فسق اور اس کی بد کرداری واضح ہے کیونکہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أراد أهل المدينة بسوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء. (مسلم: حدیث:۳۴۲۷)

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلا کر رکھ دیں گے جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔

عن أبي هريرة قال نظر النبي ﷺ إلى علي والحسن والحسين وفاطمة فقال: أنا حرب لمن حاربكم وسلم لمن سالمكم. (مسند احمد: حدیث:۹۶۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور حسن اور حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھ کر فرمایا: جو تم سے جنگ کرے ان سے میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے ان سے میری صلح ہے۔

یزید پر لعنت:

اب اس کے بعد جن حضرات کو اس بات کی تحقیق ہوئی کہ یزید ان برائیوں سے راضی اور خوش تھا اور ان کو جائز بلکہ اچھا سمجھتا تھا اور حرام کو جائز یا اچھا سمجھنا کفر ہے اور چونکہ وہ توبہ کے بغیر مرا ہے لہذا یہ حضرات اس کو کافر اور لعنت کا مستحق سمجھتے ہیں اور جن حضرات کے نزدیک اس کا کفر ثابت نہ ہوا وہ لوگ یزید کو فاسق تو کہتے ہیں البتہ لعنت نہیں کرتے۔ احتیاط لعنت نہ کرنے میں ہے کیونکہ اگر لعنت جائز ہے تو لعنت نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ لعنت کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے۔

ایک اشکال:

ایک حدیث ہے:

قال النبي ﷺ: أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم. (بخاری:۲۷۶۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے سب سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا وہ مغفور یعنی بخشا ہوا ہوگا۔

یزید اس لشکر کا امیر تھا جس کے غازیوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ یہ لوگ بلاد روم میں گھستے ہی چلے گئے یہاں تک کہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔ یزید جب اس لشکر کا امیر تھا اور اس حدیث کے مطابق بخشا ہوا تھا تو اس پر فسق یا کفر کا الزام عائد کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب:

1۔ اس حدیث میں مذکور بشارت کا واقعی مصداق کون ہے؟ اس کی قطعی تحقیق نہیں ہے کیونکہ حدیث میں مدینہ قیصر یعنی قیصر کے شہر کا ذکر ہے اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس زمانے میں قیصر کا دار السلطنت شام کا شہر حمص تھا۔ اب یہ پختہ بات نہیں کہ مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ اور حمص میں سے کون سا مراد ہو۔

2۔ اگر قسطنطنیہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ یہاں مغفرت سے مراد صرف سابقہ گناہوں سے مغفرت ہو جیسا کہ عید کے اجتماع میں شریک ہونے والے روزہ داروں کے بارے میں حدیث میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ارجعوا قد غفرتُ لکم وبدلتُ سیئاتکم حسناتٍ، قال: فیرجعون مغفوراً لھم. (بیہقی، حدیث:۳۷۱۷)

ترجمہ: تم لوگ واپس لوٹو اس حال میں کہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ فرمایا کہ پھر لوگ بخشے بخشائے واپس گھروں کو لوٹتے ہیں۔

3۔ اور اگر مغفرت سے مغفرت اولی یعنی اول وہلہ میں جنت میں داخلہ مراد ہو تو جاننا چاہئے کہ اس صورت میں دو باتیں ضروری ہیں:

i. ایسی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے کہ آدمی میں مغفرت کی اہلیت وصلاحیت مرتے دم تک باقی رہے کفر کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

ii. اس کے معارض موجود نہ ہو جب کہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ستة لعنتهم ولعنهم الله ..... الزائد في كتاب الله والمكذب بقدر الله تعالىٰ والمتسلط بالجبروت فيعز بذلك من أذله الله ويذل من أعزه الله والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتي ما حرم الله والتارك لسنتي.

(ترمذی۔ حدیث: ۲۱۵۴)

چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے: (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔ (۲) تقدیر الٰہی کی تکذیب کرنے والا۔ (۳) جبر وزور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اس کو اعزاز بخشنے والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرنے والا۔ (٤) حرم الٰہی کی حرمت کو حلال سمجھنے (یعنی پامال کرنے) والا۔ (۵) میری اولاد کی حرمت پامال کرنے والا۔ (٦) میری سنت (اور میرے طریقوں) کو چھوڑنے والا۔

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه وأعدله عذاباً عظيماً. (سورہ نساء: آیت: ۹۳)

اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

یزید میں ان میں سے کچھ باتیں تو یقیناً پائی جاتی ہیں۔

1۔ وہ دھونس، دباؤ اور جبر وزور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔

2۔ مفسد اور شریر لوگ مثلاً عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعید، مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر اس کے نزدیک معزز و محترم تھے کہ ان کو اعلیٰ عہدے دیئے اور یہ لوگ ایسے تھے جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کا کچھ لحاظ نہ تھا۔ ان کا مذاق بنانا اور ان کی بات کو ڈھٹائی سے رد کرنا ان کے لئے آسان تھا۔ ظاہر ہے کہ یزید نے ایسے گورنروں کا انتخاب کیا تو خود اس کے اندر بھی ظلم و تکبر ہوگا تب ہی تو اس نے ایسوں کو منتخب کیا اور ان گورنروں نے آگے ایسے لوگوں کو کمانڈر بنایا جو سخت مزاج اور سخت گیر لوگ تھے اور ان کو اس کا کچھ لحاظ نہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ کی حرمت پامال کر رہے ہیں، یا مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کا احترام تار تار کر رہے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور ان کے ساتھ قافلہ میں شریک بچوں اور نہتوں کو بلاوجہ اور ظلم سے قتل کر رہے ہیں اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی توہین کر رہے ہیں۔

3۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والے تھے مسلم بن عقبہ جو کہ یزید کا مقرر کردہ کمانڈر تھا جنگِ حرہ کے بعد اس نے ان لوگوں سے زبردستی یزید کے لیے اس شرط پر بیعت کرائی کہ وہ یزید کے غلام ہیں وہ چاہے ان کو فروخت کرے چاہے ان کو آزاد کرے اور وہ ان کے اموال کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔

4۔ مدینہ منورہ میں سینکڑوں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کو قتل کرایا جنگ میں بھی اور بعد میں گرفتار کر کے بھی اور غار تگری میں بھی یہ سب کچھ یزید کے کہنے پر ہوا۔

5۔ مکہ مکرمہ پر حملہ اور خانہ کعبہ پر گولہ باری سب یزید ہی کے حکم سے ہوئی۔

ایسے ظالم لوگوں کو گورنر بنانا اور ان کے انتہائی ظلم وجور کو برداشت کرنا اور

ان پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور حرمین کی حرمتوں کو پامال کرنے پر راضی رہنا بلکہ خود اس کی تلقین کرنا کیا اس کے بعد بھی یزید کے فاسق ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ اور کیا اسے ایسی بشارت کا مستحق سمجھا جاسکتا ہے؟

غرض یزید اس بشارت کا مصداق نہیں بنتا اور اس کی بنیاد پر یزید کو نیک وصالح سمجھنا یا اس کو امیر المؤمنین کہنا یا اس سے بھی بڑھ کر اس کو خلیفہ راشد سمجھنا، یہ سب غلط اور گمراہی کی باتیں اور اہلسنت کے مسلک کے خلاف ہیں۔

تنبیہ:

اگر کسی عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی فاسق کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر کے اس کو اول وہلہ میں جنت میں داخل کردیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا کے اعتبار سے وہ فاسق نہ رہا مثلاً حدیث میں ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرمادی۔ کسی فاسق و بدکردار کی مکمل بخشش کردینا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ وہ عورت نیک و پارسا بن گئی تھی۔ بخشش کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص اصلاح کر کے اپنے نیک اعمال کی بدولت ہی جنت میں جائے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بدکرداری میں مبتلا رہے اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی عمل کی وجہ سے آخرت میں بالکل ہی معاف فرمادیں۔

آخری بات:

یہاں آخر میں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فسق یزید کے بارے میں تاریخ اور حدیث کی کتابوں سے دلائل کا ایک اچھا ذخیرہ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی ''یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں'' نامی کتاب میں جمع کردیا ہے۔ ہم نے مذکورہ بالا دلائل اس کے حدیث والے حصے سے اخذ کئے ہیں۔

جو کتاب اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کے مصنف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی دونوں طرح کی (یعنی حدیث اور تاریخ کی) روایتیں لی ہیں اور اہل سنت کے اس مؤقف کو کہ "یزید فاسق تھا" ثابت کیا ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ بعض تاریخی روایتوں میں مبالغہ ہو سکتا ہے، مثلاً یہ کہ وقعہ حرہ میں سات سو اشراف اور دس ہزار دیگر افراد قتل کئے گئے اور ایک ہزار عورتیں یزیدی فوجیوں کے زبردستی زنا سے حاملہ ہوئیں۔ لیکن یہ کہنا کہ کچھ ہوا ہی نہیں اور صرف ایک دو آدمی ہی قتل ہوئے یہ بھی انتہائی مبالغہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں تین سو چھ افراد کے باقاعدہ نام ذکر کئے ہیں جو اشراف میں سے تھے اور یزیدی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ عوام کا تو کچھ ذکر ہی نہیں نہ جانے کتنے شہید ہوئے۔!

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه أجمعین.

عبدالواحد غفرلہ

یکم شعبان المعظم 1433ھ

مقدّمہ

- حالات ِمؤلف
- تذکرہ کتاب

تعارف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ

کچھ دیر مصنف کے حضور

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ ان اسلامی شخصیات میں سے ہیں جنہیں اپنے کارناموں کی بدولت اللہ رب العزت نے دوام بخشا ہے۔ رہتی دنیا تک لوگ ان کی گوناگوں مقبول تصنیفات اور علمی تحقیقات سے مستفید ہوتے اور ان کو خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نہ صرف اپنے دور بلکہ پوری اسلامی تاریخ کے بے مثال، زبردست جادوئی تاثیر کے حامل واعظ، فی البدیہہ خطیب، وسیع النظر عالم، بلند پایہ محدث، عظیم مفسر، فقیہ اور ادبی شخصیت کے حامل انسان تھے۔ علامہ رحمہ اللہ کے حالات وکمالات پر کچھ لکھنا یا ان کے مناقب اور ان کا علمی پایہ متعین کرنا ہم جیسوں کے لیے سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ البتہ جو چیزیں پہلے حضرات نے لکھی ہیں ان کو ذرا سلیس انداز سے اردو کے قالب میں ڈھالنا ہمارے بس میں ہے اس لیے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ چنانچہ درج ذیل حالات پیش خدمت ہیں جو "طبقات ابن رجب"، "سیر اعلام النبلاء"، "اعلام زرکلی" وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

نام ونسب:

آپ کا نام عبدالرحمن، کنیت ابوالفرج اور لقب جمال الدین ہے۔ یعنی دین کی رونق اور خوبصورتی۔ آپ واقعتاً دین کی رونق اور وقار تھے۔ چنانچہ آپ کا یہ لقب محض رسمی لقب ہی نہیں بلکہ بجا طور پر حقیقت کی ترجمانی ہے۔ معلوم نہیں آپ کو یہ لقب کس نے دیا، تاہم جس نے بھی دیا برمحل دیا۔ آپ کی شخصیت آپ کے

علمی، تحقیقی اور دعوتی کارناموں سے یقیناً دین کا بول بالا اور سنت کا جھنڈا بلند ہوا۔

آپ صدیقی النسب ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب خلیفۂ اول، یارِ غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک یوں پہنچتا ہے:

عبدالرحمن بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن عبداللہ بن حمادی بن احمد بن محمد بن جعفر (الجوزی) بن عبداللہ بن قاسم بن نصر بن قاسم بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن قاسم (فقیہ از فقہائے سبعہ) بن محمد بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

نسبت:

آپ کی نسبتیں متعدد ہیں جیسے قریشی، تیمی بکری، بغدادی اور حنبلی۔ ان میں سے پہلی تین نسبتیں تو خاندانی ہیں، اور بعد کی نسبتوں میں سے ''بغدادی'' اس وجہ سے ہے کہ آپ اپنے دور کے جنت نظیر شہر بغداد کے باشندے تھے، اور ''حنبلی'' اس وجہ سے ہے کہ آپ کا فقہی مذہب اور مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ والا تھا۔ ان نسبتوں کے علاوہ بلکہ آپ کے نام، کنیت اور لقب سے بھی بڑھ کر جو تعارف آپ کی پہچان بنا وہ ''ابن الجوزی'' ہے۔ یہ لفظ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کی شخصیت کا عنوان بن گیا۔

ابن الجوزی سے آپ کی شہرت کی وجہ کیا بنی؟ اس بارے میں تذکرہ نگار اس حد تک تو متفق اللسان ہیں کہ ''جوزی'' کا لفظ آپ کے سلسلہ نسب میں دسویں پشت پر موجود جد امجد جعفر کے نام کا حصہ تھا، اور آپ انہی کی وجہ سے ''ابن الجوزی'' ہیں۔ لیکن یہ کہ خود ان کے نام کا یہ لفظ کیسے حصہ بنا؟ اس بارے میں اختلاف ہے:

- بعض کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک جگہ تھی جہاں نہر کے پانی کا دہانہ تھا اس کی وجہ

سے اس علاقے کو جوزہ کہتے تھے۔ اور آپ اس کی طرف منسوب تھے۔

- علامہ منذری رحمہ اللہ کے بقول فرضتہ الجوز ایک جگہ کا نام ہے اور اسی کی نسبت سے آپ جوزی ہیں۔
- شیخ عبدالصمد بن ابوالجیش کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک محلہ تھا جو محلۃ الجوز کے نام سے معروف تھا۔ اس کی نسبت وجہ شہرت بنی۔
- کچھ اور حضرات کا خیال یہ ہے کہ جب یہ لوگ واسط میں رہتے تھے تو ان کے گھر میں اخروٹ (جس کو عربی میں جوز کہتے ہیں اس) کا درخت تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ پورے علاقے میں یہ درخت کہیں نہیں تھا، چنانچہ اچنبھا ہونے کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ آپ کی نسبت میں اسی شہرت کا دخل ہے۔

یہ ہیں آراء۔ لیکن ان آراء میں باہم بہت زیادہ تفاوت ہے، دوسری طرف ہمارے لئے معلومات کے ذرائع مفقود ہیں اس لیے ان میں باہم نہ تو تطبیق کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی ایک کی تغلیط اور دوسرے کی تصحیح کا دعویٰ۔ واللہ اعلم بالصواب

تاریخ پیدائش:

اگر زمانے کو یہ معلوم ہو کہ پیدا ہونے والا کوئی بچہ کل کو معاشرے کے لئے کتنا اہم اور صاحب مقام ثابت ہو سکتا ہے، تب تو اس کے پیدائشی حالات اور واقعات کو ضبط کے ساتھ محفوظ رکھنے کا بھی اہتمام ہو۔ مگر پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں کسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ستارہ اقبال کس کس بام عروج کو چھوئے گا، اور رفعت وعلو منزلت کے کون کون سے مقام طے کرے گا؟ اس لئے اسے جغرافیائی اعتبار سے عالمی اور زمانے کے اعتبار سے تاریخی سطح کا المیہ سمجھیے کہ

بڑے بڑے لوگوں کے حالات پڑھتے ہوئے عموماً آپ کو یہ جملہ پڑھنا یا سننا پڑتا ہے کہ:

"تاریخ پیدائش ضبط کے ساتھ معلوم نہ ہو سکی"

کچھ قیاسات اور تخمینے ہوتے ہیں، جن سے دنوں، ہفتوں یا مہینوں کی تعیین تو پھر بھی نہیں البتہ سال کی اکثر و بیشتر تحدید ہو جاتی ہے۔ ورنہ بعض اوقات سال بھی مجہول ہی رہ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں تین، چار، پانچ سال کے تفاوت کا در آنا معمولی بات ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں اور بقول تذکرہ نگاراں:

"آپ کے سن پیدائش میں بھی اختلاف ہے، بعض کا قول ۵۰۸ھ کا ہے، اور بعض کا ۵۰۹ھ، اور بعض کا ۵۱۰ھ ہے۔"

یہ سارے تخمینے اور قیاسات ہیں، حقیقت معلوم نہیں، اور معلوم ہوتی بھی کیسے جب خود علامہ رحمہ اللہ کو اپنی تاریخ پیدائش بالتعیین معلوم نہیں۔ فرماتے ہیں:

"مجھے اپنی پیدائش کا سن ٹھیک سے معلوم نہیں۔ بس اتنا معلوم ہے کہ والد صاحب کا انتقال ۵۱۴ھ کو ہوا تھا، اور والدہ کے بقول اس وقت میری عمر تقریباً تین برس تھی۔"

اس بناء پر آپ کا سن پیدائش ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ بنتا ہے۔ اس کی تائید علامہ رحمہ اللہ کے ایک اور بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔ جب میرے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا میں اس سال سن بلوغت کو پہنچا تھا۔ ابن زاغونی رحمہ اللہ کا انتقال سن ۵۲۸ھ کا ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی پیدائش سن دس کے بعد قرار پائے گی۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب میں مصنف رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے ۵۲۸ھ میں کتاب لکھی۔ اس وقت میری عمر سترہ سال تھی۔ اس لحاظ سے بھی آپ کا سن ولادت ۵۱۱ھ ہی قرار پاتا ہے۔

یہ سارے احتمالات اور قیل و قال صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمیں سن پیدائش معلوم نہیں۔ بہر حال! اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی ہم وہی بات کر سکتے ہیں جو علامہ رحمہ اللہ نے خود کہی ہے:

لا أحقق مولدي

کہ مجھے اپنا سن ولادت تحقیقی طور سے معلوم نہیں

ہاں تخمینہ ہے البتہ تخمینے میں اقرب ۵۱۰ھ اور ۵۱۱ھ ہے۔اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ سن ۵۱۰ یا گیارہ ہجری کو بغداد کے محلے درب حبیب میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم:

آپ کے والد بلکہ آپ کا پورا خاندان تانبے کی تجارت کرتا تھا،اسی وجہ سے آپ کو شروع شروع میں صفار (تانبے والا) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا،اور آپ کی بعض ابتدائی سندوں میں آپ کے نام کے ساتھ یہی لفظ لکھا ہوا ہے۔ بہر حال اس تجارت کی وجہ سے آپ کو خاصی فراخی اور معاشی فارغ البالی حاصل تھی۔آپ کی یہ فراخی خوش نتیجہ رہی اور تحصیل علم میں آپ کی مدد و معاون ثابت ہوئی۔ فقر وفاقہ اور چہ خورد بامداد فرزندم کے سوال کے ہتھوڑوں کے نیچے بہت سے عمدہ دماغ اور اعلی صلاحیتیں پس کر جو ضائع ہو جاتی ہیں،آپ اس آفت سے محفوظ رہے۔آپ کے والد کا جیسا کہ پہلے گذرا آپ کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔اس مرحلے پر آپ کی والدہ اور پھوپھی نے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ انہوں نے آپ کو اپنے دور کے مشہور عالم استاذ ابوالفضل بن ناصر رحمہ اللہ کے گویا حوالے کر دیا۔ابوالفضل رحمہ اللہ اپنی مسجد میں اپنا حلقہ درس قائم کئے ہوئے تھے۔استاذ نے بھی جوہر شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے

آپ کی تعلیم پر خوب توجہ دی۔ پہلے خود اپنے پاس پڑھایا اور پھر جب آپ کا اشہب طلب مزید علم کا خواہاں ہوا تو خود استاذ صاحب آپ کو بغداد بھر کے اہل فضل وکمال کی مجالس میں اسی صغر سنی میں لے گئے۔ مصنف اپنے ایک مشیخہ[1] (استاذ نامہ) میں لکھتے ہیں:

حملني شيخنا ابن ناصر إلى الأشياخ في الصغر وأسمعني العوالي واثبت سماعاتي كلها بخطه وأخذ لي إجازات منهم.

ترجمہ: میرے استاذ ابو الفضل بن ناصر مجھے بچپن میں ہی بہت سے مشائخ اور اساتذہ کے پاس لے گئے، اور مجھے عالی سند روایات واحادیث سنوائیں، اور میری تمام مسموعات کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور میرے لئے ان مشائخ سے اجازت حدیث حاصل کی۔

یہ عبارت استاذ کی جوہر شناسی، استاذ وشاگرد کے باہمی تعلق، اور علم کی حرص وطلب کی بہترین مثال ہے۔

آپ کی اس تعلیم کی ابتداء کب ہوئی؟ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إن أول سماعاته سنة ست عشرة وخمس مأة.

ترجمہ: آپ کی تحصیل علم (حدیث) کی ابتداء سن ۵۱۶ھ کو ہوئی۔

اس وقت تاریخ پیدائش کے اعتبار سے آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ آٹھ سال ورنہ پانچ سال تھی۔ علامہ رحمہ اللہ نے بچپن میں ہی قرآن پاک بھی حفظ کر لیا تھا،

1۔ مشیخہ ایک نوع تالیف ہے، جس کو اردو میں "استاذ بیتی" یا "استاذ نامہ" کہہ سکتے ہیں۔ اس کا تذکرہ عام طور سے محدثین کے ہاں ہی ملتا ہے۔ اس میں محدثین اپنے تمام اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ میں نے کس استاذ سے پڑھا کہاں پڑھا اور کیا پڑھا۔ اپنے اساتذہ کے حالات مزاج افکار ونظریات کے ساتھ ساتھ ان سے سنی ہوئی روایات بھی اکثر وبیشتر اس تالیف کا حصہ ہوتی ہیں۔ (دیکھیے: معرفۃ المصطلحات والرموز عند المحدثین: عاطف عبد المعز الفیومی)۔ ش۔ا

لیکن کب کیا؟ اور کس استاذ سے کیا اس کا ذکر نہیں۔ البتہ اتنا ضرور لکھا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے قراء کے پاس آپ نے قرآن پڑھا۔ ان قراء کے پاس آپ نے قرأت نہیں پڑھی تھی کیونکہ وہ آپ نے اخیر عمر میں اپنے بیٹے کے ہمراہ واسط میں ابن باقلانی رحمہ اللہ کے پاس پڑھی تھی۔ ظاہر یہی ہے کہ ان اساتذہ سے آپ نے حفظ قرآن کے علاوہ تجوید، تصحیح مخارج اور ادائیگی کے حوالے سے استفادہ کیا ہوگا۔

مقدار سے معیار تک:

استاذ ابو الفضل ابن ناصر رحمہ اللہ کا یہ احسان اپنی جگہ کہ انہوں نے علامہ رحمہ اللہ کو بچپن ہی میں بغداد کی علم نگری کا تعارف کروا دیا، اور ایک ایک قابل ذکر اور مشہور استاذ کے سامنے انہیں زانوئے تلمذ تہ کرایا۔ اس علمی سیاحت نے علامہ رحمہ اللہ کو پیش آمدہ زندگی میں وسعت تجربات کے حوالے کیا کچھ فائدہ نہ پہنچایا ہوگا۔ اس سب کچھ کے باوجود علامہ رحمہ اللہ کو اس طرز تحصیل سے اطمینان نہ ہوا اور انہوں نے اسے محض استاذ گنتی قرار دیتے ہوئے اپنا بعد کا طرز طلب و تحصیل کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ بچپن میں تو مجھے استاذ صاحب جیسے جیسے اور جہاں جہاں لئے پھرے میں مردہ بدست زندہ بن کر جاتا رہا اور ہر کس و ناکس کے پاس جاتا اور اونچی نیچی سب دکانوں کے پکوان چکھتا رہا، مگر:

> فلما فهمت الطلب كنت ألازم من الشيوخ أعلمهم وأوثر من أرباب النقل أفهمهم فكانت همتي تجويد العدد لا تكثير العدد.
>
> یعنی جب مجھے طلب علم کی حقیقت معلوم ہوئی، اور مجھے یہ پتہ چلا کہ کیا سیکھنا چاہیے اور کیا نہیں، اور یہ کہ کس سے سیکھنا چاہیے اور کس سے نہیں، تو پھر میں نے اپنی روش پر نظر ثانی کی۔ اب میں نے ابنائے زمانہ کے برعکس اپنا اصول اور طرز یہ بنالیا کہ مشائخ حدیث کے بازار میں ہر

صاحب جبہ و دستار کے پاس نہیں جاتا تھا بلکہ دیکھتا تھا کہ علم کس کے پاس زیادہ ہے۔ اور ارباب نقل و مذہب میں سے ہر دعویدار کے جوتے سیدھے نہیں کرتا تھا، بلکہ جانچتا تھا کہ ان صاحب کے پاس فہم و دانش بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اب میرا اصول یہ ہو گیا ہے کہ:

"تھوڑا کرو اور اچھا کرو"

یعنی دوسرے لفظوں میں اب میں مقدار کے بڑھانے اور زیادہ کرنے کے فکر اور اس خبط سے آزاد ہو گیا ہوں کہ میں گنواؤں کہ میرے اتنے سو شیوخ اور اتنے ہزار اساتذہ ہیں۔ بلکہ اب مجھے معیار کی فکر ہے کہ میرے اساتذہ چاہے تھوڑے ہوں لیکن یگانۂ روزگار ہوں۔ اور انہیں اپنے متعلقہ فن اور علم پر مکمل عبور ہو۔

علامہ رحمہ اللہ کی یہ فکری تبدیلی کس دور کی ہے؟ بالتعیین معلوم نہیں۔ البتہ اندازہ یہ ہے کہ اس وقت علامہ رحمہ اللہ بہت بڑے نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بچپن کی نہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ بات لڑکپن کی ہو سکتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس بے ہنگم سماع و تحصیل کا زمانہ تو یقینی طور سے بچپن کا ہے۔ دوسری طرف ہمیں یہ ملتا ہے کہ "آپ نے پہلی تصنیف تیرہ برس کی عمر میں کی" مذکورہ بالا اصولی فیصلے کے لیے جتنی سمجھ بوجھ چاہئے، باقاعدہ تصنیف کرنے والے آدمی میں وہ یقیناً موجود ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سترہ سال کی عمر میں بھی آپ کی ایک تصنیف کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کو زمانے کی تحدید میں ہم معاون نہیں بنا سکتے کیونکہ وہ تصنیف اس زمانے کی ہے جس میں علامہ رحمہ اللہ اپنے من پسند اور معیار پر پورا اترنے والے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کی خدمت میں نہ صرف پہنچ چکے تھے بلکہ ایک طویل عرصہ صحبت میں بھی گذار چکے تھے۔ کیونکہ اس تصنیف کے ساتھ علامہ رحمہ اللہ کی جو یادیں وابستہ ہیں ان میں سے ایک یاد یہ بھی ہے کہ اس سال استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کا

انتقال ہوا تھا، اور اسی سال علامہ رحمہ اللہ نے بچپن اور لڑکپن سے نکل کر بلوغت اور رجولیت کی حد میں قدم رکھا تھا، اور اسی سال آپ نے تدریس اور افادے کا سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ بہر حال اس وقت آپ کا سن وسال تیرہ ہو یا اس سے کچھ کم زیادہ، اتنا تو طے ہو جاتا ہے کہ بلوغت سے قبل آپ عقلی و نظری طور سے بالغ ہو چکے تھے، اور آپ نے اپنی تحصیل کی نسبت، مقدار پر معیار کو ترجیح دینے والا یہ قدم اٹھا لیا تھا۔

اساتذہ کرام:

آپ کی معیاری چھلنی سے جو اساتذہ کرام گذرے ان میں سے چند مشہور کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو القاسم الہروی رحمہ اللہ: ان کے پاس ابن ناصر آپ کو لے گئے تھے۔ آپ نے ان سے وعظ کا فن سیکھا۔

(۲) ابو الحسن ابن زاغونی رحمہ اللہ: یہ آپ کے بڑے اور خصوصی اساتذہ میں سے ہیں، جن کی خدمت میں آپ نے خاصا عرصہ گذارا۔ ان سے آپ نے وعظ اور فقہ کا علم حاصل کیا۔

(۳) ابو بکر دینوری رحمہ اللہ۔

(۴) قاضی ابو یعلی صغیر رحمہ اللہ۔

(۵) ابو حکیم نہروانی رحمہ اللہ۔

ان تینوں حضرات سے آپ نے ابن زاغونی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد علم فقہ، علم مناظرہ، علم خلاف، اور اصول فقہ جیسے علوم حاصل کیے۔

(۶) ابو یعلی بن فراء رحمہ اللہ: ان سے آپ نے علم فقہ حاصل کیا۔

(۷)۔ابو منصور الجوالیقی رحمہ اللہ: ان سے آپ نے فنون ادبیہ، جیسے لغت، شعر، عروض، بلاغت، عربیت وغیرہ حاصل کیے۔

ان کے علاوہ اس زمانے کے مشہور اور جامع العلوم والفنون عالم ابو الوفاء علی بن عقیل رحمہ اللہ کی کتب سے بھی آپ نے بہت کچھ حاصل کیا۔ان سے آپ نے عقلیات کی تکمیل کی۔ مذکورہ بالا اساتذہ کے علاوہ ستر کے قریب دیگر اساتذہ سے بھی آپ نے کچھ دیگر علوم وفنون اور خاص طور سے حدیث کا سماع کیا۔ مثلاً ابن حصین، قاضی ابو بکر انصاری، ابو بکر مرزفی، ابو السعادات متوکلی، اور ابو غالب ماوردی وغیرہ۔ رحمہم اللہ

فراغت اور افادہ خلق :

بالتعیین تو ذکر نہیں کہ آپ نے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت کب حاصل کی۔البتہ آپ کے تذکروں میں اتنا ملتا ہے کہ جب آپ کے استاذ ابو الحسن ابن زاغونی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو ان کی مسند درس کو سنبھالنے کے لئے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا مگر آپ کی کم عمری کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا،اور آپ کے بجائے یہ حلقہ درس ابو علی رازانی رحمہ اللہ کے حوالے کر دیا گیا۔وجہ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت نو عمر تھے اور اس وقت آپ کی عمر بقول اپنے زیادہ سے زیادہ سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔ پیچھے اشارۃً آچکا ہے کہ آپ نے اسی دور میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کو آپ کے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ نے بنظر استحسان دیکھا تھا۔ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ میں اتنے بڑے حلقہ درس کو سنبھالنے کے لیے سوائے کم عمری کے اور کوئی کمی نہیں تھی۔ چونکہ یہ سارے واقعات سن ۵۲۸ھ کے ہیں اس لیے ہم آپ کی فراغت کے سن کا تخمینی اندازہ

قائم کر سکتے ہیں۔ آپ کی تحصیل کی ابتداء سن ۵۱۶ھ کی ہے۔ اور وہاں سے ۲۸ تک ۱۲ سال بنتے ہیں، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ رحمہ اللہ کے بارہ[2] سالہ تحصیل علم کے دور کی انتہاء سن ۵۲۸ھ کو ہوئی۔

الغرض اپنے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کا حلقہ درس تو نہ ملا لیکن وزیر نے آپ کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر آپ کو جامع منصور میں اپنا حلقہ قائم کرنے کی اجازت دیدی، اور آپ نے وہاں حلقہ قائم کر لیا۔ علم کا وفور، ادبی چاشنی، وعظ کا سلیقہ، اور افہام و تفہیم کا ملکہ وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کے حلقے میں کھنچے آنے لگے اور آس پاس کے حلقہائے درس کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ خود ابو علی رازانی رحمہ اللہ کی مجلس کی رونق بھی ماند پڑ گئی۔ اور آپ کے گھاٹ پر تشنگانِ علم کا جھمگٹا ہونے لگا۔

عملی زندگی کے دو پہلو:

یہاں سے علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں، اور آپ کا رخ خلق خدا کے افادے کی طرف ہوتا ہے۔ پھر آپ نے قریب قریب ۶۵ سے ۷۰ سال کا طویل عرصہ اسی کام میں گذارا، اور اس کام کے لئے گویا اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ افاداتی کہیں، عملی کہیں، تبلیغی کہیں، یا دعوتی واصلاحی، بہر حال ہم آپ کے اس دور کو دو نمایاں حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

2۔ بغداد جیسے علمی گرم بازاری والے شہر میں جب علامہ ابن جوزی جیسے آدمی کو مروجہ علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل میں بارہ سال کا عرصہ لگا ہو، ایسے میں آج کل کے ماحول میں آٹھ سال بلکہ اس سے بھی کم عرصے میں دستار فضیلت اور مسند علم کے جائز استحقاق کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور ٹھوس علمی استعداد کے ضامن نصاب میں آئے روز تبدیلی کرنے اور اسے مختصر سے مختصر کرنے کا خیال نہ جانے کس بنیاد پر قائم ہے؟ فإلى الله المشتكى

(۱)۔زمان ومکان کے اعتبار سے لامحدود اور ابدی دور افادہ: یعنی تصنیفی پہلو

(۲)۔زمان ومکان کے اعتبار سے محدود: یعنی واعظانہ پہلو

ذیل میں ان دونوں سے متعلق کچھ تفصیل پیش خدمت ہے۔

وعظ ونصیحت:

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی زندگی کا یہ وہ پہلو ہے جو آپ کی نہ صرف شہرت بلکہ آپ کی پہچان بن گیا۔آپ کو اس میدان میں وہ کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی جو نہ صرف اس زمانے میں بلکہ پوری اسلامی تاریخ میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔آپ کی اس خوبی کا اعتراف ہر اپنے پرائے نے کیا ہے۔علامہ رحمہ اللہ کا وعظ ہر طرح کی باطنی خوبیوں اور لوازم کے ساتھ ساتھ ظاہری محاسن اور تقاضوں سے بھی بھرپور ہوتا تھا۔اس باب میں فنی لحاظ سے بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔وعظ وخطابت میں اپنی کمال مہارت کو تحدیث بالنعمہ کے طور پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولقد أقدر على أن أرتجل المجلس كله من غير نكر محفوظ.

ترجمہ:میں (بحمد اللہ) یہ صلاحیت بھی رکھتا ہوں کہ پوری پوری مجلس وعظ بغیر کسی سابقہ تیاری،اور کچھ پہلے سے ذہن میں لائے بیان کردوں۔

بلکہ یہ تو ایک مجلس کا قصہ ہے اس سے آگے لکھتے ہیں:

وربما قرئت عندي في المجلس خمس عشرة آية فأتي على كل آية بخطبة تناسبها في الحال.

ترجمہ: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میری مجلس میں مختلف موضوعات کی پندرہ آیات پڑھی گئیں،لیکن میں نے اسی وقت اسی جگہ ہر آیت کے مناسب تقریر اور بیان کیا۔

اس کے علاوہ مجالس وعظ میں زریں جملے ادبی قطعات اور اشعار بے تکلف

پڑھتے جاتے تھے، اشعار میں تو آپ کو فی البدیہہ کہنے کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے اشعار کو جب جمع کیا گیا تو وہ دس کے قریب ضخیم اجزاء میں سمائے۔ ابن رجب رحمہ اللہ آپ کے وعظ کی تاثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"آپ کی مجالس وعظ میں وہ تاثیر اور قوت ہوتی تھی کہ شاید و باید۔ اس سے قبل کسی کے سننے میں ایسا وعظ نہیں آیا۔ آپ کے وعظ سے غفلت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے ہوش میں آتے، اور ناواقف و بے علم لوگ اپنا دامن طلب علم و معرفت سے بھر بھر کر لے جاتے، گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے گناہوں سے توبہ کرتے اور کافر و مشرک آپ کا وعظ سن کر مسلمان ہوتے۔"

ناصح الدین ابن حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"آپ کی مجالس وعظ میں جلال و کمال نمایاں ہوتا تھا۔ بغداد بھر کے اچھے اچھے لوگ مجلس کا حصہ ہوتے تھے۔ گفتگو عام فہم الفاظ لیکن سجع کی لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ دلسوز انداز سے تلاوت قرآن، خوش کن آوازیں، وجد و تواجد بھری سسکیاں، خشیت والوں کے آنسو، انابت والوں کا رجوع و زاری، توبہ کرنے والوں کی عاجزی و گڑگڑاہٹ، اور لحہ لحہ رحمت خداوندی کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ اور ظہور۔ یہ سب کچھ آپ کی مجلس وعظ کا حصہ ہوتا تھا۔"

مجالس وعظ کے شرکاء:

آپ کی مجالس وعظ میں شرکاء کی تعداد کے حوالے سے یہ روایات ہیں کہ ایک ایک مجلس میں لاکھ کے لگ بھگ آدمی شریک ہوتے تھے[3]۔ ان روایات

3 ۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں اس تعداد کو یہ کہہ کر مشکوک اور مبنی بر مبالغہ قرار دیا ہے کہ اول تو اتنے لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہے کونسی جگہ میں اتنے لوگ سما سکتے ہیں؟ پھر اگر جمع ہوں

میں عدد و تعداد کے اندازے تقریبی یا تخمینی ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ مبالغے کا شکار بھی ہوں، تب بھی اتنی ساری روایات سے قدر مشترک کے طور پر اتنی بات تو ثابت ہوتی ہے کہ ان مجالس میں مجمع اتنا زیادہ ہوتا تھا جو عام حالات میں اکٹھا نہیں ہوتا تھا، اور اسی کثرت کی وجہ سے اس کی تعداد پر لاکھ تک پہنچنے کا گمان گذرتا تھا۔ اگر وہ لاکھوں میں نہیں تھا تو نہ ہو، ہزاروں کی تعداد بہر حال ضرور ہوتی تھی ۔اسی وجہ سے تو گلیاں کھچا کھچ بھر جاتیں، مسجد میں ایک ایک روز قبل ہی لوگ جگہ سنبھال لیتے، آس پاس کی دوکانوں اور ان کی چھتوں پر لوگ اچھے خاصے مہنگے داموں کرائے پر جگہ حاصل کرتے تھے۔

آپ کی مجالس کی مقبولیت اور عمومیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان مجالس میں نہ صرف اعیان شہر اور وزراء وغیرہ شریک ہوتے بلکہ خود خلیفۃ المسلمین امیر المومنین، عباسی خلیفہ بھی حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اس موقع پر آپ پیشہ ور واعظوں اور طالب دنیا لوگوں کی طرح خلیفہ کی خوشامد اور چاپلوسی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حسب اقتضاء خوب وعظ و نصیحت سے کام لیتے۔ ایک دفعہ آپ نے خلیفہ سے کہا:

> "اگر میں (دوٹوک انداز میں) آپ کو نصیحت کرتا ہوں تو مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، اور اگر نہیں کرتا (اور گویا مداہنت سے کام لیتا ہوں) تو آپ کی عاقبت کا خوف دامن گیر ہے۔ لیکن میں اپنے انجام کی پرواہ کیے بغیر آپ کی عاقبت کو ترجیح دیتا ہوں، اور آپ کو (دوٹوک) نصیحت کرتا ہوں۔"

بھی تو ان تک آواز کا پہنچنا بجائے خود ایک بنیادی سوال ہے۔ اھ

ایک موقع پر آپ نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے خلیفہ! اس وقت دنیا میں آپ سے اوپر کوئی آدمی نہیں۔ اس لحاظ سے آپ پر جتنے انعاماتِ خداوندی ہیں وہ کسی اور پر نہیں۔ اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اللہ کا شکر بھی اتنا ہی بجالائیں کہ جتنا کوئی اور نہ کر سکے"۔

خلیفہ پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ان مجالس وعظ نے لوگوں پر کیفیت کے اعتبار سے کتنا اثر کیا؟ یہ تو معلوم ہونا مشکل تھا البتہ کمیت کے حوالے سے جو لوگ علم میں آسکے ان کے بارے میں خود علامہ فرماتے ہیں:

"میں ہمیشہ لوگوں کو وعظ کرتا رہا اور ان کو توبہ اور تقوی کی ترغیب دیتا رہا، یہاں تک کہ میں نے کتاب میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کی فہرست جمع کرلی۔ دس ہزار سے زیادہ لوگوں کی شرکیہ چوٹیاں کاٹیں، اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔"
(کتاب القصاص والمذکرین)

"تلبیس ابلیس" کے مقدمے میں عبدالحق اعظم گڑھی لکھتے ہیں:

"علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی مجالس وعظ میں بدعات و منکرات کی کھل کر تردید کی، عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا، اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیت، اور عام مقبولیت کی وجہ سے اہل بدعت کو ان کی تردید کا حوصلہ نہ رہا۔ سنت کو ان کے مواعظ و دروس سے بہت فروغ حاصل ہوا۔"

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اور زہد وتصوف:

ایک طرف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے وعظ کی یہ غیر معمولی اور جادوئی تاثیر

کہ ہزارہا لوگوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ رہی ہے، لاکھوں تائب ہو رہے ہیں، سیکڑوں مشرف باسلام ہو رہے ہیں، اور دوسری طرف بعض اہل بصیرت کا یہ قول کہ:

"جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ دینی میدان میں واقعی، موثر اور مقبول الآثار کام کر رہا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اس کے کام میں برکت ہے، تو سمجھ لو کہ اس نے کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔"

اس کے ساتھ ساتھ یہ اصول بھی سامنے رکھیں کہ حقیقی معنوں میں موثر وعظ کے لیے جہاں علم، خوش اسلوبی، اور عمدہ بیانی ضروری ہے، وہاں اپنا عمل اور خانہ دل کی آبادی بھی ضروری ہے۔ جب اس سب کچھ کے بعد علامہ کے وعظ پر نظر ڈالیں تو یہاں صورتحال یہ ہے کہ نتیجہ یعنی وعظ کی تاثیر تو موجود ہے، لیکن بیج کے مقدمات اور کڑیوں میں سے وفور علمی، خوش اسلوبی اور عمدہ بیانی بھی نمایاں ہے مگر دیگر مقدمات سامنے نہیں۔ علامہ رحمہ اللہ کے حالات پڑھتے ہوئے یہ سوال سامنے آیا لیکن بحمد اللہ ورق گردانی کرتے ہوئے جلد ہی یہ عقدہ بھی حل ہو گیا۔

سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واقع الله له في القلوب القبول والهيبة وكان زاهداً في الدنيا متقللامنها.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی کی مقبولیت اور ہیبت اللہ نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ خود علامہ بھی دنیا کے زاہد اور تھوڑے سے پر گذارہ کرنے والے تھے۔

آگے لکھتے ہیں:

ما مازح قط ولا لعب مع صبي ولا أكل من جهة لا يتيقن حلها.

ترجمہ: آپ نے کبھی لغو مذاق نہیں کیا۔ اور بچپن میں بھی آپ بچوں

کے ساتھ کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اور آپ نے کبھی ایسی چیز نہیں کھائی جس کے حلال ہونے کا یقین نہ ہو۔ یعنی مشکوک اور مشتبہ چیز کبھی نہیں کھائی۔

اپنی ذات اور عمل کی حد تک تو یہ بات درست تھی لیکن ابھی ایک اور کڑی اور اہم کڑی رہ رہی تھی۔ یعنی تزکیہ باطن، تصفیہ قلب، تنقیہ خاطر یا دوسرے لفظوں میں خانہ دل کی آبادی والی کڑی۔ لیکن وہ بھی انہی اوراق سے مل گئی۔ آپ کے شاگرد ابن النجار رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان مع هذه الفضائل والعلوم الواسعة ذا اوراد وتالله وله نصيب من الأذواق الصحيحة وحظ من شرب حلاوة المناجاة وقد أشار هو إلى ذلك ولا ريب أن كلامه في الوعظ والمعارف ليس بكلام ناقل أجنبي مجرد عن الذوق بل كلام مشارك فيه۔

ترجمہ: علامہ ابن جوزی ان تمام فضائل و مناقب اور وسعت علمی کے ساتھ ساتھ اوراد واشغال اور اللہ اللہ بھی کرنے والے تھے۔ انہیں ذوق صحیح اور مناجات خداوندی کا وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ آپ نے خود اس بات کو اشارۃً ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے وعظ سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ علوم و معارف کے حوالے سے یہ کسی ایسے شخص کا کلام نہیں، جو اصل حقیقت سے ناآشنا اور محض اجنبی ناقل ہو۔ بلکہ آپ کا کلام ایسے ہوتا تھا جیسے متکلم خود حقائق و معارف کے اس دریا کا غوطہ زن ہو۔

اس عبارت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ علامہ رحمہ اللہ کا دل خانہ خالی اور صرف ظاہری قیل و قال کا مسکن نہ تھا بلکہ ذوق و وجد بھی راہ پائے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں تک رسائی کیسے ہوئی؟ یہ سوال ابھی تشنہ جواب ہے۔ کچھ اشارہ تو اوراد واشغال اور اللہ اللہ سے مل گیا، مزید کچھ اس عبارت میں دیکھیے:

وذكر ابن القادسي في تاريخه أن الشيخ كان يقوم الليل ويصوم النهار وله معاملات، ويزور الصالحين إذا جن الليل ولا يكاد يفتر إذا جن الليل، ولا يكاد يفتر عن ذكر الله.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی رات قیام ونوافل میں گذارتے اور دن کو روزہ رکھتے۔آپ کے ہاں احوال وکیفیات بھی تھیں۔آپ رات کے اندھیرے میں نیک لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے۔آپ رات کو بے کار نہیں گذارتے تھے، بلکہ ہمیشہ اپنے فارغ وقت کو ذکر اللہ کی معروفیت سے قیمتی بنائے رکھا۔

اس عبارت میں صرف اتنا ذکر ہے کہ آپ بزرگوں کی زیارت کرتے تھے لیکن یہ کون لوگ تھے اور کتنے تھے یہ مذکور نہیں۔البتہ اتنی بات تو ہاتھ آتی ہے کہ علامہ رحمہ اللہ کی اس شعلہ تاثیری اور جادو بیانی کے پیچھے کوئی ہے ضرور۔ہمیں نام سے کیا غرض کام سے مطلب ہے۔مذکورہ بالا عبارتوں کے علاوہ ایک اور حوالہ بھی ہے جس میں علامہ رحمہ اللہ کی زندگی کا یہ پہلو ایک مستقل عرصے کی محنت اور مجاہدے کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ابن رجب رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ابن القطیعی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ذكر أنه صرد الصوم مدة واتبع الزهاد ثم رأى أن العلم أفضل من كل نافلة فاجتمع عليه ونظر في جميع الفنون وألف فيها.

ترجمہ: علامہ نے ایک مدت تک مسلسل روزے رکھے اور زاہد لوگوں کی مجالس میں بھی حاضری دی بلکہ ان کی ٹوہ اور طلب وتلاش میں وقت گذارا۔پھر جب آپ نے دیکھا کہ علم ہر نفل عبادت سے افضل ہے تو آپ یکسو ہو کر اسی میں لگ گئے۔اور تمام علوم وفنون میں حصہ لیا بلکہ اُن میں تالیفات کیں۔

یہ ہے وہ عبارت جس کی بنیاد پر ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ علامہ رحمہ اللہ

نے (بظاہر علم سے فارغ ہونے کے بعد کیونکہ بچپن سے تو تحصیل شروع ہو چکی تھی) ایک زمانہ باقاعدہ اللہ والوں کے پاس گذارا ہے۔ جس میں روزے جیسے مجاہداتی عمل سے مشق بہم پہنچائی اور صوفیا کے پیچھے پیچھے رہے۔

یہاں تک پہنچ کر بحمد اللہ ہمیں اپنے سوال کا جواب اور صاحب بصیرت کے قول کی تصدیق مشاہداتی حد تک مل جاتی ہے۔ البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آخری عبارت میں راوی نے تاثر یہ دیا ہے کہ گویا علامہ رحمہ اللہ پہلے بے تبری میں اس کام میں لگے رہے لیکن پھر سمجھ آئی تو اسے چھوڑ دیا۔ ہم بصد ادب اختلاف کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اول تو علامہ رحمہ اللہ جیسے آدمی سے، جو بچپن میں ہی اپنے لئے اہم تعلیمی فیصلے کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، یہ توقع رکھنا کہ وہ ایک عرصہ دراز تک بے کار کام میں اس قدر انہماک سے مشغول رہا ہوگا، خاصا بعید ہے۔ ثانیاً علامہ رحمہ اللہ کا یہ طرز عمل اعراض اور اعلیٰ کی ادنیٰ پر ترجیح نہیں، بلکہ یہاں درحقیقت وہ صورت پیش آئی ہے جسے ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا یا عروج سے نزول کرنا کہتے ہیں۔ تصوف و تزکیہ کے ضروری مراحل و مدارج طے کرنے کے بعد ہر ایک کو اس کے مزاج اور استعداد کے موافق کام میں لگا دیا جاتا ہے۔ اور پھر اس سے کام میں وہ نکھار آتا ہے جسے برکت و قبولیت کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ یہی صورت حال علامہ رحمہ اللہ کے ساتھ بھی پیش آئی کہ ضروری پہلوؤں کی تکمیل کے بعد انہیں ان کے اصل کام پر لگا دیا گیا۔ تاہم اس میں بھی وہ اس ربط خفی کو بھولے نہیں بلکہ راتوں کو جاجا کر اللہ والوں کی قدم بوسی کیا کرتے تھے۔

بہر حال مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ رحمہ اللہ صرف

ظاہر بین عالم نہ تھے بلکہ آپ کے ہاں ظاہر میں جتنا وفور علمی تھا، باطن اس سے کہیں زیادہ موجزن تھا۔ اور آپ عالم کامل ہونے کے ساتھ مکمل صوفی (4) بھی تھے، مگر آپ میں اخفاء کمال درجے کا تھا، اس لیے یہ پہلو زیادہ نمایاں نہ ہو سکا۔ آپ کی اسی خفیہ صوفیت کی چغلی آپ کی یہ تصانیف بھی کھاتی ہیں، جیسے مناقب فضیل بن عیاضؒ، مناقب بشر حافیؒ، مناقب ابراہیم بن ادہمؒ، مناقب سفیان ثوریؒ، مناقب معروف کرخیؒ، مناقب رابعہ عدویہؒ وغیرہ ایسے ٹھیٹھ صوفیاء کے حالات وہی لکھ سکتا ہے جسے ان سے کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ مناسبت وعقیدت ہو۔ ورنہ آج کل کے تو اچھے خاصے مدعیان اعتدال کے ماتھے پر ان حضرات کے نام سن کر ہی شکنیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ سارے قرائن نہ بھی ہوں تو کم از کم آپ کی کتاب "تلبیس ابلیس" پڑھنے سے ہی آدمی اندازہ لگا لیتا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ صوفی بھی ہیں کیونکہ جتنی گہرائی اور باریک بینی سے علامہ رحمہ اللہ نے اس میں صوفیاء کا تجزیہ پیش کیا ہے، وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی نہیں ہو سکتا، بلکہ لامحالہ مشاہدے پر مبنی ہے۔ یعنی آپ

4۔ عجب نہیں بلکہ یقیناً صوفیاء کے ساتھ اسی ربط خفی یا خود صوفی ہونے نے ہی آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعلق میں اعتدال پر کاربند رکھا ہوگا۔ کیونکہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی صوفیاء کا طبقہ اس باب میں صحیح معنوں میں جادہ اعتدال پر نہ صرف کاربند بلکہ اس کا موثر داعی بھی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> "میرا دعویٰ ہے کہ سنیت کے مسلک پر کم از کم عامۃ المسلمین کو قائم رکھنے میں سب سے زیادہ موثر حصہ حضرات صوفیاء ہی نے لیا ہے۔ اہل بیت اطہار کے ساتھ ان کا ایک خاص ربط باوجود شدید تسنن (متصلب سنی ہونے) کے اس کامیابی کا بہت کچھ ذمہ دار ہے۔ ورنہ مولویوں کے مناظرانہ مباحث کتابوں میں جس شکل میں پائے جاتے ہیں، ان کے پڑھنے والوں میں کسی ایک طرف غلو پیدا کر دے تو کچھ تعجب نہیں۔" (تعلیم وتربیت: ص ۲۷۷)

نے صوفیاء کو قریب بلکہ بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ظاہر ہے اس مشاہدے میں جہاں کھوٹے لوگوں کو دیکھا ہے وہاں کھروں سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا ہوگا۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ کوئی قلب سلیم رکھنے والا اس طبقہ صافیہ کو اتنا قریب سے دیکھے اور اس ناوک کا گھاؤ لئے بغیر واپس آئے۔ هم قوم لايشقى جليسهم

ویسے بھی علامہ رحمہ اللہ کا زمان و مکان وہ ہے جہاں سے کچھ ہی عرصہ پہلے شہ اولیاء تاجدار اصفیاء سیدنا الشیخ عبد القادر جیلی (قدس للہ سرہ واذا قنا ما اذاقہ) کا ناسوتی گذر ہوا تھا۔ بغداد کی فضاؤں میں ان کے انفاس قدسیہ کی تاثیر باقی تھی۔ اور ان کے تربیت یافتہ دیوانے بھی یہیں تھے۔ اتنی بڑی شمع کے پروانے فقیہانِ شہر میں سے چند فرزانوں کو بھی متاثر نہ کریں؟ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

تالیفات :

علامہ رحمہ اللہ کی افاداتی زندگی کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک واعظانہ اور دوسرا تصنیفاتی۔ واعظانہ کی نسبت بات کرنے کے بعد اب دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس پہلو کو ہم نے دوامی پہلو کے نام سے موسوم کیا تھا جس کی وجہ یہ ہے:

يلوح الخط في القرطاس دهرا
وكاتبه رميم في التراب

کہ لکھنے والا چاہے منوں مٹی میں جا کر سو جائے اور مرور زمانہ سے اس کی ہڈیوں تک کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے، مگر اس کی لکھی ہوئی تحریر جبین ہر پر اپنی اپنی حیثیت اور معنیت کے بقدر چمکتی رہتی ہے اور دیکھنے والے اسے دیکھتے اور فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

حقیقت میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ سے ہمارے تعلق کا سبب اور بنیاد یہی پہلو ہے کیونکہ ہم نے نہ تو ان کو دیکھا، نہ مجالس وعظ میں شرکت کی، نہ لوگوں کو

گریبان پھاڑتے دیکھا، اور نہ شرکیہ چوٹیاں کٹتے دیکھیں۔ ہم نے اگر کچھ دیکھا ہے تو بس وہی صفحہ قرطاس پر قلم سے پروئے ہوئے موتی دیکھے ہیں۔ انہی کے ذریعے ہم علامہ رحمہ اللہ کی جلالت شان اور قدر و منزلت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس لئے ہمارے واسطے تو یہی سب کچھ ہے۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلو اگر عمومیت، فلئدے کی وسعت اور ابدیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اول الذکر پہلو سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

آپ کی تالیفی زندگی سے متعلق تذکرہ نگاروں نے، عام سوچ کے لیے عجیب و حیران کن اور کسلمند طبیعتوں کے لیے بڑی عبرت آموز باتیں لکھی ہیں۔ آپ نے ایک دفعہ مبسر فرمایا: میں نے اپنی ان دو انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی (نقل کی) ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ کس دور کی بات ہے اور اس بات کے بعد مصنف کتنا عرصہ زندہ رہے۔ آپ کی تصنیفی زندگی کی ابتداء تیرہ سال کی عمر سے ہوئی۔ کل عمر چونکہ ۸۷ سال کے قریب تھی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ قریب قریب پون صدی تک آپ کا قلم گہر بار رقم طاسی لوحات پر اپنے نقوش مرتسم کرتا رہا۔ کہتے ہیں اچھی طرح ایک صفحہ لکھنے کے لیے کم از کم سو صفحات اچھی طرح پڑھنے پڑتے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر علامہ رحمہ اللہ کی وقیع تصنیفات کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ قائم کرنا مشکل نہیں کہ علامہ رحمہ اللہ نے کیا کچھ نہیں پڑھا ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل مبالغہ نہ ہوگا کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ ان فرض شناس اور زندگی کے قدر دان لوگوں میں سے تھے جن کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا اور وہ کوئی لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ وقت تو وقت ہے اور بہت قیمتی ہے، تذکروں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اپنے قلم کے تراشے اور برادہ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے جمع کرتے جاتے تھے مرتے ہوئے

وصیت کی تھی کہ میرے غسل کا پانی ان سے گرم کیا جائے وہ برادہ اور تراشے اتنے تھے کہ غسل کا پانی گرم کرنے کے باوجود بھی بچ گئے۔ آپ نے عمر بھر لکھا، اور بہت کچھ لکھا۔ ابن برزوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولم يترک فناً من الفنون إلا وله فيه مصنف.

ترجمہ: اس اللہ کے بندے نے کوئی علم و فن ایسا نہیں رہنے دیا جس میں اپنے قلم سے نقش تابدار یعنی کوئی تالیف نہ چھوڑی ہو۔

اور ابن رجب رحمہ اللہ آپ کی تالیفی اُپج کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"علامہ ابن جوزی جب کوئی بھی کتاب دیکھتے اور انہیں وہ پسند آتی تو فوراً اسی جیسی کتاب تالیف کر دیتے چاہے اس سے پہلے اس علم فن میں آپ نے کوئی کام کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور ایسا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ آپ کو فطرت سے اعلیٰ درجے کی ذہانت اور قوت فہم عطا ہوئی تھی، اور مجتہدانہ سلیقہ تالیف و ترتیب ودیعت ہوا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وله من التصانيف في الحديث وفنونه ما لم يصنف مثله قد انتفع الناس به.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی نے علوم حدیث کے میدان میں ایسی کتابیں بھی تالیف کی ہیں جو اس سے پہلے لکھی ہی نہیں گئی تھیں اور لوگوں نے ان سے ان کی ندرت کی وجہ سے خوب فائدہ اٹھایا۔

صیرفی رجال علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما علمت أن أحداً من العلماء صنف مثل ما صنف هذا الرجل.

ترجمہ: اس بندہ خدا نے تصنیف کے میدان میں وہ نقوش چھوڑے ہیں جو میرے علم کی حد تک پہلے وجود میں نہیں آئے تھے۔

تصانیف کی تعداد:

خود علامہ رحمہ اللہ نے اپنی تالیفات کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بتائی ہے۔ آپ کے نواسے کے بقول آپ کی کتابوں کی تعداد ۲۵۰ کے آس پاس ہے۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

قلت: وكذا وجد بخطه قبل موته أن تواليفه بلغت مئتين وخمسين تاليفاً.

ترجمہ: آپ کی وفات سے قبل لکھی ہوئی ایک تحریر میں یہ تھا کہ آپ کی تالیفات کی تعداد ۲۵۰ تک پہنچ گئی ہے۔

"سیر اعلام النبلاء" میں تصانیف گنوانے کے بعد علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقيل: نيفت تصانيفه على الثلاث مائة.

ترجمہ: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی تالیفات تین سو کے لگ بھگ ہیں۔

اس کے علاوہ ماضی قریب کے بعض محققین نے بھی تین سو کے قریب تالیفات گنوائی ہیں اگرچہ اس پر بھی کچھ رسالوں کا استدراک اور اضافہ کیا گیا ہے تاہم اس ساری تحقیق اور کد و کاوش کے بعد علامہ رحمہ اللہ کی تالیفات کی تعداد تین سو سے لیکر زیادہ سے زیادہ چار سو تک پہنچتی ہے۔ اس سے زیادہ بالکل بھی نہیں۔ ایک طرف یہ تحقیق ہے اور دوسری طرف علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وله مصنفات في أمور كثيرة حتى عددتها فرأيتها أكثر من ألف مصنف ورأيت بعد ذلك ما لم أره. (الأجوبة المصرية)

ترجمہ: علامہ ابن جوزی کی بہت سی تالیفات ہیں میں نے انہیں شمار کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد ایسی تالیفات بھی دیکھیں جو اس سے پہلے نظر نہیں آئی تھیں۔

ایک طرف تین سو سے کچھ اوپر کا عدد ہے اور اس کے مویدات، قرائن اور مرجحات بھی کافی ہیں اور دوسری طرف ہزار سے بھی اوپر کا عدد ہے۔ یہ ایک

تعارض ہے اور بہت بڑا تعارض ہے جس کے لیے تطبیق کی صورت ہو تو کیا ہو؟ اسے کتابت کی غلطی یا علامہ کی خطا سمجھا جائے یا اسے اسی عام مبالغاتی تاثر اور انداز کا مظہر قرار دیا جائے جو علامہ کی تحریرات میں نمایاں اور آپ کے قلم کا جز و لازم ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شاید علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتابوں کے مختلف ابواب اور فصول کو بھی تصنیف شمار کیا ہو۔ واللہ أعلم

تدریسی زندگی:

علامہ رحمہ اللہ نے اپنی زندگی وجوہ خیر اور اچھائی کے کاموں کے لیے گویا وقف کر رکھی تھی انہوں نے وعظ و نصیحت اور تالیف و تصنیف کے ساتھ ساتھ علماء کی اہم خصوصیت اور پہچان بلکہ علمی رسوخ کے ضامن یعنی تدریس کو بھی اپنے معمولاتِ زندگی کا حصہ بنائے رکھا۔ ایک جگہ اپنی اس چیز کو از راہ تحدیث بالنعمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وصار لي اليوم خمس مدارس.

ترجمہ: آج میرے پانچ تدریسی مراکز اور مدرسے ہیں۔

علامہ رحمہ اللہ خود متعدد مدارس میں تدریس کرتے رہے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد جو اپنے دور کی گویا مشہور عالمی یونیورسٹی تھی اس میں بھی علامہ رحمہ اللہ تدریس کرتے رہے۔ یہیں حافظ سعدی شیرازی رحمہ اللہ کے قوالی کے سماع والا قصہ پیش آیا جسے انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

علامہ رحمہ اللہ نے اگرچہ اپنی ذاتی زندگی تقشف میں نہیں گذاری بلکہ اپنی خوراک اور لباس وغیرہ میں تھوڑے بہت تکلف کیے یا ضرورت اس کا خیال رکھتے تھے، اور اس کے پس منظر میں ان کی خاندانی معاشی حالت بھی کار فرما تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی ضروریات کی حد تک ہی مال و دولت سے کام رکھا ہے اور اسی حد

تک اسے خرچ بھی کرتے تھے۔ جو ہدایا وغیرہ ملتے تھے ان سے کوئی جاگیر اور مستقل جائیداد نہیں بنائی بلکہ اسے ایک ایسے مصرف میں خرچ کیا جو واقعتاً مستقل اور ابدی جائیداد ہے۔ یعنی آپ نے اپنی گرہ سے بغداد کے علاقے میں ایک مدرسہ بنایا اور اس طرح اجر کے ساتھ ساتھ اپنے تدریسی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم أن الشيخ بنى مدرسة بدرب دينار ودرس بها سنة سبعين وذكر أول يوم تدريسه بها أربعة عشر درساً من فنون العلم.

ترجمہ: پھر علامہ ابن جوزی نے درب دینار میں ایک مدرسہ بنایا، اور اس میں اپنے پہلے روز کی تدریسی کارگزاری کے اندر مختلف علوم وفنون کے چودہ اسباق کا ذکر کیا ہے۔

اس ایک مدرسے کے بارے میں تو صراحت مل گئی البتہ پیچھے ذکر کردہ پانچ مدارس کے بارے میں یہ وضاحت نہیں کہ وہ اپنے ذاتی مال اور مصارف سے تیار کردہ تھے یا ان میں سرکاری بھی تھے۔ اگرچہ ایسی کوئی ٹھوس شہادت نہیں کہ جس کی بنیاد پر کھلے لفظوں میں دعویٰ کیا جاسکے، تاہم انداز تعبیر سے ذاتی ہونے کا خاصا عندیہ ملتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ علامہ رحمہ اللہ اپنا کتنا مال اور آمدن طلبائے علوم نبوت پر خرچ کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہ اس کے بعد علامہ رحمہ اللہ کے پاس جمع کرنے اور کوئی جاگیر وغیرہ بنانے کے لیے آخر بچتا ہی کیا کچھ ہوگا۔!

تلامذہ:

ویسے تو پورا بغداد ہی آپ کے مستفیدین میں سے اور ایک لحاظ سے شاگرد تھا، اسی طرح حدیث کا سماع کرنے والے بھی بے شمار لوگ تھے، لیکن ان سارے

لوگوں میں سے کچھ حضرات علامہ رحمہ اللہ کے خاص اور نمایاں تلامذہ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

طلحہ علثی، ابو عبد اللہ ابن تیمیہ (دادا) خطیب حران، علامہ کے صاحبزادے محی الدین، نواسے ابو المظفر، شیخ موفق الدین ابن قدامہ (صاحب مغنی)، حافظ عبد الغنی، ابن الدبیثی، ابن القطیعی، ابن النجار، ابن خلیل، ابن عبد الدائم، النجیب عبد اللطیف حرانی یہ علامہ رحمہ اللہ کے آخری شاگردوں میں سے ہیں۔

درس قرآن کا دستور:

علامہ رحمہ اللہ کے اس کارنامے کو وعظ میں شامل کیجئے تو وعظ ہے اور تدریس کہیں تو تدریس ہے ویسے تدریس سے اس کا تعلق زیادہ اور قریبی ہے۔ یہ کارنامہ کیا ہے خود انہی کے الفاظ میں سنیئے۔ لکھتے ہیں:

وفي هذه السنة انتهى تفسيري في القرآن في المجلس على المنبر إلى أن تم فسجدت على المنبر سجدة تشكر وقلت: ما عرفت أن واعظاً فسر القرآن كله في مجلس الوعظ منذ نزل القرآن، ثم ابتدأت ختمة أفسرها على الترتيب، والله قادر على الإنعام والإتمام والزيادة من فضله. (ذيل طبقات لابن رجب)

ترجمہ: اس سال منبر پر لوگوں کی مجلس میں میری تفسیر قرآن پوری ہوئی جب پوری ہوئی تو میں نے انتہائی امتنان واحسان مندی کے ساتھ منبر پر ہی اللہ کا شکر یہ ادا کیا اور سجدہ شکر بجالایا۔ اور میں نے کہا:

میرے علم کے مطابق نزول قرآن سے لے کر آج تک کسی واعظ/ خطیب نے مجلس وعظ میں پورے قرآن کی تفسیر نہیں بیان کی۔

پھر میں نے ایک اور ختم کی ترتیب بنائی اور ترتیب کے ساتھ تفسیر بیان کرنے کا کام شروع کیا، اللہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے ہیں۔

مکمل درس قرآن کے سلسلے کا علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کو اس لحاظ سے موجد کہا

جائے تو بے جانہ ہوگا۔

حلیہ وشمائل:

شیخ موفق الدین عبد اللطیف رحمہ اللہ علامہ رحمہ اللہ کے حلیے کے بارے میں بڑے جامع اور موزوں الفاظ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ ابن جوزی نازک اندام، شیریں خصائل، خوش آواز، ہنس مکھ، موزوں گفتگو، اور متناسب چال ڈھال کے مالک تھے، آپ سفید رنگ کا نرم گداز اور خوشبودار لباس زیب تن کرتے تھے۔"

متعدد تذکرہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ:

"علامہ نے حب بلاذر[5] پیا، جس کی وجہ سے آپ کی داڑھی جھڑ کر بہت چھوٹی رہ گئی تھی۔ آپ اس پر سیاہ خضاب[6] لگاتے تھے۔ اور یہ سلسلہ وفات تک جاری رہا۔"

5۔ حب بلاذر: یعنی بلاذر کے دانے، بلاذر ایک خشک میوہ ہے جسے "کاجو" کہتے ہیں۔ اس کو خاص ترکیب سے حافظے کی تقویت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا نسخہ حافظے کے لیے بے حد مفید ہے لیکن اگر ترکیب اور استعمال میں ذرا سی بے احتیاطی اور اونچ نیچ ہو جائے تو اتنا ہی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ جو بسا اوقات موت، پاگل پن، یا کم از کم برص اور جذام وغیرہ جیسے امراض کا باعث بن جاتا ہے۔ ایک تو اس کا یہی اثر ہے جو علامہ رحمہ اللہ پر ظاہر ہوا اس کے علاوہ تراجم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ اور ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ نے اسے استعمال کیا تو اول الذکر کو برص اور دوسرے کو جذام کی شکایت ہو گئی۔ اور ابن خلکان کے بقول مدرسہ نظامیہ کے پانچ مدرسین نے استعمال کیا تو پانچوں کے پانچوں عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان پانچ میں سے ایک دن ایک صاحب عریاں حالت میں باہر آئے اور کہنے لگے: ہم پانچ لوگوں نے بلاذر استعمال کیا تھا۔ صرف میں صحیح ہوں اور باقی سارے پاگل ہو گئے ہیں۔ (فلله عجائبه)

6۔ سیاہ خضاب کے جواز پر علامہ رحمہ اللہ نے ایک پوری کتاب بھی لکھی تھی۔ اس مسئلے میں یہ علامہ رحمہ اللہ کی انفرادی رائے ہے، ورنہ جمہور اہل علم کے نزدیک چند استثنائی صورتوں کے علاوہ بالکل سیاہ خضاب کا استعمال جائز نہیں۔ (ش۔ا)

علامہ رحمہ اللہ چونکہ علمی مشغلہ رکھتے تھے اور خود طب سے بھی واقفیت تھی اس لیے اپنی صحت کا بہت خیال رکھتے تھے، اور ہمیشہ وہ چیزیں استعمال کرتے تھے جو دماغ اور حافظے کے لیے تقویت کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ آپ غذا میں عام طور سے چوزہ استعمال کرتے، اور پھل و میوہ جات کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ (طبقات ابن رجب)

نظربندی کے مصائب:

حضرات صوفیاء اور بڑے لوگ اپنے مریدین اور مبتدی سالکین سے کہا کرتے ہیں "ہماری انتہاء نہ دیکھو، بلکہ ہماری ابتداء پہ نظر رکھو، ہماری ابتداء دیکھو گے تو کچھ بنو گے اگر انتہاء دیکھو گے تو پریشان ہو جاؤ گے" کیونکہ ایسے حضرات کی ابتدائی زندگی مجاہدے، کسر نفس، زہد و تقشف، اور بے سروسامانی سے عبارت ہوتی ہے جبکہ آخری حصے میں فتوحات کی جھلک آجاتی ہے جس کی چمک دمک سے کچے ذہن اور کمزور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ اسی ضابطے ہی کی کارفرمائی سمجھیے یا سوء اتفاق کہ بڑے حضرات کی اولادیں عام طور سے بڑی نہیں ہوتیں بسا اوقات نہ صرف یہ کہ بڑی نہیں ہوتیں بلکہ بہت چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ خود علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تین بیٹے تھے ایک تو عنفوان شباب میں ہی فوت ہو گئے، دوسرے نیک صالح عالم وواعظ بنے اور تیسرے صاحب ایسے نکھد اور نکھٹو نکلے کہ علامہ رحمہ اللہ نے ان کی حرکات کی وجہ سے انہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ اور وہ ایک دوسرے شہر میں رہتے تھے جب علامہ رحمہ اللہ نظر بند ہوئے (جس کی تفصیل ابھی آیا چاہتی ہے) اور ان صاحب کو پتہ چلا تو یہ بغداد آئے اور راتوں رات ابا کی بہت سی کتابیں چپکے سے نکالیں اور انہیں چوری کے کپڑے لاٹھیوں کے گز کے حساب سے اونے پونے

داموں پر فروخت کر دیا۔

کچھ اسی قسم کی صورتحال ہمارے زیر نظر معاملے میں بھی پیش آئی۔ ہوا یوں کہ شہ اولیاء راس الاتقیاء سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے پوتے جن کا نام عبدالسلام بن عبدالوہاب رکن تھا۔ انہوں نے کچھ کتابیں ایسی لکھیں جن کے اندر نجوم اور فلسفے وغیرہ سے متعلق کچھ ایسی باتیں تھیں جو علماء کے لیے قابل اعتراض تھیں۔ اس دور کے وزیر خلافت ابن یونس حنبلی نے ایک اجتماع اور محفل میں عبدالسلام بن رکن کو بلا کر کچھ لوگوں کی موجودگی میں جن میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ بھی شامل تھے، ان کی کتابیں جلوادیں اور اس کے بعد ان کے پاس دادا جان کا مدرسہ تھا اسے لے کر علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے حوالے کر دیا۔ اس ساری کاروائی کے محرکات یا حقیقی اسباب کچھ بھی ہوں ابن جوزی رحمہ اللہ اس کام میں شریک ہوں یا نہ ہوں بہر حال جس انداز سے کام کیا گیا اس سے عبدالسلام کے ذہن میں بجا طور پر یہ بات آگئی کہ یہ سارا کیا کرایا ابن جوزی کا ہے۔ لہذا اس سے بدلہ لینا چاہیے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

کچھ عرصے بعد ابن یونس حنبلی کی جگہ ابن قصاب خلیفہ ناصر کا وزیر بنا۔ ابن قصاب کٹر رافضی اور شیعہ تھا اس نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی ابن یونس اور اس کے ساتھیوں کے گرد حلقہ تنگ کرنا شروع کیا۔ انہی دنوں عبدالسلام بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور اسے کہا: تم ادھر ادھر تو پکڑ دھکڑ کر رہے ہو، اس ابن جوزی کا تمہیں کوئی خیال نہیں جو ناصبی (اہل بیت کا دشمن) ہے اور ابو بکر کی اولاد میں سے ہے۔ یہ ابن یونس کے نمایاں ساتھیوں میں سے تھا اسی نے میری کتابیں جلوائیں اور میرے دادا کا مدرسہ لیا۔ ایک طرف یہ سب معاملہ تیار تھا اور دوسری طرف

خلیفہ مستضی باللہ کے بعد خلیفہ ناصر آیا۔ خلیفہ مستضی تو ابن جوزی رحمہ اللہ کا معتقد تھا مگر ناصر کی علامہ رحمہ اللہ سے بنی نہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو ناصر کا اپنا میلان شیعت کی طرف تھا دوسرے ابن جوزی رحمہ اللہ بھی مجالس میں اس کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ چنانچہ اب کیا ہوا ایک طرف ابن قصاب کی سازش اور دوسری طرف ناصر کا پہلے سے بنا ہوا ذہن۔ جب ابن قصاب نے ناصر سے ابن جوزی رحمہ اللہ کو گرفتار کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے اجازت دیدی۔ وہ شیخ کے گھر آیا، رات کا وقت تھا پہلے بد تمیزی کی اور انتہائی نازیبا کلمات کہے اور پھر ان کی کتابیں اور ان کا گھر بحق سرکار سر بمہر کر دیا، اور علامہ رحمہ اللہ کے اہل خانہ کو وہاں سے نکال کر دربدر کر دیا۔ اور خود علامہ رحمہ اللہ کو گرفتار کر کے کشتی میں بٹھایا۔ اس وقت آپ کے جسم پر صرف ایک گدڑی تھی اور سر پر ہلکا سا پٹکا تھا۔ پانچ دن تک کشتی میں کھانے پینے کو کچھ نہ دیا گیا۔ کشتی واسط جا کر رکی۔ اس سارے عرصے میں عبد السلام علامہ رحمہ اللہ کے ساتھ رہا۔ جب واسط پہنچے وہاں آپ کو ایک گھر میں نظر بند کر دیا گیا، اور دوازے پر دربان بٹھا دیا گیا۔ کچھ طلبہ وغیرہ آجاتے تھے اور پڑھ لیا کرتے تھے، اس دوران علامہ رحمہ اللہ بہت سے اشعار لکھ لکھ کر بغداد روانہ کیا کرتے تھے۔

اس وقت علامہ رحمہ اللہ کی عمر اسی سال کے قریب تھی۔ اس بڑھاپے کے عالم میں پانچ سال تک آپ اس گھر میں نظر بند ہو کر رہے۔ جس میں قید یا پابندی ہی نہیں تھی بلکہ علامہ رحمہ اللہ کو وہ سارے کام جو ناز و نعم والے گھرانے اور زندگی والے لوگوں کے لیے انتہائی مشکل ہوتے ہیں، خود کرنے پڑے۔ جیسے اپنے کپڑے دھونا، کھانا تیار کرنا، کنویں سے پانی خود لانا، اور حمام تک بھی نہ جا پانا۔ لیکن اس عرصے میں بھی کمال کی بات دیکھئے فرماتے ہیں:

قرات بواسط مدة مقامي بها كل يوم ختمة.

ترجمہ: واسط میں نظر بندی کے تمام عرصے میں ہر روز ایک قرآن ختم کیا کرتا تھا۔

اور یہیں پر رہتے ہوئے جب آپ کے بیٹے آپ کی رہائی کا پروانہ لے کر آئے تو آپ نے ان کو ساتھ لے کر ابن باقلانی رحمہ اللہ سے قراءات عشرۃ پڑھیں اور پھر بغداد کے لیے رخت سفر باندھا۔ طلب علم کی حرص اور علو ہمت کی اس مثال پہ قربان جایئے۔ اس بات کو نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبی رحمہ اللہ جیسے نقاد آدمی کے قلم سے بھی یہ الفاظ نکل گئے:

فانظر إلى هذه الهمة العالية.

یہاں سے آپ کی رہائی کا سبب ایسے پیدا ہوا کہ بغداد میں آپ کے بیٹے یوسف وعظ کہنے لگے جس کے واسطے سے ان کی رسائی خلیفہ کی والدہ تک ہوئی تو خلیفہ کی والدہ نے خلیفہ ناصر سے رہائی کے احکامات صادر کروائے۔ جب آپ بغداد آئے تو پھر وہی پہلی سی رونق اور گرما گرمی سے وعظ اور تالیف کا کام شروع کیا اور یہ کام موت تک جاری رہا۔ یعنی رہائی کے بعد تقریباً پانچ سال کا عرصہ آپ نے اپنے ان افاداتی مشاغل میں گذارا۔

وفات اور تدفین:

علامہ رحمہ اللہ کے نواسے ابو المظفر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

> "نانا جان نے سات رمضان بروز ہفتہ ۵۹۷ھ کو وعظ فرمایا اور کچھ درد بھرے اشعار پر مجلس کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد منبر سے نیچے تشریف لائے اور بیمار پڑ گئے۔ آپ کی یہ بیماری پانچ دن تک چلتی رہی۔ پھر جمعے کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان جان سپرد آفریں کی۔"

اس لحاظ سے آپ کا یوم وفات: ۱۳ رمضان المبارک شب جمعہ ۵۹۷ھ بنتا ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ایک تخمینے کے مطابق ۸۹ سال اور دوسرے کے

مطابق ۸۵ سال بنتی ہے۔ شیخ ضیاء الدین بن سکینہ رحمہ اللہ اور شیخ ضیاء الدین بن جہبر رحمہ اللہ نے سحری کے وقت آپ کو غسل دیا۔

علامہ رحمہ اللہ کی وفات کی خبر شہر بھر میں پھیل گئی اور اہل بغداد اکٹھے ہو گئے۔ بازار بند ہو گئے۔ لوگوں کے ازدحام اور کثرت کی وجہ سے تابوت کو رسیوں سے باندھا گیا یعنی بڑے بانس وغیرہ لگا دیے گئے۔ آپ کی میت کو اس جگہ لے جایا گیا جہاں آپ وعظ کے لیے تشریف فرما ہوتے تھے۔ آپ کے بیٹے ابوالقاسم رحمہ اللہ نے آپ کی پہلی نماز جنازہ پڑھائی پھر میت جامع منصور لائی گئی وہاں بھی لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی، اور بہت رش ہو گیا۔ اسی رش کی وجہ سے صبح کے چلے آپ کی قبر تک (جو کہ امام احمد رحمہ اللہ کے قریب تھی) پہنچنے میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ موسم گرمی کا تھا، اوپر سے گرمی، اور مہینہ رمضان کا، لوگوں نے روزے رکھے تھے، شدت پیاس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے روزے افطار کر دیے اور گرمی سے تسکین حاصل کرنے کے لیے ظاہریہ نامی خندق میں کھڑے پانی میں چھلانگیں لگائیں۔ جب آپ کو لحد میں اتارا جا رہا تھا اس وقت مسجدوں میں مؤذن (جمعہ کے لیے) اللہ اکبر کی آواز لگا رہے تھے یعنی جمعے کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ آپ کی وفات پر پورا شہر سوگوار، ہر آنکھ اشکبار، ہر دل مضطرب اور افسردہ تھا۔ لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ گویا آپ کا جنازہ امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول کی تصویر تھا:

ما بيننا وبينكم الجنائز.

ہمارے (اہل حق) اور تمہارے (اہل باطل) کے درمیان فیصلہ کن چیز ہمارے جنازے ہیں۔

رحمه الله رحمةً واسعةً.

کچھ کتاب کی نسبت سے

ہمارے زیر نظر کتاب کا پورا نام یہ ہے:
"الرد على المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد"
جس کا ترجمہ ہے: اس ضدی اور ہٹ دھرم شخص کا جواب جو یزید کی مذمت سے روکتا ہے۔

استنادی حیثیت:

یہ کتاب علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ہی تالیف ہے یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ درج ذیل علماء نے اپنی کتابوں میں اس کو علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصنیف کے طور پر ذکر کیا ہے۔

(۱) سبط ابن جوزی..... تذکرۃ الخواص..... صفحہ ۲۸۷
(۲) ابن اثیر..... الکامل فی التاریخ..... ص ۲۶۵ ج ۸
(۳) ابن کثیر..... البدایۃ والنہایۃ..... ص ۲۲۳ ج ۴
(۴) ابن تیمیہ..... منہاج السنۃ..... ص ۵۷۴
(۵) ابن رجب..... ذیل طبقات الحنابلۃ.... ص ۳۵۶/۴۱۷
(۶) علامہ ذہبی..... سیر اعلام النبلاء..... ص ۱۶۰ ج ۲۱
(۷) ابن حجر ہیثمی..... الصواعق المحرقۃ..... ص ۲۲۲
(۸) حاجی خلیفہ..... کشف الظنون..... ص ۸۳۹ ج ۱
(۹) اسماعیل پاشا..... ہدیۃ العارفین..... ص ۵۲۱ ج ۱
(۱۰) الخوانساری..... روضات الجنان..... ص ۳۶ ج ۵
(۱۱) عبدالحمید علوجی..... مولفات ابن الجوزی..... ۱۰۳

مذکورہ بالا حضرات میں سے بعض نے کتاب کا مکمل نام ذکر کیا ہے اور بعض نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے (عبدالمغیث حنبلی کے رد میں) یزید پر لعنت کے جواز میں ایک کتاب لکھی ہے۔

زمانۂ تالیف :

کتاب کی تالیف کا زمانہ بالتعیین تو معلوم نہیں، البتہ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۵۷۵ھ کے بعد کی تالیف ہے کیونکہ ۵۷۵ھ کو خلیفہ ناصر تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا اور یہ واقعہ اس کی مجلس کا ہے (جیسا کہ مقدمہ کتاب میں مذکور ہے) اور 585ھ کو اس کتاب کے مخاطب اور موضوع سخن عبدالمغیث حنبلی صاحب کا انتقال ہوا تھا۔ لہذا اس تالیف کا زمانہ لامحالہ ۵۷۵ سے لیکر ۵۸۵ھ کے درمیان کا ہے جس وقت کہ علامہ رحمہ اللہ کی عمر ۶۵ یا ۷۰ سال تھی۔

سبب تالیف:

کتاب کا سبب تالیف خود علامہ رحمہ اللہ نے اپنے مقدمے میں ذکر کیا ہے۔ علامہ رحمہ اللہ کی مجالس وعظ کی مقبولیت اور عوام کے اس میں شرکت کے قصے تو معروف ہی ہیں۔ ان مجالس میں علامہ رحمہ اللہ سے لوگ مختلف موضوعات پر سوال بھی کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی موقع پر ایک سائل نے یہ سوال کیا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ رحمہ اللہ نے اس سے یہ کہا کہ ہمارے لیے اس معاملے میں سکوت زیادہ مفید ہے۔ سائل نے اصرار سے کہا کہ سکوت کے مفید اور بہتر ہونے کا تو مجھے بھی معلوم ہے میرا مقصد تو یہ ہے کہ لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں علامہ رحمہ اللہ نے بڑے حکیمانہ انداز سے جواب دیا اور خود اہل مجمع سے ہی پوچھا بھلا آپ ہی بتائیں!

ایک آدمی کو تین سال حکومت ملی۔ اس نے پہلے سال حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور دوسرے سال اہل مدینہ کو ستایا اور مدینہ منورہ کو مباح عام کر دیا، اور تیسرے سال کعبے پر منجنیقوں سے گولہ باری کی اور اسے گرایا۔ آپ ہی بتایئے ایسے آدمی کے بارے میں آپ کا رویہ کیسا ہونا چاہیئے؟

لوگوں نے کہا: ہم تو اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے کہا بس لعنت کرو، پھر خود بھی خلیفہ ناصر اور بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں بر سر منبر اس پر لعنت کی۔ (تذکرۃ الخواص ص ۲۹۱)

جب یہ بات عبد المغیث حنبلی کو پہنچی تو اس نے علامہ رحمہ اللہ کی اس بات کے جواب میں "فضائل یزید" نامی ایک رسالہ لکھ دیا، علامہ رحمہ اللہ نے اس کتاب کا تحریری شکل میں رد لکھا، جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں علامہ رحمہ اللہ نے صاحبِ کتاب اور ان کے دلائل کے خوب لتے لیے۔ جس کی تفصیل کتاب میں ملے گی۔

"فضائل یزید" علماء کی نظر میں:

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ صرف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ہی اس کتاب سے براءت، اور نفرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ دیگر اہل علم نے بھی اس کو بنظر استحسان قطعاً نہیں دیکھا۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

أتى فيه بالعجائب.

ترجمہ: عبد المغیث نے اس کتاب میں عجیب و غریب باتیں کی ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أتى فيه بالغرائب والعجائب، وقد رد عليه ابن الجوزي رحمه الله فأجاد وأصاب.

ترجمہ: عبد المغیث نے اپنی اس کتاب میں نئے نئے گل کھلائے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس کا رد لکھا ہے اور خوب لگا کر لکھا ہے اور بالکل

صحیح باتیں لکھی ہیں۔

اس سے زیر نظر اصل مسئلے یعنی مقام یزید کے حوالے سے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اپنی رائے اور طرز بھی سامنے آتا ہے کہ وہ فضائل یزید کے مقابلے ذم یزید کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس پر لکھی ہوئی تالیف کو جید اور صواب قرار دے رہے ہیں۔

اور صیرفی رجال علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے، عبدالمغیث پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا:

أتى فيه بالموضوعات. (العبر للذهبي)

ترجمہ: عبدالمغیث صاحب نے اس کتاب میں موضوع اور من گھڑت روایتیں ذکر کی ہیں۔

صرف اسی پر بس نہیں۔ آگے فرمایا:

أتى فيه بعجائب وأوابد لو لم يؤلفه لكان خيراً.

ترجمہ: عبدالمغیث صاحب نے اس تالیف میں بوالعجبیاں، دور از کار، اور بے تکی باتیں اکٹھی کی ہیں۔ اگر وہ یہ کتاب نہ لکھتے تو اچھا ہوتا۔

عبد المغیث حنبلی کا علمی مقام:

یہ تو کتاب پر تبصرہ تھا، اب ذرا ایک نظر مصنف کتاب یعنی عبدالمغیث حنبلی صاحب کے علمی مقام پر بھی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جناب کے علمی قد و کاٹھ کا کچھ اندازہ تو زیر نظر کتاب میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تحریر سے ہو جائے گا اس کے علاوہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

له غلطات تدل على قلة علمه. (سير أعلام النبلاء)

ترجمہ: عبدالمغیث صاحب کی متعدد ایسی غلطیاں ہیں (جو صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ) وہ (اپنی نوعیت کے اعتبار سے) حنبلی صاحب کی کم علمی کا شاخسانہ اور مظہر ہیں۔

یزید کے بارہ میں اکابر علماءِ اہل سنت کا مسلک وموقف

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور چالیس سال دارلعلوم دیوبند کے مہتمم رہے آپ اکابر کے مزاج شناس اور اُن کے مسلک کے ترجمان ہیں آپ یزید کے بارہ میں اکابر واسلاف کا نظریہ بہت ہی واضح طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

بہر حال یزید کے فسق وفجور پر جب کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ مانعین ہوں یا مخالفین، پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور انکے بعد علماءِ راسخین، محدثین، فقہاء مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ سعد الدین تفتازانی، محقق ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیا الہراسی جیسے محققین یزید کے فسق پر علماءِ سلف کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اسی کے قائل ہیں پھر بعض اِن میں سے اِس فسق کے قدر مشترک کو متواتر المعنی بھی کہہ رہے ہیں جس سے اس کا قطعی ہونا بھی واضح ہے۔ پھر اُوپر سے ائمہ اجتہاد میں سے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک الکیا الہراسی نقل کر رہے ہیں اور وہ خود شافعی ہیں اور فتویٰ دے رہے ہیں تو انکی نقل ہی سے یہ مسلک امام شافعی اور فقہ شافعی کا بھی ثابت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس سے یہ بھی واضح رہے کہ یہ تاریخی نظریہ نہیں جسے مؤرخین نے بطور تاریخی ریسرچ کے پیش کر دیا ہو، بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے جو عقیدہ اور مسئلہ کی لائین سے ان اربابِ حدیث وفقہ نے اپنی کتب عقائد ومسائل میں اس کا ذکر کیا ہے الخ۔

(شہید کربلا اور یزید: ص ۱۵۲)

اللہ پاک ہم سب کو ہمارے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یزید کی شخصیت

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مترجم
مفتی شعیب احمد

خطبہ

الحمد لله الذي نجانا بالعلم من موافقة الضلال والاهواء، وسلمنا من موافقة الجهال الغوغاء، وأشهد أن لا إله الا الله وحده لا شريك له شهادة الموقنين العلماء، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله سيد المرسلين وخاتم النبيين وعلى أهل بيته الطاهرين الفضلاء وعلى آله وأتباعه إلى يوم الحشر والجزاء وسلم.

ترجمہ: تمام تعریفوں کا سزاوار وہی خدائے وحدہ لاشریک ہے جس نے ہمیں اپنے لطف وعنایت سے گمراہوں اور خواہش پرستوں کی ہاں میں ہاں ملانے سے محفوظ رکھا، اور جاہل لوگوں کے فضول شور وغل اور چخ چخ کی موافقت وتائید سے ہمارا دامن بچایا۔ میں اپنے تہہ دل سے ایمان وایقان کی گہرائی کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول بلکہ سید الرسل اور خاتم الانبیاء ہیں۔ قیامت کی صبح تک خدا کی رحمتیں اور درود وسلام ہوں اس ہستی پر اور ان کے پاکیزہ اور ارباب فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم پر اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام کے تمام پیروکاروں پر۔ آمین ثم آمین

زیر نظر تحریر کا پس منظر

میری وعظ کی مجلس میں ایک سائل نے یزید کی ذات کے بارے میں سوال کیا اور اس بارے میں بھی پوچھا جو اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اسی طرح جو اس نے مدینہ منورہ میں لوٹ مار مچائی۔ ان سب باتوں کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں نے اس سائل کو جواباً کہا:

یکفیه مافیه. وہ جس مقام میں ہے اس کو وہی کافی ہے۔

والسکوت اصلح: اور (اس سے لیے) سکوت ہی خاموشی زیادہ بہتر ہے۔

میری یہ بات سن کر سائل نے کہا اگر یہ بات تو مجھے بھی معلوم ہے کہ سکوت زیادہ بہتر ہے میرا پوچھنے کا مقصد تو یہ ہے کہ کیا اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس سوال کا مختصر آیہ جواب دیا:

"بہت سارے محتاط اور زہد و تقوی والے اہل علم نے اس پر لعنت کو روا رکھا ہے۔ ان علماء میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا نام بھی شامل ہے"۔

میری مجلس وعظ کی یہ گفتگو ایک ایسے صاحب کے پاس پہنچی جنہوں نے احادیث اور مرویات کا علم تو حاصل کیا تھا، لیکن عامیانہ تعصب کی چادر نہیں اتاری تھی۔ ان صاحب نے میری اس بات کی نہ صرف تردید کی، بلکہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے یزید کی حمایت میں ایک رسالہ لکھ ڈالا اور اسے ہمارے ایک عزیز دوست کے پاس بھیج دیا۔ میرے عزیز نے مجھ سے التماس کی کہ میں اس رسالے کا جواب اور رد لکھوں۔ میں نے اپنے اس دوست سے عرض کیا:

"مجھے تو پہلے سے ہی پتہ تھا کہ یہ صاحب (یعنی عبدالغنیث حنبلی کم علمی اور ناسمجھی کا شکار ہیں حالانکہ محدث تو سمجھ بوجھ اور خرد و دانش والے ہوتے ہیں۔"

یعقوب بن اسحاق فرماتے ہیں:

لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو علم بھی رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا ادراک بھی ہے کہ ہمارے پاس علم ہے، یہ قسم علماء کی ہے۔ ان سے علم کی باتیں اور دین و شریعت حاصل کرو۔

۲۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم تو رکھتے ہیں لیکن انہیں یہ احساس

واستحضار نہیں کہ ان کے پاس علم ہے۔ایسے لوگ بھولے ہوئے ہیں انہیں یاد دلاؤ۔

۳۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم تو نہیں رکھتے البتہ انہیں یہ احساس ضرور ہے کہ ہمارے پاس علم نہیں۔ یہ قسم طلب والے لوگوں کی ہے ان کو علم دین سکھاؤ۔

۴۔ چوتھی قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو نہ تو علم کے حامل ہیں اور نہ ہی انہیں یہ خبر ہے کہ ہم علم سے تہی دامن ہیں۔ یہ لوگ جاہل محض ہیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو (یعنی منہ نہ لگاؤ)۔

عبد المغیث حنبلی کا علمی پایہ

ہمارے موصوف (یعنی حمایت یزید میں قلم اٹھانے والے صاحب) ایسے ہیں کہ انہیں نہ تو منقولات کا پتہ ہے اور نہ ہی معقولات کی سمجھ بوجھ۔ حدیث کی روایت اور عبارت تو پڑھ لیتے ہیں، لیکن صحیح اور ضعیف کی پہچان سے تہی دامن ہیں، مقطوع روایت کو موصول سے جدا نہیں کر پاتے، صحابی اور تابعی کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے، ناسخ و منسوخ میں تمیز کی اہلیت نہیں اور نہ ہی دو مختلف حدیثوں میں تطبیق و توفیق کے فن سے آشنا ہیں۔

ایک طرف یہ نااہلیت اور دوسری طرف عامیانہ تعصب کا چشمہ بھی اپنے دیدہ بصیرت پر چڑھا رکھا ہے جس کی وجہ سے ان کا طرز یہ ہے کہ جب بھی اپنی من پسند اور اپنے قائم کردہ نظریے کے موافق کوئی حدیث دیکھتے ہیں تو اس کو قبول کر کے اسے اپنی دلیل بنا لیتے ہیں، چاہے فہم و ادارک والے دیگر علماء و فقہاء (دوسری احادیث کی بنا پر) اس کے خلاف ہی رائے کیوں نہ رکھتے ہوں۔

علم حدیث سے تہی دامنی

ہم نے ان صاحب کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ فن حدیث سے نابلد ہیں، اس کی دلیل اور وضاحت یہ ہے کہ یہ صاحب اپنے مقاصد کے لیے ایسی حدیثوں سے بھی استدلال کرنے سے نہیں جھجکتے جن کی سند میں کذاب اور اعلیٰ درجے کے دروغ گو اور جھوٹے راوی ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ صاحب سچے اور جھوٹے راوی کے درمیان امتیاز کرنے کی اہلیت سے قاصر ہیں۔ عبدالرحمان بن عیسیٰ فقیہ رحمہ اللہ نے مجھے یہ بتایا کہ مجھے ان صاحب نے ایک موقع پر یہ کہا تھا کہ حدیث سقیفہ صحیح میں نہیں (7)

ملاحظہ فرمایئے!

جس آدمی کو اس جیسی مشہور اور متفقہ طور پر صحیح اردی جانے والی حدیث کے بارے میں ہی علم نہیں وہ اپنے محدث ہونے کا بلند بانگ دعویٰ کیسے کرسکتا ہے؟ اسی طرح ایک دفعہ میرے سامنے انہوں نے یہ کہا کہ "مسلم بن یسار کبار صحابہ میں سے تھے" میں نے ان سے کہا (خدا کا خوف کریں) ان کا صحابی ہونا تو کسی نے بھی نہیں کہا۔ وہ تو تابعی ہیں۔

7۔ حدیث سقیفہ کے صحیح میں نہ ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱)۔ یہ حدیث "صحیح بخاری" میں نہیں۔ اگر یہی مطلب ہے تو پھر یہ بات اتنی بڑی غلطی نہیں۔ کیونکہ "بخاری شریف" میں احادیث کی ترتیب ایسی ہے کہ بسا اوقات حدیث پر اچھی خاصی نظر رکھنے والے حضرات کو بھی تگ ودو کے باوجود ایک حدیث "بخاری" میں نہیں ملتی، اور وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث "صحیح بخاری" میں نہیں۔ حالانکہ وہ حدیث "بخاری" میں موجود ہوتی ہے۔ (۲)۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح کے زمرے میں شامل نہیں۔ اگر علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے تو پھر یہ بات واقعتاً غلطی ہے۔ علامہ رحمہ اللہ کا مقصد بظاہر یہی ہے البتہ الفاظ ایسے ہیں کہ جن سے دوسرا مطلب بھی بآسانی نکل سکتا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ میں غلو

پھر یہ صاحب اپنی عصبیت ہی کی بدولت (خدا تعالیٰ کی صفات کے بارے میں) تشبیہ و تجسیم [8] کی جانب جھک گئے۔ انہوں نے حدیث استلقاء میرے پاس لکھ کر بھیجی اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا فرما چکے تو چت (گدی کے بل) لیٹ گئے اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ دیا (سبحانہ وتعالیٰ عما یصفون)۔ روایت نقل کرنے کے بعد ان صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہ حدیث صحت میں اس پائے کی ہے کہ ''بخاری'' و ''مسلم'' کو چاہیے تھا کہ اس کو روایت کرتے۔

میں نے ان سے کہا تمہارا ناس ہو! یہ حدیث تو صحیح بھی نہیں ہے [9] بلکہ قبولیت کے کسی بھی درجے میں نہیں۔ نہ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے تسلیم کیا اور نہ ہی ابوداؤد اور ترمذی نے اور نہ ہی انہوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں جگہ دی اور ایسا ہوتا بھی کیسے کیونکہ اس روایت میں علت اور گڑبڑ ہے جس کی

8۔ اہل تجسیم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم یا جسم کے لوازمات کو ثابت کرتے ہیں۔ یعنی یا تو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھی عام مخلوق کی طرح کا جسم ہے یا صراحتاً جسم کا اطلاق تو نہیں کرتے لیکن ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں جن سے جسمیت لازم آتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ کو مخلوق میں معروف معنیٰ میں لینا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اجزاء ہیں اور کام کرنے کے آلات ہیں، جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے مشابہ ہونا اور محتاج ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ مخلوق کے مشابہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {لیس کمثلہ شیءٌ} [الشوری: 11] ''اس طرح کا سا کوئی نہیں'' اور نہ کسی کے محتاج ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {یا أیھا الناس أنتم الفقراء إلی اللہ واللہ ھو الغنیّ الحمید} [فاطر: 15] ''اے لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پرواسب تعریفوں والا''۔

9۔ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (۱۵۹ ج ۲۱)

تفصیل میں نے اپنی کتاب ''منہاج الوصول إلی علم الأصول'' میں دے دی ہے۔

اور میں نے ان کے یہ بھی گوش گذار کیا کہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق وارد ہونے والی تمام کی تمام احادیث کو میں نے اکٹھا کیا ہے اور ان میں سے صحیح و غیر صحیح کی تفریق و تمیز بھی کر دی ہے۔(اس لیے مجھے یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ تمہاری ذکر کردہ روایت کا علمی پایہ کیا ہے)۔اس پر وہ کہنے لگے: میرا یہ مقصو نہیں کیونکہ غیر مقبول حدیث کو بیان کرنے میں ''دروغ بر گردنِ راوی ہوتا ہے'' یعنی ہمیں احتیاط کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا: تمہارا اناس ہو! کیا حق تعالیٰ کے معاملے میں یہ تساہل اور ناانصافی برتی جارہی ہے کہ اس کو مخلوق پر قیاس کیا جارہا ہے۔

علم فقہ میں بے بضاعتی

(یہ تو علم حدیث میں ان صاحب کا علمی پایہ تھا) اب رہی بات (ایک دوسرے جلیل القدر علم) علم فقہ کی تو اس میدان میں بھی ہمارے موصوف بالکل کورے ہیں اور انہیں کچھ سوجھ بوجھ نہیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ان صاحب نے بے شمار ایسی احادیث بیان کیں جن کے بارے میں اہل علم کی رائے ان کے مخالف تھی۔ جب ان سے کہا گیا کہ فقہاء کا اجماع خصوصاً خود آپ کا فقہی مذہب و مسلک تو اس کے مخالف ہے تو یہ (جسارت و جرأت سے) کہہ گئے میرے لیے فقہاء کے قول کی پابندی کرنا ضروری نہیں۔ان کی فقہی بے احتیاطی اور کم علمی کا ایک نمونہ ایک نکاح کا قصہ بھی ہے جو ہمیں فقیہ ابو طاہر صدر نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> ''ان صاحب نے ایک آدمی کا نکاح پڑھایا اور ایجاب و قبول میں یہ کہا کہ ''میں نے اپنے حق وکالت کے ذریعے اپنے فلاں بھائی کی بیٹی سے تمہارا نکاح کیا'' فقیہ کہتے ہیں: جب میری اس دولہے سے ملاقات ہوئی جس کا انہوں نے نکاح پڑھایا تھا تو میں نے اس سے کہا

تمہارا یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ چنانچہ نہ تو وہ عورت تمہاری بیوی ہے اور نہ تم اس کے قریب جا سکتے ہو کیونکہ جن صاحب نے تمہارا نکاح پڑھایا ہے انہوں نے نکاح کا ایجاب کراتے وقت تمہاری ہونے والی بیوی کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ صرف فلاں کی بیٹی کہہ دیا ہے کوئی تعیین نہیں کی، حالانکہ اس فلاں کی تو چار بیٹیاں تھیں، اب کیا پتہ کون سی بیٹی کے ساتھ تمہارا نکاح ہوا ہے۔ اس واقعے سے عام لوگوں کو بھی ان کی فقہ میں بے بضاعتی کا اندازہ ہو گیا اور انہیں اس بات پر تعجب بھی ہوا۔"

ایک محدث کا علمی لطیفہ

ان صاحب کے اس نکاح خوانی کے قصے سے مجھے ایک اور قصہ بھی یاد آ گیا۔ ہوا یوں کہ علی بن داود محدث رحمہ اللہ ایک دفعہ درس حدیث دے رہے تھے اور ان کے سامنے ایک ہزار کے قریب لوگ حدیث کا سماع کر رہے تھے اس دوران ایک عورت ان سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آ گئی اس نے عرض کیا میں نے اپنی چادر صدقہ کرنے کی قسم اٹھائی (یا نذر مانی) تھی اب کیا کروں؟ علی بن داود نے اس سے پوچھا تم نے وہ چادر کتنے میں خریدی تھی؟ وہ کہنے لگی ۲۲ (بائیس) درہم میں۔ علی بن داود نے کہا: جاؤ بائیس روزے رکھ لو۔ جب وہ عورت چلی گئی تو یہ کہنے لگے اوہو! ہم سے چوک ہو گئی۔ بخدا! ہم نے تو اسے کفارہ ظہار کا حکم دے دیا (بلکہ حقیقت کے اعتبار سے چوک میں بھی چوک ہو گئی کیونکہ بائیس روزوں کا حکم تو کفارہ ظہار کا بھی نہ تھا۔ وہ اس کو کفارہ اظہار سمجھ بیٹھے۔ اسی لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور سچ فرمایا ہے: "الفقهاء أعلم بمعاني الحديث"، یعنی حدیث کے مطالب و مقاصد اور علوم و معارف کو فقہاء بہتر جانتے ہیں۔ ایک دوسرے محدث فقہاء سے خطاب

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یا معشر الفقهاء نحن الصيادلة وانتم الاطباء، اے فقہاء کی جماعت! ہم محدث لوگ تو پنساری ہیں (جن کے پاس دوائیں تو رکھی ہیں لیکن ان کا استعمال نہیں جانتے) اور تم لوگ طبیب ہو۔

بے ادب بے نصیب

ان صاحب (یعنی عبدالمغیث حنبلی) کی قلت علم کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی قبر کے سرہانے اپنے لیے قبر کھدوائی۔ میں نے ان سے کہا: آپ کا یہ عمل تین خرابیوں پر مشتمل ہے:

۱۔ قبرستان کی اس زمین میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ کسی بھی شخص کے لیے (کسے باشد) اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنے دفن ہونے کے لیے جگہ خاص کرے۔ یہ تو مسجد کی طرح ہے جو پہلے آجائے گا وہ بیٹھنے کا حقدار ہوگا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات اور تدفین کو تین سو سال کے قریب کا زمانہ گذر گیا ہے اس دوران ان کی قبر کے آس پاس جگہ خالی تو نہیں رہی۔ لوگ تدفین کرتے رہے ہیں اور آس پاس قبریں بنتی رہی ہیں اور اس قبر کے آس پاس اب بھی بے شمار اوپر تلے قبریں ہیں۔ جس جگہ تم نے قبر کھدوائی ہے وہاں لامحالہ کسی مسلمان کی قبر ہوگی تمہیں اس کو کھولنے اور کھودنے کی ہمت کیسے ہوگئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كسرُ عظمِ الميت ككسره حياً.

ترجمہ: مردہ آدمی کی ہڈی توڑنا بھی ایسے ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا۔

میری یہ بات سن کر وہ صاحب کہنے لگے میں نے جگہ تو کھودی ہے لیکن مجھے کوئی ہڈی نظر نہیں آئی۔ میں نے کہا (یک نہ شد دو شد) یہی تو مصیبت ہے۔ اس جگہ اتنا طویل عرصہ گذرنے کی وجہ سے ہڈیاں سلامت حالت میں نہ سہی ان کا

برادہ اور چورا تو لا محالہ ہوگا اور وہ بھی ظاہر ہے قابل احترام ہے۔ بہر حال تمہارا یہ اقدام کسی طرح بھی درست نہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب تمہیں اس قبر میں دفن کیا جائے گا تو تمہارے پاؤں امام احمد رحمہ اللہ کے سر کے پاس ہونگے کیونکہ تمہارے پاؤں اور امام کے سر کے درمیان سوائے تختی کے اور کوئی حائل اور رکاوٹ نہیں اور ایسا ہونا ظاہر ہے بے ادبی ہے۔ تمہیں پتہ نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد مروذی رحمہ اللہ نے یہ وصیت کی تھی کہ مجھے امام کے سامنے دفن کرنا تاکہ میں جیسے زندگی میں ان کے سامنے بیٹھ کر زانوئے تلمذ تہ کیا کرتا تھا ایسے ہی مرنے کے بعد بھی اپنے استاذ کے قدموں میں جگہ پاؤں۔

بہر حال! میں نے اس طرح دلائل کے ساتھ اپنی بات ان کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے تعصب سے کام لیتے ہوتے اس پر کان نہ دھرا اور اپنی من مانی پہ قائم رہے۔

بے عقلی کا مظاہرہ

(آپ ان صاحب کی علم حدیث میں کم علمی اور علم فقہ میں بے بضاعتی تو ملاحظہ فرما چکے ہیں اب ان کی سوء فہم اور بے عقلی کا بھی مشاہدہ کیجئے)۔

مجھے فقیہ ابو البقاء محب الدین رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک دن حجۃ الاسلام ابن خشاب رحمہ اللہ کے پاس ہم دونوں یعنی میں اور عبد المغیث حنبلی اکٹھے بیٹھے تھے وہاں ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے کہ ایک صاحب نے عہد رسالت میں پیدل حج کی نذر مان لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الله غني عن تعذيب هذا نفسه.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات سے غنی اور بے نیاز ہے کہ یہ آدمی اپنے آپ

کو مشقت اور تکلیف میں ڈالے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اسے اس مصیبت میں ڈالنے سے کوئی سروکار نہیں وہ تو غنی ہے۔

یہ حدیث سن کر عبد المغیث صاحب کہنے لگے آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تکلیف دینے سے غنی ہے، حالانکہ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں کتنے ہی احکام کی تکلیف میں مبتلا کیا ہے۔

فقیہ ابو البقاء کہتے ہیں: ہمیں بہت تعجب ہوا کہ یہ صاحب کیسے ناسمجھ اور بے عقل ہیں کہ انہوں نے اپنے خیال میں تمام شرعی ذمہ داریوں اور احکام کی بجاآوری میں اللہ تعالیٰ کا مفاد اور اس کی غرض کو کارفرما سمجھ لیا ہے (یعنی اللہ گویا ہمیں احکامات دے کر نعوذ باللہ کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں یا اللہ کو ہمارے نماز روزے کی ضرورت ہے۔ سبحانہ وتعالی عما یصفون)

آمدم برسر مطلب

(باقی شواہد ایک طرف) ان کی علمی بے مائیگی، ناسمجھی اور عامیانہ تعصب کے اظہار کے لیے ایک ہی مثال کافی ہے اور وہ یہ کہ ان صاحب نے سبط پیمبر علیہ السلام صحابی رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں یزید کی طرفداری کی اور اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھ دی جس میں یزید کی حمایت وتائید کا بیڑا اٹھایا اور مجھ سے نالاں وشکوہ کناں ہوئے کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تائید وحمایت کیوں کی اور یزید کو برا بھلا کیوں کہا (گویا الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے)۔

ہمارے شیخ ابو الحسن ابن زاغونی نے نقل کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

ولو انی بلیت بهاشمی

خولته بنو عبد المدینی

صبرت علی عداوته ولکن

تعالوا فانظروا بمن ابتلاني

ترجمہ: اگر میری آزمائش کسی ایسے شخص سے ہوتی جو بنو ہاشم سے ہے اور اس کا ننھیال بنو عبد مناف ہے، تو میں اس کی دشمنی پر صبر کر لیتا، لیکن آؤ دیکھو! تم نے مجھے کس کی آزمائش میں ڈالا ہے۔

لعنتِ یزید کا مسئلہ

(جب عبد المغیث حنبلی کی طرف سے حمایت یزید میں رسالہ آیا اور جن صاحب نے مجھ سے اس کے جواب کا مطالبہ کیا تھا انہوں نے عبد المغیث کے بارے میں مذکورہ باتیں سنیں تو کہنے لگے) آپ ان صاحب کو چھوڑیے اور مجھے ہمارے زیر بحث اصل معاملے یعنی یزید کی مذمت کے حوالے سے صحیح موقف اور درست بات بتائیے۔ چنانچہ میں نے ان کی طلب کو دیکھتے ہوئے عرض کیا:

اگر یہ صاحب صرف اپنی بات میں اتنا ہی مؤقف اپناتے کہ ہمیں کسی کی مذمت اور لعن طعن میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے تو یہ بات ہمیں بھی تسلیم ہے (کیوں کہ اس کے علاوہ کام بہت ہیں، جو باعث اجر و ثواب بھی ہیں) اگرچہ بعض سلف سے یہ منقول ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے میرے قرآنی نسخے سے لا الہ الا اللہ کو نکالنا تو مجھے گوارا ہو سکتا ہے لیکن میں اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اس میں سے خدا کی طرف سے ابلیس پر ہونے والی لعنت نکالی جائے۔

لیکن بہر حال! ان صاحب کی طرف سے اگر محض اتنی بات ہوتی کہ چھوڑو بس! ہمیں اپنا وقت کسی کے لعن طعن اور مذمت میں ضائع نہیں کرنا چاہئے، تب تو برداشت ہو سکتی تھی، لیکن انہوں نے اس سے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے الٹا یزید کی مذمت اور اس پر لعنت کو جائز کہنے والوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان

کا اس طرح کرنا قابل برداشت نہیں ہو سکتا یہ تو نری کھلی کھلی جہالت اور بے علمی ہے کیونکہ قابل لعنت آدمی پر لعنت کرنے اور قابل مذمت آدمی کی مذمت کرنے کی بڑے بڑے علماء نے اجازت دی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اور مذمت یزید

ان علماء میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام بھی ہے۔ بلکہ یزید کے بارے میں تو امام احمد رحمہ اللہ نے لعنت سے بڑھ کر بھی بات ذکر فرمائی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے شاگرد مہنا بن یحییٰ رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام رحمہ اللہ سے یزید کے بارے میں استفسار کیا تو وہ فرمانے لگے:

هو الذي فعل بالمدينة ما فعل.

ترجمہ: مدینے میں سارا اسی کا تو کیا کرایا تھا۔

میں نے عرض کیا: کیا کیا؟ امام رحمہ اللہ نے فرمایا: اس نے مدینے میں لوٹ مار مچائی تھی (یہ اشارہ ہے مشہور واقعے (وقعہ حرہ) کی طرف جس کے بارے میں تفصیل آگے آئے گی)۔

مہنا رحمہ اللہ کہتے ہیں:

میں نے پھر امام رحمہ اللہ سے پوچھا کیا: ہم یزید سے روایتِ حدیث کر سکتے ہیں؟

امام احمد رحمہ اللہ نے بڑی سختی سے فرمایا:

"اس سے کوئی حدیث روایت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کے واسطے سے منقول کوئی روایت لکھنے کی کسی کو گنجائش ہے"

مہنا رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا:

جب مدینے کا یہ قصہ ہوا تو اس کے ساتھ کون لوگ تھے؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اہل شام اس کے ساتھ تھے۔

اسی طرح قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب "المعتمد فی الوصول" میں اپنی سند کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ کے صاحب زادے صالح بن احمد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ سے عرض کیا:

لوگ یہ مشہور کرتے ہیں کہ ہم یزید کے حمایتی اور طرف دار ہیں؟

والد صاحب رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا:

میرے بیٹے! کیا اللہ پر ایمان رکھنے والا کوئی آدمی یزید کی حمایت وطرف داری کر سکتا ہے؟

میں نے عرض کیا پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟

والد صاحب نے فرمایا تم نے مجھے کبھی کسی چیز پر لعنت کرتے دیکھا ہے؟ (یعنی باوجودیکہ بہت سی اشیاء واقعتاً لعنت کے قابل ہیں لیکن میں ان پر لعنت نہیں کرتا۔ چنانچہ میرے لعنت نہ کرنے سے ان چیزوں کا قابل لعنت نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہمارے زیر نظر معاملہ بھی ہے)۔

پھر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

جس شخص پر اللہ نے خود قرآن میں لعنت کر دی ہے وہ ملعون کیوں نہ ہوگا، اس پر لعنت کیوں نہ کی جائے؟ میں نے عرض کیا اللہ نے قرآن میں کس جگہ یزید پر لعنت کی ہے؟ امام احمد نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ. [محمد: 22، 23]

ترجمہ: تو پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو زمین میں فساد مچاؤ اور اپنے رشتے ناطے توڑ دو یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت اور ان کو بہرا اور آنکھوں سے اندھا کر دیا ہے۔

قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے لعنت کے مستحق لوگوں پر ایک پوری کتاب لکھی ہے اور

ان میں یزید کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ابو یعلی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں:

الممتنع من ذلک إما أن یکون غیر عالم بجواز ذلک أو منافقاً یرید أن یوهم بذلک.

ترجمہ: یزید پر لعنت کرنے سے دو ہی آدمی اجتناب اور احتراز کرتے ہیں۔ یا تو وہ آدمی جسے اس کے جائز ہونے کا علم نہ ہو یا وہ آدمی جو منافق ہو اور ایسا کرنے سے اس کے پیش نظر یہ ہو کہ وہ لوگوں کو چکر دے۔

بعض اوقات جاہل قسم کے لوگ لعنت یزید سے روکنے کے لیے اس حدیث کا بھی سہارا لیتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا: المؤمن لا یکون لعاناً کہ مؤمن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ لیکن (اس کا یہ مطلب نہیں کہ لعنت سرے سے جائز ہی نہیں کیونکہ یہ بات احادیث کے خلاف ہے جیسا کہ ابھی آگے آرہا ہے بلکہ) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ لعنت کے مستحق نہیں ان پر لعنت کرنا کسی مؤمن کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ (علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے "سبل السلام" میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو بکثرت لعن طعن کرتا ہو جیسا کہ "لعّان بروزن فعّال" کا لفظ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے۔ حاشیہ)

یہ ساری باتیں قاضی ابو الحسین رحمہ اللہ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تصنیف کی ہیں۔

احادیث سے لعنت کا جواز

واضح رہے کہ حدیث میں ایسے لوگوں پر لعنت آئی ہے جن کے عمل یزید کے کرتوتوں کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

لعن الله الواشمات والمتوشمات والمتنصمات.

ترجمہ: اللہ لعنت کرے جسم گودنے اور گدوانے والی عورتوں پر اور لعنت کرے اپنے چہرے کے بال اکھاڑنے والی عورتوں پر اور لعنت

کرے اپنے دانتوں میں محض زینت کے حصول کی خاطر فاصلہ بنوانے
والی عورتوں پر۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں: "لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة" کے الفاظ آتے ہیں۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی ذی روح چیز کو نشانہ بنانے والے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔

یہ تمام کی تمام احادیث ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ نے ان کو روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء.

ترجمہ: عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہو۔

اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جسم گودنے والیوں اور جسم گدوانے والی عورتوں پر، سود کھانے والوں اور سود کھلانے والوں پر اور تصویر سنائی کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ "مسلم شریف" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے اور اس کے گواہوں اور اس کی لکھت پڑھت کرنے والے، تمام لوگوں پر لعنت فرمائی۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ملعون ہے وہ آدمی جو اپنے باپ کو بُرا بھلا کہے، ملعون ہے وہ آدمی جو
اپنی ماں کو گالی دے، ملعون ہے وہ آدمی جو غیر اللہ کے لیے جانور ذبح

کرے، ملعون ہے وہ آدمی جو زمین کی حدود میں ردوبدل کرے، ملعون ہے وہ آدمی جو کسی اندھے کو راستہ سے بھٹکائے، ملعون ہے وہ آدمی جو جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اور ملعون ہے وہ آدمی جو سدومیت (لواطت) کا عمل کرے۔" (مسند احمد)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"شراب دس طرح کی لعنت کی موجب ہے:

۱۔ خود شراب پر لعنت ہے، ۲۔ اس کے پینے والے پر لعنت، ۳۔ اس کے پلانے والے پر لعنت، ۴۔ اس کے فروخت کرنے والے پر لعنت، ۵۔ اس کے خریدنے والے پر لعنت، ۶۔ اس کے نچوڑنے والے پر لعنت، ۷۔ اس کے نچڑوانے والے پر لعنت، ۸۔ اس کو اٹھانے والے پر لعنت، ۹۔ جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے اس پر لعنت، ۱۰۔ اس کی کمائی کھانے والے پر لعنت۔ (حوالہ بالا)

واضح رہے کہ اس طرح صریح الفاظ میں لعنت والی احادیث بے شمار ہیں جیسے لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے آقاؤں کے علاوہ دیگر لوگوں سے رشتہ ولاء استوار کرے (مسند احمد) اور لعنت ہو قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر وغیرہ وغیرہ۔ (ان احادیث کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنے اتنے گناہوں پر لعنت ہو سکتی ہے تو یزید پر کیوں نہیں ہو سکتی؟)

زیر نظر رسالے کی ترتیب

(لعنت کے جواز کے متعلق تمہیدی باتیں عرض کرنے اور ان صاحب یعنی عبدالمغیث حنبلی کا تعارف کرانے کے بعد اب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف آتے ہیں)۔ پیش آمدہ سطور میں ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے یزید کے ذاتی حالات، اس کی

حکومت اور دورِ حکومت میں رونما ہونے والے واقعات وسانحات کا تذکرہ ہوگا جن سے انداز ہوگا کہ یزید کی مذمت کی جانی چاہیے۔ یہ حالات وواقعات ابو بکر بن ابی الدنیا، طبقات ابن سعد اور امام ابو جعفر طبری وغیرہ کی ذکر کردہ روایات سے لیے گئے ہیں۔ اولاً یہ حالات ہونگے اور پھر اس کے بعد ہمارے موصوف کی طرف سے یزید کی حمایت ونصرت اور تعریف وتوصیف میں پیش کیے گئے دلائل کا جائزہ لیا جائے گا۔ (واللہ المستعان)

ویسے ایک بات قابل غور ہے کہ آدمی ہمیشہ اسی کی خیر خواہی اور حمایت کرتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے۔ ان صاحب نے یزید کی خیر خواہی کی ہے جو یزید کے ساتھ ان کی محبت کی آئینہ دار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''المرء مع من أحب'' آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے۔

(اللہ ہمیں نیک لوگوں محبت نصیب فرمائے اور برے لوگوں کی محبت سے بچائے۔ آمین)

یزید کی جانشینی کی مہم

سن ۵۶ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے بعد یزید کی بیعت کا کہا اور اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کوفہ میں جا کر یزید کی بیعت کے لیے کام کریں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک تحریر طلب کی جس میں ان کی موت کی صورت میں یزید کی ولی عہدی اور جانشینی کا ذکر پڑھ کر سنایا گیا۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی ''طبقات'' میں نقل کیا ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا میں ایک بات کرنے والا ہوں تم اس کی تردید اور انکار نہ کرنا ورنہ میں تمہیں قتل کر دونگا۔ پھر انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور یہ باور کرایا کہ ان مذکورہ لوگوں نے یزید کی جانشینی قبول کر لی ہے۔ اس موقع پر یہ حضرات خاموش رہے نہ انہوں نے اقرار کیا اور نہ ہی (ضرر کے اندیشے سے واضح) انکار کیا۔

اسی طرح زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اس بیعت کے مطالبے کو مدینہ منورہ بھی بھیجا لیکن اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہم مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ آئے اور مکہ میں آکر انہوں نے ان حضرات کو طلب کیا اور پھر منبر پر چڑھے۔ ان حضرات کا عذر بیان کیا اور لوگوں کو یہ بتایا کہ انہوں نے (گویا) بیعت کر لی ہے۔ اس موقع پر شام کے کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے کہا آپ ہمیں اجازت دیں ہم ان کی (معاذاللہ) گردنیں اڑا دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا میں تمہارے منہ سے یہ بات دوبارہ ہرگز نہ سنوں۔

یزید کی ولی عہدی اور نصائح

جب سن ساٹھ ہجری کی ابتداء ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کے ہمراہ آنے والے وفد سے اپنے بیٹے یزید کے لیے باقاعدہ بیعت لی اور اپنے مرض الوفات میں یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور خود یزید کو یہ نصیحت کی:

میرے بیٹے! میں نے تمہارے لیے تمام امور درست کر دیے ہیں بس

اب مجھے تمہاری حکومت کے بارے میں چار آدمیوں کے علاوہ کسی سے خدشہ نہیں اور وہ چار آدمی یہ ہیں: ۱۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہ ۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۳۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ۴۔ عبدالرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ ان چاروں میں سے عبداللہ بن عمر تو ایسے آدمی ہیں جو عبادت ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ جب دیگر لوگ بیعت کر لیں گے تو یہ بھی کر لیں گے۔ باقی رہے حسین رضی اللہ عنہ تو ان کے بارے میں یہ قوی گمان ہے کہ اہل عراق انہیں خروج پر آمادہ کیے بغیر نہیں رہنے دیں گے۔ بہر حال اگر وہ تمہارے خلاف خروج کریں اور تمہیں ان پر غلبہ اور قابو حاصل ہو جائے تو ان سے در گزر کرنا کیونکہ ان کی رشتہ داری بہت قریب کی ہے۔ اسکے علاوہ تیسرے عبدالرحمان بن ابو بکر ہیں لیکن ان کی فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ان کو عورتوں اور غیر ضروری مشاغل کے علاوہ کوئی اور کام نہیں۔ ان کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ان کے دوسرے ساتھیوں نے بیعت کر لی تو وہ بھی کر لیں گے۔ بس ان چاروں میں زیادہ خطرناک ابن زبیر ہے۔ شیر کی سی گھات لگائے گا، اور لومڑی کی طرح ہوشیاری سے چکر دے گا۔ اس کو جونہی فرصت ملے گی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ اگر یہ ایسا کام کرے اور تم اس پر غلبہ پالو تو پھر اس کے ساتھ نرمی نہ کرنا بلکہ اس کو پاش پاش کر دینا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

لولا هواي في يزيد لابصرت رشدي.

اگر میری یزید کے ساتھ محبت نہ ہوتی تو میں اپنی رہنمائی کی چیز دیکھتا۔

(نوٹ؛ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت ایسی روایات کے بارے میں اصولی بات مقدمے میں "تنبیہ" کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں)

یزید کی تخت نشینی اور بیعت کا مطالبہ

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو یزید اس وقت دار الحکومت میں موجود نہیں تھا۔ جب وہ آیا تو اس کی بیعت کی گئی۔ اس موقع پر اس نے اپنے مدینہ کے گورنر (ولید) کو خط لکھا کہ حسین عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی کے ساتھ بیعت کا مطالبہ کرو۔ جب تک بیعت نہ کر لیں تب تک کوئی رخصت اور چھوٹ نہیں۔ ولید نے یہ حکم نامہ پہنچتے ہی مروان کو بلا بھیجا اور اس سے اس بارے میں مشورہ کیا مروان نے کہا میرا خیال یہ ہے تم ابھی فوراً ان لوگوں کو بلاؤ اور ان سے بیعت کا مطالبہ کرو۔ اگر بیعت کر لیں تو فبہا ورنہ ان کے سر تن سے جدا کر دو ۔ چنانچہ ولید نے سب سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: سب لوگوں کو بلاؤ اور ان میں ہمیں بھی بلاؤ میں تنہائی میں اور چھپ کر بیعت نہیں کرونگا۔ اتنی بات کہہ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے آئے۔ ان کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا جواب دیا کہ جب دیگر لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا اور اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہو گئے۔ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو کل کا وعدہ دیا اور خود رات ہی کو مکہ چلے گئے۔ اس موقع پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یزید نے اس بات کی قسم اٹھائی ہے کہ تمہاری طرف سے اسے کچھ بھی قبول نہیں یہاں تک کہ تمہیں چاندی کی بیڑی میں باندھ کر لایا جائے لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کو اہمیت نہ دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی

اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر اپنے اہل خانہ سمیت مکہ مکرمہ آ گئے۔ دوسری طرف اہل کوفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ

ہمارے ہاں تشریف لے آیئے اور یہ بھی کہا کہ ہمارے پاس ایک لاکھ آدمی آپ کی حمایت کے لیے موجود ہیں۔ یونس بن اسحاق سے منقول ہے کہ جب کوفہ والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے ہیں اور انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے تو اہل کوفہ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا اور سلمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ اور شہر کے بڑے بڑے شرفاء نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بہت سے خط لکھے اور یہ لکھا کہ ہم یزید کی بیعت ختم کر دیں گے۔ ان لوگوں نے خط میں یہ لکھا کہ لوگ آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ آپ کے ذریعے ہمیں حق پر جمع فرمائیں گے اور آپ کے واسطے سے ہم لوگ ظلم سے نجات پائیں گے۔ آپ یزید کے مقابلے میں امارت و خلافت کے زیادہ مستحق اور اہل ہیں۔ یزید نے تو پوری امت کا حق غصب کیا ہے اور امت کے بہترین افراد کو قتل کیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو طلب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ آپ کوفہ جاؤ اور حالات دیکھو اگر وہاں لوگوں کا اجتماع اور اتفاق معلوم ہو تو مجھے مطلع کرو۔

اہل سیر و تاریخ لکھتے ہیں: جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو کوفے بھیجا تو یہ خبر یزید کو پہنچ گئی اس نے فوراً کوفہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد کو بنا دیا اور اسے خط لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ عراق کو چلے ہیں اب تم محتاط ہو جاؤ اور اپنے جاسوس اور مسلح ستے متعین کر دو اور خوب چوکنا رہو ہلکے سے گماں پر بھی بندش لگاؤ اور اور بد عنوانی پر گرفت کرو۔

دوسری طرف مسلم بن عقیل رحمہ اللہ نے کوفہ پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا

کہ تیرہ ہزار آدمیوں نے میری بیعت کرلی ہے بس اب آپ جلدی کیجئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ خبر پاتے ہی چل پڑے۔ ادھر عبید اللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو شہید کر دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے سے پہلے آگے آگے قیس بن مسہر کو حضرت مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کی طرف ان کی شہادت کی خبر ملنے سے قبل قاصد بنا کر بھیجا۔ ابن زیاد نے قیس بن مسہر کو گرفتار کرلیا اور ان سے کہا تم لوگوں کے سامنے آؤ اور اس کذاب بن کذاب جھوٹے باپ کے جھوٹے بیٹے یعنی حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہو۔ قیس بن مسہر منبر پر چڑھے اور انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

> اے لوگو! میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پتھریلی زمین پر چھوڑ کر آرہا ہوں اور میں ان کی طرف سے تمہارے لیے قاصد ہوں جو مدد طلب کرنے آیا ہوں۔

عبید اللہ بن زیاد نے یہ بات سن کر حکم دیا کہ ان کو محل سے نیچے گرادو۔ چنانچہ انہوں نے اس طرح جان سپردِ جان آفریں کی۔

میدان کا رز ارمیں

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن ان کے ساتھ بنو عقیل کے پانچ آدمی تھے جنہوں نے یہ عرض کیا آپ واپس جائیں گے جب کہ ہمارے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سفر شروع کیا، یہاں تک کہ انہیں کوفہ کا لشکر ملا۔ آپ نے ان سے فرمایا میں تو تمہارے خطوں کی وجہ سے ہی تمہارے پاس آیا ہوں انہوں نے جواباً کہا: ہمیں نہیں پتہ آپ کیا کہتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس موقع پر کربلا کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ آپ

کے قافلے میں پینتالیس گھڑ سوار اور سو پیادہ لوگ تھے۔

عبید اللہ بن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملے کی ذمہ داری عمر بن سعد کو سونپی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بات کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے تین باتیں رکھیں:

(۱) مجھے چھوڑ دو میں اسلامی سرحدوں پر موجود فوج کے پاس چلا جاؤں۔

(۲) مجھے جہاں سے میں آیا ہوں یعنی مکہ وہاں جانے دو۔

(۳) مجھے خود یزید کے پاس جانے دو۔

عمر بن سعد نے یہ بات عبید اللہ بن زیاد کے سامنے رکھی تو اس نے کہا: نہیں بالکل نہیں اور کوئی عزت و شرف کا معاملہ نہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدے اور اگر وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا تو پھر جنگ کرو۔ اگر جنگ میں وہ مارا جائے تو گھوڑوں سے اس کا سینہ روندو اور یہ شعر پڑھو:

الآن حين تعلقته حبالنا

يرجو الخلاص ولات حين مناص

ترجمہ: اب جب کہ وہ ہمارے شکنجے میں پھنس گیا ہے، نکلنے کی توقع رکھتا ہے جبکہ چھٹکارے کا وقت گذر چکا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر دی گئی تو انہوں نے فرمایا میں تو کبھی اپنا ہاتھ (یزید کے گورنر) عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھ میں دینے والا نہیں۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: رات کے اندھیرے میں تم منتشر ہو جاؤ یعنی جو جہاں جانا چاہے چلا جائے اور مجھے بس اکیلا چھوڑ دو۔ ساتھیوں نے کہا بخدا! یہ نہیں ہو سکتا ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے جو کچھ تکلیف آپ کو پہنچے گی وہ ہمیں بھی پہنچے گی۔ اس دوران کوفی لشکر پانی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کے درمیان حائل ہو گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے

اس موقع پر ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! کیا تمہارے لیے مجھے قتل کرنا روا ہے؟ کیا میرا خون تمہارے لیے حلال ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا یعنی نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ اور کیا میں تمہارے نبی کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا بیٹا نہیں ہوں؟ اور کیا تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم نہیں کہ جس میں انہوں نے میرے اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں؟ اگر تم ان سب باتوں کو جانتے ہو تو ٹھیک، ورنہ جابر بن عبداللہ، ابو سعید اور زید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) سے پوچھ لو۔

یہ باتیں سن کر شمر نے کہا اگر مجھے یہ سب باتیں معلوم بھی ہوں تب بھی میں ان لوگوں میں سے ہوں جو پورے پورے داخل اسلام ہو کر نہیں بلکہ ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں (یعنی میں تو بے پیندے کا لوٹا اور مفاد پرست یعنی منافق آدمی ہوں جہاں سے مفاد پورا ہوتا نظر آئے اسی کے ساتھ ہوں۔)

اس موقع پر عمر بن سعد نے سب سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر پر تیر چلایا۔ پھر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ لڑائی کے لیے یہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے:

أنا علي بن الحسين بن علي

نحن وبيت الله أولى بالنبي

من شمر وعمر وابن الدعي

ترجمہ: میں علی بن حسین ہوں، ہم لوگ رب کعبہ کی قسم شمر، عمر اور ابن دعی[10] کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور زیادہ

10 ۔ دعی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مشتبہ النسب ہو۔ ابن زیاد کو ابن دعی اس لیے کہتے تھے کہ اس کے والد زیاد کا نسب مختلف فیہ تھا کیونکہ وہ ایک ایسی باندی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعلق رہا تھا یہ ایک قسم کا نکاح

حقدار ہیں۔

مخالف لشکر کے ایک آدمی نے ان کو نیزہ مارا اور شہید کر دیا۔ یہ علی اکبر کے نام سے معروف ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک بچہ آپ کی گود میں آکر بیٹھا۔ ادھر سے ایک آدمی نے تیر مارا تو وہ بچہ اسی وقت موت کی آغوش میں چلا گیا۔

نواسہ رسول ﷺ کی المناک شہادت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی مانگا جب پانی لایا گیا اور آپ پینے لگے تو حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک پر لگا اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے خون صاف کرنے لگے۔ اسکے بعد یکے بعد دیگرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ اور ساتھی شہید ہوتے گئے یہاں تک کہ مردوں میں سے صرف آپ رضی اللہ عنہ اکیلے بچ گئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ مسلسل لڑتے رہے یہاں تک کہ زرعہ بن شریک نے آپ کے کندھے پر وار کیا اور ایک دوسرے آدمی نے دوسرے کندھے پر وار کیا۔ سنان بن انس نے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے حلق سے نیچے ہنسلی کی ہڈی پر نیزہ مارا پھر دوسرا نیزہ آپ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر گئے وہ (بدبخت) بھی نیچے اترا اور آپ رضی اللہ عنہ کو ذبح کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا سر تن سے جدا کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر خولی بن ولید نے جدا کیا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم میں ۳۳ گہرے زخم تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر ایک سو دس کے قریب تیروں کی وجہ سے سوراخ تھے۔

ہوتا تھا۔ ایک عرصہ تک اس کا نسب گمنامی میں رہا، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا نسب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ ثابت مانا اور انہیں اپنا بھائی قرار دیا۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق)

اس کے بعد ان (بدبختوں) نے آپ رضی اللہ عنہ کے کپڑے اور مال و متاع لوٹا، آپ کی تلوار قلافس نہشی نے لی، آپ رضی اللہ عنہ کے کپڑے بحر بن کعب نے اتارے اور (ظالم) نے آپ کو بے لباس کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ کی چادر پر قیس بن اشعث نے قبضہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا عمامہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کی اوڑھنی جابر بن یزید نے اتاری اور ایک دوسرے (بدبخت) نے ان کا زیور لیا۔ اس کے بعد عمر نے یہ اعلان کیا کہ جو حسین کا سر لائے گا اسے ایک ہزار درہم انعام ملے گا، پھر اس نے کہا حسین کے جسم کو اپنے گھوڑے کے سُموں سے کون روندے گا؟ یہ سن کر بہت سارے (بدبخت) گھوڑے لے کر دوڑ پڑے اور آپ کی کمر مبارک کو کچل ڈالا۔ عمر نے آپ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیجا اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شہداء کے پاس سے گذرے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے:

یا محمداہ! یا محمداہ! [11] هذا حسين بالعراء مزمل بالدماء مقطع الأعضاء يا محمداہ! وبناتک سبايا وذريتک قتلى تسفي عليهم الصبا يامحمداہ! يامحمداہ!

ترجمہ: یہ آپ کا حسین خون سے لت پت بے گور و کفن پڑا ہے، جسم بوٹی بوٹی ہو چکا ہے۔ یامحمداہ، آپ کی بیٹیاں قیدی بن چکی ہیں۔ آپ کی ذریت اور آل اولاد مقتول پڑی ہے اور ہوا ان پر خاک اڑا اڑا کر ریت و مٹی کے کفن دے رہی ہے۔

---

11 ۔یامحمداہ! یامحمداہ! نبوت کے جوامع الکلم اور بابِ علم کے خون سے نشو نما پانے والی اس فصیحہ کے ان الفاظ کا ترجمہ ممکن نہیں، زبان و قلم بے بس ہیں۔ قریب قریب مفہوم کچھ یوں ہے: (ہائے نانا! آ کے دیکھو تو سہی کیا قیامت بیت گئی!)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ سن کر اپنے پرائے سب ہی رو پڑے۔

عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو پہلے کوفہ میں گھمایا جائے اور پھر اس کو سولی دی جائے۔ زر بن حبیش کہتے ہیں سولی کی لکڑی پر سب سے پہلے چڑھنے والا سر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مشہور تابعی حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا اور اسے ایک تھال میں رکھا گیا تو عبید اللہ بن زیاد اپنی چھڑی سے اس کو ٹھوکریں مارنے اور کریدنے لگا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کے بارے کوئی نازیبا کلمہ کہا۔ اس موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کے بالوں میں وسمہ رنگ لگا تھا یعنی سیاہی مائل رنگ سے رنگے ہوئے تھے (صحیح بخاری)۔

ایک دوسری روایت میں علی بن زید رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

"جب ابن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ ابن زیاد اپنے ہاتھ میں ایک چھڑی لیے آپ کے دانتوں کو کرید رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا مکھڑے تو اچھے تھے اسکے، میں نے اس سے کہا بخدا! میں تیرے لیے ایک ناگوار بات کرتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری اس چھڑی والی جگہ یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں اور دانتوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے"۔ (معجم کبیر، مجمع الزوائد، بزار، نے ثقہ راویوں پر مشتمل سند کے ساتھ یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ حاشیہ)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن سہیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ دونوں عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے اس وقت ابن زیاد اپنی چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ناک اور آنکھوں پر مار رہا تھا اور اس سے وہ آپ رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک پر کچوکے لگا رہا تھا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا:

"اپنی چھڑی ہٹا لے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہونٹ بالکل اسی جگہ پر رکھے ہوئے تھے جہاں تیری چھڑی ہے۔"

ابن زیاد نے یہ سن کر صحابی رسول رضی اللہ عنہ سے کہا تو بڈھا ہے، سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل ٹھکانے نہیں ہے (اس لیے (نعوذ باللہ) ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے) حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے ایک اور واقعہ سناتا ہوں جو تیرے لیے اس سے بھی زیادہ سخت اور شاق ہوگا:

"میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہوا ہے کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی بائیں ران پر بٹھایا، پھر آپ نے ان دونوں کے نرم تالو پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

اللهم إني أستودعك إياهم وصالح المؤمنين. (طبراني)

"اے اللہ! میں اپنی اس امانت کو تیرے اور نیک مسلمانوں کے حوالے کرتا ہوں۔"

(اے ابن زیاد) اب تم دیکھ لو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مکالمہ

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ازد قبیلے کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور آپ رضی اللہ عنہ کے بچے، عورتیں اور بہنیں

ابن زیاد کے پاس آئیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے جسم پر معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے تھے جن کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جارہی تھیں اور عورتیں ان کے آس پاس جمع تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مطلق جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس نے یہ بات تین دفعہ دہرائی اور تینوں دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بالکل جواب نہ دیا۔ اتنے میں کسی عورت نے کہا یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی زینب ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد نے کہا:

شکر ہے اس اللہ کا جس نے تمہیں رسوائی دی، تمہیں قتل کیا اور تمہاری باتوں کو جھوٹا ثابت کیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا:

الحمد لله الذي أكرمنا بمحمد وطهرنا تطهيرا لا ما تقول إنما يفتضح الفاسق ويكذب الفاجر.

ترجمہ: شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے عزت بخشی اور ہمیں (اعمال واخلاق کی) پاکیزگی عطا فرمائی۔ تو غلط کہتا ہے، رسوا تو وہ ہوتا ہے جو فاسق اور خدا کا نافرمان ہو اور جھوٹا وہ ہوتا ہے جو خدا سے بغاوت کرے۔

پھر ابن زیاد نے کہا: اپنے گھر والوں کے ساتھ خدا کی کرنی کیسی لگی؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا:

كتب عليهم القتل فبرزوا إلى مضاجعهم وسيجمع الله بينك وبينهم فتتحاكمون عنده.

ترجمہ: ان کے مقدر میں شہادت لکھی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی اپنی منزل کو سدھار گئے۔ اب اللہ تمہیں اور ان کو اپنی عدالت میں جمع کرے گا وہاں اس کے دربار میں تمہارا فیصلہ ہوگا۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں حمید بن مسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ

عبید اللہ بن زیاد نے واقعہ کربلا کے بعد ہم لوگوں سے خطاب کیا اور اس میں یہ کہا:

"شکر ہے اس خدا کا جس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیر المومنین (یزید) اور اسکے گروہ کو مدد سے نوازا اور کذاب بن کذاب جھوٹے باپ کے جھوٹے بیٹے (یعنی حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ) اور اس کے حامیوں اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

اسی دوران عبداللہ بن عفیف ازدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ابن زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابن مرجانہ! کذاب بن کذاب اور جھوٹوں کا سردار تو، تو ہے اور تیرا باپ ہے اور وہ شخص ہے جس نے تجھے گورنر بنایا (یعنی یزید)۔

جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس جب شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبر پہنچی تو اتنا روئے کہ آپ کے شانے پھڑکنے لگے اور آپ نے فرمایا:

وا ذُلّاہ لأمة قتل ابن دعیها ابن نبیها.

ترجمہ: اس امت کی پستی کا بھی کیا ٹھکانہ ہے جس کے ابن دعی نے ابن نبی کو قتل کر دیا۔ (یعنی مجہول النسب زادے نے نبی زادے کو قتل کر دیا)

اور حضرت ربیع بن خیثم رحمہ اللہ نے فرمایا:

انہوں نے ایسے بچوں کو قتل کیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے آتے تو ان بچوں کو گلے سے لگاتے۔

اوپر مذکور سارے واقعات اور کاروائیوں کے بعد ابن زیاد نے زحمر بن قیس کو بلایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے سارے ساتھیوں کے سر دے کر اسے یزید کے دربار میں بھیجا۔ اس کے بعد یزید نے یہ پیغام بھیجا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مال ومتاع اور بچے کھچے اہل خانہ کو بھی میرے ہاں پہنچاؤ۔

ابو الوصنی سے مروی ہے کہ جس اونٹ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور انکے رفقاء

کے سروں کو رکھ کر لے جایا گیا وہ اونٹ جب ذبح کیا گیا تو وہ لوگ اس کا گوشت نہ کھا سکے کیونکہ وہ ایلوے سے زیادہ کڑوا تھا۔

جب یہ سر یزید کے دربار میں پہنچے تو اس نے مجلس قائم کی اور شام کے بڑے بڑے معزز اور معتبر لوگوں کو بلایا اور انہیں اپنے پاس بٹھایا پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو اپنے سامنے رکھا اور چھڑی سے ان کے منہ پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ میں یہ شعر کہہ رہا تھا:

نفلق هاما من رجال أعزة

علينا وهم كانوا أعق وأظلما

ترجمہ: ہم اپنے مقابلے پہ آنے والے لوگوں کی کھوپڑیوں کو پھاڑ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ نافرمان اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔
(معجم کبیر، مجمع الزوائد)

ابن ذوئب خزاعی کی روایت میں بھی یہ قصہ بعینہ مذکور ہے۔ اور ابن ابی الدنیا نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے:

"میں اس وقت یزید کے پاس تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا۔ یزید ایک نیزے یا نرکل سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ ہی مذکورہ بالا شعر پڑھ رہا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس سے کہا اپنی لاٹھی اٹھالے۔ اس نے کہا: تو مجھے منع کرتا ہے؟

میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی بائیں ران پر بٹھا رکھا تھا اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر اور بایاں ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھا ہوا

تھا اور آپ ﷺ یہ کلمات ارشاد فرما رہے تھے:

اللهم إني أستودعكهما وصالح المؤمنين.

"اے اللہ! میں اپنی یہ امانت تیرے اور نیک ایمان والوں کے حوالے کرتا ہوں۔"

پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یزید سے کہا:

اے یزید! تو نے رسول اللہ ﷺ کی اس امانت کی کیسی پاسداری کی؟

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ہی یہ بھی روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس لایا گیا تو اس وقت حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس تھے یزید اپنی چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے اور منہ پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ میں مذکورہ شعر دہرانے لگا تو حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا:

"اپنی چھڑی اٹھالے بخدا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس منہ پر منہ رکھ کر بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ (طبری، کامل، البدایہ)

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے سالم بن حفصہ سے روایت کیا ہے انہوں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا: ہائے کیا پستی اور ذلت ہے! یزید رسول اللہ ﷺ کے منہ لگانے کی جگہ پر چھڑیاں مار رہا ہے۔ اس کے فوراً بعد ہی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے یہ شعر کہا:

سمية أمسى نسلها عدد الحصى

وبنت رسول الله ليس لها نسل

ترجمہ: سمیہ (باندی زیاد کی ماں اور ابن زیاد کی دادی) کی نسل (یعنی ان کے مخوار اور حمایتی) سنگریزوں کے برابر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ام حسین رضی اللہ عنہ) کی نسل کوئی نہ رہی۔"

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب یزید کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا

سر لا کر اس کے سامنے رکھا گیا، تو اس نے درج ذیل دو شعر بطور تمثل اور استشہاد کے پڑھے:

لیت أشیاخي ببدر شهدوا
جزع الخزرج من وقع الأسل
فاهلوا واستهلوا فرحا
ثم قالوا لي بغیب لا تشل

ترجمہ: کاش کہ میرے بدر والے آباء واجداد نیزوں کی ضرب کی وجہ سے خزرج کی جزع اور چیخ وپکار کو دیکھتے، تو اس موقعے پر وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے اور پھر مجھے مبارک دیتے اور یہ کہتے کہ شاباش! ناکام نہ ہونا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ان اشعار کی وجہ سے یزید منافق ہو گیا۔ پھر خدا کی قسم اس کے حلقے اور لشکر میں جتنے بھی لوگ تھے سب نے اسے اس بات پر لعن طعن اور ملامت کی۔

اشعار کا پس منظر:

یہ اشعار درحقیقت ابن زبعری (جو پہلے غیر مسلم تھے اور فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، ان) کے ہیں اور اصل اشعار اس طرح ہیں:

لیت أشیاخي ببدر شهدوا
جزع الخزرج من وقع الأسل
حین ألقت بقباء برکها
واستحر القتل في عبد الأشل
وقتلنا الضعف من ساداتهم
وعدلنا مثل بدر فاعتدل

ترجمہ: کاش کہ بدر میں مرنے والے میرے معزز سردار احد کے
موقع پر نیزوں کی ضرب سے انصار کی چیخ وپکار سنتے۔
وہ وقت کیا تھا جس وقت قباء میں اونٹنی بیٹھ چکی تھی اور عبدالاشل میں
خونریزی زوروں پر تھی۔
ہم نے ان کی دوگنے سردار قتل کیے اور ہم نے بدر والے ادھار کا
حساب پورا پورا تول کر چکادیا ہے۔

ان اشعار کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں نے بدر میں مشرکین مکہ کے بہت سے لوگ قتل کئے اور مشرکین مکہ نے احد میں بہت سے لوگ شہید کیے۔ اس تناظر ہی میں ابن زبعری نے یہ اشعار کہے۔ قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کے موقع پر یزید نے کچھ ترمیم کے ساتھ ان اشعار کو پڑھا تھا۔ یزید کی بے شرمی اور ڈھٹائی کے لیے اور سب باتوں سے قطع نظر اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے ایسے موقع پر کہے گئے اشعار کو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ دربار یزید میں:

پھر یزید نے علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کو اور آپ کے ساتھ موجود عورتوں اور بچوں کو بلایا۔ یہ لوگ (قیدیوں کی طرح) رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ اس کے پاس آگئے تو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے اس سے کہا:

یزید! تمہارا کیا خیال ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یوں رسیوں سے
بندھے ہوئے دیکھ لیں تو آپ کے دل پر کیا گذرے گی کیا آپ کا دل
پسیج نہیں جائے گا؟

یزید نے جواب میں کہا:

اے علی! تمہارے باپ نے ہی اس رشتے کو ختم کیا ہے اور میری حکومت میں دخل اندازی کی ہے چنانچہ اللہ نے اس کے ساتھ وہ کچھ کیا جو تمہارے سامنے ہی ہے۔

اس کے بعد یزید نے عورتوں اور بچوں کو طلب کیا، وہ سب اس کے سامنے لا کر بٹھائے گئے۔ اس دوران ایک شامی نے کہا اے امیر المومنین (یزید) یہ بچی یعنی فاطمہ بنت علی مجھے (بطور باندی) تحفہ دیدیں۔ اس کی یہ بات سن کر صاحبزادی نے یہ سمجھکہ شاید یہ ایسا ہی کریں گے چنانچہ انہوں نے خوفزدہ ہو کر اپنی بڑی بہن حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے کپڑے پکڑ لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس شامی سے کہا:

کذبت واللہ ماذلک لک ولا لہ.

تو نے جھوٹ کہا ہے بخدا! نہ تو تو یہ کام کر سکتا ہے اور نہ ہی یہ یزید۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر یزید غصے میں آگیا اور کہنے لگا:

تم غلط کہتی ہو یہ بات میرے اختیار میں ہے اور اگر میں یہ کرنا چاہوں تو کر دونگا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ بات سن کر فرمایا:

کلا واللہ ماجعل ذلک لک إلا أن تخرج من ملتنا أو تدین بغیر دیننا.

"ہر گز نہیں بخدا! تمہیں اس بات کا قطعاً اختیار نہیں۔ ہاں اگر تم ملت اسلام سے نکل جاؤ یا کوئی دوسرا دین اپنالو تو پھر ہو سکتا ہے۔" (طبری، کامل، بدایہ)

اہل خانہ کی مدینہ منورہ آمد:

پھر یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو عمرو بن سمیہ بن عاص کے پاس بھیج دیا جو کہ

اس وقت کا مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ اس نے سر کو پکڑا اور اپنے سامنے رکھا اور آپ کے ناک کو ہاتھ سے پکڑا پھر اسے دفن کرنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ سر مبارک کو کفن دیا گیا اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب دفن کر دیا گیا۔

(طبقات ابن سعد)

سر مبارک کے بارے میں یہ روایت "طبقات ابن سعد" کی ہے۔ البتہ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے اپنی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ لوگوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے خزانے سے ملا تھا جس کو انہوں نے کفن دیا اور دمشق ہی میں باب الفرادیس کے پاس دفن کر دیا۔ لیکن ان دونوں روایتوں میں سے قابل اعتماد اور صحیح روایت "طبقات ابن سعد" کی ہی ہے کیونکہ اس کے راوی قابل اعتماد ہیں اور ابن ابی الدنیا کی روایت میں دو راوی یعنی عثمان بن عبدالرحمان اور محمد بن عمر، محدثین کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

ابو جعفر سے مروی ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو بنو عبدالمطلب کے (یعنی ہاشمی) خاندان کی ایک عورت اپنے بال کھولے اور اپنے بازو سر پر رکھے ہوئے باہر نکلی اور روتے ہوئے یہ شعر پڑھنے لگی:

ما ذا تقولون إن قال النبي لكم
ما ذا فعلتم وأنتم الآخر الأمم
بعترتي وبأهلي بعد مفتقدي
منهم أسارى وقتلى (ضرجوا) بدم
ما كان هذا جزائي إذ نصحت لكم
أن تخلفوني بسوء في ذي رحمي

ترجمہ: اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تم سے سوال کر لیا کہ اے میری آخری امت! تم نے یہ کیا کیا؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ میرے جانے کے بعد میری عترت اور میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا، کچھ قیدی ہیں اور کچھ خون میں نہلا دیے گئے ہیں۔ میری تم سے (عمر بھر کی) خیر خواہی کا کیا یہی صلہ تھا کہ تم میرے قرابت داروں کے ساتھ میرے بعد یہ برا سلوک کرتے!!۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

لو كنت ممن شايع على قتل الحسين ثم قيل لي ادخل الجنة لأستحييت أن يراني رسول الله وقد فعلت ما فعلت.

ترجمہ: اگر (خدانخواستہ) میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والوں میں شامل ہوتا اور مجھے یہ کہا جاتا کہ جاؤ جنت میں چلے جاؤ، تو مجھے (جنت میں جانے سے یہ بات مانع ہوتی اور مجھے) شرم آتی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں دیکھیں گے حالانکہ میں ایسا کام کر کے آرہا ہوں۔

(تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، مجمع الزوائد)

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے یہ فرمایا:

قتلوه ملأ الله قبورهم وبيوتهم ناراً.

ترجمہ: ان لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے۔

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ (تہذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء)

عمار بن ابو عماد سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے دوپہر کے وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا آپ کی حالت

پراگندہ اور بال بکھرے اور گرد آلود تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی میں نے عرض کیا (یارسول اللہ!) یہ شیشی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسی دن سے جستجو جاری رکھی حتی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ بالکل اسی دن (جس دن مجھے خواب آئی تھی) حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ (مسند احمد)

یزید کی بدنیتی اور ڈھٹائی:

اس سارے معاملے میں عمر بن سعد اور عبید اللہ بن زیاد کے کیے پر تعجب اور شکوہ نہیں، تعجب تو یزید کی رسوائی اور ڈھٹائی پر ہے کہ:

(۱)۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دندان مبارک پر چھڑی ماری۔

(۲)۔ اور پھر سر کو اپنی غرض فاسد اور بدنیتی کے پیش نظر مدینہ روانہ کیا کیونکہ اتنے طویل عرصہ کے گذرنے کی وجہ سے اس میں طبعی تغیر آچکا تھا (تاکہ لوگ متنفر ہوں)۔ کیا ایسا رویہ اور سلوک خوارج کے ساتھ بھی روا ہے؟ کیا شریعت میں ان کے بارے میں بھی یہ حکم نہیں کہ ان کا جنازہ پڑھا جائے اور ان کو (انسانی اور مسلمانی کے حق کی وجہ سے) باقاعدہ دفن کیا جائے؟

(۳)۔ اور یزید کا یہ کہنا کہ مجھے اس بات کا بھی حق ہے کہ میں ان لوگوں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں) کو قید کر کے باندیاں اور غلام بنالوں۔ اس کی یہ بات ایسی ہے کہ جس کے کہنے اور کرنے والا سوائے لعنت کے کسی اور چیز کا مستحق نہیں۔ سو اس کے لیے تو بس لعنت ہی ہے۔

ویسے سوچنے کی بات ہے کہ اگر وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے پہنچنے پر اس کا احترام کرتا اور اس کا جنازہ ادا کرتا اور اسے تھال (طشت) میں یوں ہی رہنے دیتا اور

اسے اپنی چھڑی سے نہ مارتا تو بھی اسے کیا نقصان ہوتا۔ کیونکہ آپ کی شہادت سے اس کا مقصد تو حاصل ہو ہی چکا تھا۔ لیکن بس اس کی جاہلیت پر مبنی کینے اور بغض کا کیا بنتا (اور اس کی تسکین کیسے ہوتی) اور اس جاہلی کینے کے بارے میں دلیل اور علامت کے طور پر پیچھے وہ اشعار ذکر ہو ہی چکے ہیں۔ (جن میں جاہلیت کے ایک شاعر نے مسلمانوں کو احد میں پہنچنے والے صدمے اور شہادتوں پر شیخی بگھاری تھی)

اہل مدینہ کی یزید سے براءت

سن ۶۲ھ ہجری کے شروع میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابو سفیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے اہل مدینہ کے ایک وفد کو یزید کے دربار میں بھیجا۔ جب وہ وفد وہاں سے واپس آیا تو انہوں نے مدینہ میں یزید کے بارے میں منفی باتوں کو بیان کیا اور انہوں نے کہا:

> ''ہم ایک ایسے آدمی کے پاس سے واپس آرہے ہیں جو بے دین ہے۔ شراب کا رسیا ہے۔ گانے باجے کا شغل رکھتا ہے۔ اور کتوں سے کھیلتا ہے اب ہم تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی بیعت توڑ دی ہے۔''

اور منذر نے کہا:

> ''اگرچہ اس (یزید) نے مجھے ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا تھا تاہم اس کا یہ دینا مجھے تمہارے سامنے حقیقت حال واضح کرنے سے مانع نہیں۔ خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے اور اس کے نشے میں مست رہتا ہے حتی کہ نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔'' (کامل، البدایہ)

پھر اہل مدینہ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ (غسیل الملائکہ کا

مطلب ہے فرشتوں کا غسل دیا ہوا اور یہ جنگ احد کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا ان) کے بیٹے حضرت عبداللہ کی بیعت کی اور یزید کے گورنر عثمان بن محمد کو مدینہ سے نکال دیا۔ عبداللہ بن حنظلہ نے اس موقع پر یہ فرمایا:

"اے لوگو! ہم نے یزید کے خلاف خروج اس لیے کیا ہے کہ ہمیں یہ ڈر تھا کہ اگر ہم یہ کام نہ کریں تو کہیں آسمان سے ہمارے اوپر پتھر نہ برس پڑیں۔ بخدا! شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے۔ خدا کی قسم اگر اس معاملے میں میرے ساتھ کوئی بھی آدمی نہ ہوتا تب بھی میں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا۔"

عبداللہ بن عمرو رحمہ اللہ جو کہ ایک ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہیں وہ یہ بھی اضافہ نقل کرتے ہیں:

"اہل مدینہ میرے پاس آئے انہوں نے (علی الاعلان) یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔"

عبداللہ بن عمرو بن جعفر مخزومی نے کہا:

"میں نے یزید کی بیعت کا بوجھ اپنے سر سے یوں اتار دیا ہے جیسے میں نے اپنا عمامہ اتارا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی پگڑی اتار کر دکھائی اور پھر کہا: اگرچہ یزید نے میرے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا اور مجھے انعام واکرام سے بھی نوازا تاہم میں پھر بھی اس کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہوں کیونکہ دشمن خدا شراب کے نشے میں دھت رہنے والا ہے۔"

حرّہ کا للخراش واقعہ

جب یزید کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو پیغام بھیجا اور اسے

ہدایت کی کہ تین دن تک لوگوں کو دعوت دو اگر بات مان لیں تو فبہا ورنہ ان سے لڑائی کرو اور جب تمہیں غلبہ حاصل ہو جائے تو تین دن تک کے لیے مدینہ میں موجود مال واسباب، اسلحہ اور خوراک کو مباح عام کر دو یہ سب لشکر کا ہو گا پھر جب تین دن گذر جائیں تو ہاتھ روک لینا۔ (یزید کی ہدایت پر) مسلم بن عقبہ نے ایسا ہی کیا اور مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کو اپنے لشکر کے لیے تین دن تک مباح عام قرار دیدیا۔ وہ لوگ تین دن تک مردوں کو قتل، اور عورتوں سے زیادتی کرتے رہے۔ اس موقع پر ایک عورت نے اپنے بیٹے کے بارے میں جو کہ قیدی تھا، بات کی، مسلم بن عقبہ نے کہا: اسے جلدی انجام تک پہنچادو چنانچہ اس بیچاری عورت کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

پھر اس کے بعد مسلم بن عقبہ نے لوگوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا اور یہ کہا کہ اس شرط پر بیعت ہو گی کہ تم یزید کے غلام اور بردے ہو گے اور تمہارے اموال اس کی ملک ہوں گے۔ اس موقع پر یزید بن عبد اللہ بن زمعہ نے کہا ہم تو کتاب اللہ کی بیعت کریں گے۔ مسلم بن عقبہ کے حکم پر ان کی گردن اڑادی گئی۔

اسی طرح مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کو بھی مسلم بن عقبہ کے پاس لایا گیا۔ ان لوگوں نے بیعت کا مطالبہ تو حضرت سعید رحمہ اللہ نے فرمایا:۔

أبايع على مسيرة أبي بكر وعمر.

"میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے پر بیعت کرتا ہوں۔"

مسلم بن عقبہ نے ان کی گردن اڑانے کا حکم دیا لیکن ایک آدمی نے ان کے بارے میں یہ گواہی دی کہ یہ تو دیوانہ ہے تو اس بنا پر ان کو چھوڑ دیا گیا۔

محمد بن سعد رحمہ اللہ نے "طبقات" میں ذکر کیا ہے کہ مروان نے مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ کے خلاف ابھارا اور اس موقع پر وہ مسلم بن عقبہ کے ساتھ اس کا

معین و مددگار بن کر آیا یہاں تک کہ اس نے اہل مدینہ پر غلبہ پایا اور تین دن تک لوٹ مار مچائی۔ جب مروان یزید کے دربار میں گیا تو اس نے اس کارنامے پر بہت شکریہ ادا کیا اور اسے بہت قرب بخشا۔

مدائنی نے اپنی کتاب "کتاب الحرہ" میں امام زہری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حرہ کے واقعے میں قریش وانصار اور مہاجرین میں سے سات سو معزز اور نمایاں آدمی شہید ہوئے (جیسے معقل بن سنان، سائب بن یزید، عبداللہ بن نوفل رضی اللہ عنہم وغیرہ)۔ اور اس کے علاوہ آزاد کردہ اور نامعلوم غلاموں اور عام آدمیوں اور عورتوں میں سے شہید ہونے والوں کی تعداد دس ہزار ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

ام ہیثم بنت یزید سے مروی ہے کہ میں نے ایک قریشی عورت کو مدینہ کی کسی گلی میں جاتے دیکھا وہاں اس کے سامنے ایک کالے رنگ کا بچہ آگیا اس نے اسے سینے سے لگایا اور اس کا بوسہ لیا میں نے کہا: اے اللہ کی بندی! تم اس کالے کلوٹے لڑکے کو پیار کر رہی ہو، تو اس نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے اس کے والد نے حرہ کے دن میرے ساتھ صحبت کی تھی جس کے نتیجے میں یہ پیدا ہوا ہے۔ مدائنی نے ہشام بن حسان سے روایت کیا ہے کہ وقعہ حرہ کے بعد مدینہ کی ایک ہزار کے قریب عورتوں نے ناجائز بچے جنے۔

وقعہ حرہ کے مزید دلخراش واقعات اور یزید کی اہل مدینہ پر غارت گری اور لوٹ مار کے متعلق مزید واقعات دیکھنے ہوں تو ہمارے استاذ ابوالفضل بن ناصر کی کتاب دیکھیے جو کئی اجزاء پر مشتمل ہے یہاں اختصار کے پیش نظر اتنا ہی کافی ہے۔

اہل مدینہ کی بابت احادیث نبوی

صائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے اہل مدینہ کو ظلم کے طریقے سے خوفزدہ کیا اللہ اس کو

وحشت زدہ کریں گے اور اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت ہو۔ اللہ اس کا قیامت کے دن نہ کوئی نفل قبول کریں گے اور نہ فرض۔" (مسند احمد)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ مکر و برائی کا معاملہ کرے اس کا جسم یوں پگھل جائے جیسے نمک پانی میں پگھلتا اور گھلتا ہے۔" (بخاری)

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اسی سے ملتی جلتی یہ روایت نقل کی ہے۔

"جو آدمی بھی اہل مدینہ سے برائی کا معاملہ کرے اللہ اسے بروز قیامت آگ میں ایسے پگھلائیں جیسے کہ سیسہ بہتا ہے یا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے۔"

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! مدینہ کے مد (غلے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما اور جو شخص بھی اہل مدینہ سے برا ارادہ کرے اسے ایسا پگھلا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔"

عبدالمغیث کی بات پر تبصرہ

ہمارے بے وقوف فریق مخالف (یعنی عبد المغیث حنبلی جنہوں نے حمایت یزید کا بیڑا اٹھایا تھا) ان کا خیال یہ ہے کہ ان تمام احادیث میں اہل مدینہ کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بغیر کسی تاویل اور مجبوری کے انہیں خوفزدہ کیا۔ (گویا اگر کسی وجہ سے خوفزدہ کرے تو وہ ان احادیث کا مصداق نہیں) لیکن بات یہ ہے کہ ان احادیث کا جو مطلب اس عقل سے پیدل صاحب

کے دماغ میں آیا ہے وہ یقیناً امام احمد رحمہ اللہ سے بھی اوجھل رہا ہے کیونکہ وہ تو یزید کے بارے میں یہ کہتے ہیں:

أليس قد أخاف المدينة.

ترجمہ: کیا اس نے اہل مدینہ کو خوفزدہ نہیں کیا۔

اور آج تک (ان صاحب کے سوا) کسی کے علم میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یزید کا یہ فعل کسی تاویل اور معقول شرعی وجہ پر مبنی تھا۔

پھر اس کے بعد ان صاحب نے مزید یہ بھی مفروضہ گھڑا کہ جب یزید کے خلاف خروج ہو رہا تھا تو اس موقع پر اس کے لیے اہل مدینہ کے ساتھ ایسا اقدام کرنے کی گنجائش تھی اگرچہ ہمیں اس میں بھی کلام ہے (لیکن سر دست تسلیم کرتے ہیں) اور ہم کہتے ہیں چلو خروج کو روکنے کے لیے اقدام جائز بھی ہو تب بھی اس بات کی گنجائش کہاں سے آئی کہ تین دن تک اس کو لوٹ مار کے لیے حلال اور مباح قرار دیدے۔ حالانکہ یزید نے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں خود اس بات کا حکم دیا تھا اور پھر کیا یزید اس واقعے سے اور جو کچھ ہوا اس پر راضی بھی نہیں تھا؟ اور کیا اس نے اس کی تردید کی یا انکار کیا؟ ہر گز نہیں، کیونکہ اس نے تو مروان بن حکم کا (جیسا پیچھے گزرا) اس حوالے سے شکریہ ادا کیا تھا۔

بہر حال یزید کی طرف سے اس واقعے کے لیے عذر پیش کرنا (اور صفائی دینا) عذر گناہ بدتر از گناہ (کا مصداق) ہے۔

حرم مکی پہ سنگ باری

حرہ کا یہ واقعہ ۲۸ ذوالحجہ سن ۶۳ ہجری کو بدھ کے دن پیش آیا اس کے بعد جب سن ۶۴ ہجری شروع ہوا اور مسلمین عقبہ اہل مدینہ کے قتال سے اور اس کا لشکر ان کے اموال کی لوٹ سے فارغ ہو چکا تو پھر مسلمین عقبہ ہی حضرت عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لیے مکہ کی جانب روانہ ہوا لیکن راستے میں مر گیا۔ اس کی موت اور اہل مدینہ کی لوٹ مار کے درمیان چند دن ہی کا وقفہ ہوا ہو گا۔ چنانچہ بالکل ایسے ہی پگھل گیا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ اس (بدبخت) نے اپنی بے وقوفی اور انتہا درجے کی بے عقلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بوقت مرگ یہ الفاظ کہے:

"اے اللہ! میں نے کلمہ پڑھنے کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ لڑائی سے بڑھ کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ اگر اس کے بعد بھی مجھے جہنم ہی میں جانا پڑا تو میں یقیناً بدبخت ہونگا۔" (البدایہ والنہایہ)

پھر اس نے حصین بن نمیر سکونی کو طلب کیا اور اس سے کہا تجھے امیر المؤمنین (یزید) نے میرے بعد والی بنایا ہے۔ بس اب تم جلدی کرو اور ابن زبیر کو بس تین دن کے اندر اندر جالو۔ یہ چلا یہاں تک کہ اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ۶۴ دن تک بڑا شدید محاصرہ کیے رکھا جس کے دوران ان کے درمیان بڑی شدید لڑائی ہوئی اور تین ربیع الاول ہفتے کے دن کعبے پر بھی منجنیقوں سے سنگ باری کی گئی۔ ایک آدمی نے اپنے نیزے پر آگ کا ایک شعلہ لگا رکھا تھا جو ہوا کی وجہ سے بیت اللہ پر جا گرا جس سے اس میں آگ لگ گئی۔ ادھر ربیع الاول کا چاند نکلتے ہی ان لوگوں کے پاس یزید کے مرنے کی خبر آگئی۔ اس لحاظ سے وقعہ حرہ اور یزید کی موت کے درمیان کل تین ماہ کا عرصہ گذرا ہو گا۔ چنانچہ یہ بھی اہل مدینہ کے حق میں پیچھے ذکر کردہ حدیثوں کا مصداق بن کر یوں پگھل گیا جیسے سیسہ آگ میں پگھلتا ہے۔

اس بارے میں ہم یہاں اسی قدر تفصیل پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ مقصودی بات سامنے آہی گئی ہے۔ جس کو مزید تفصیل دیکھنی ہو وہ میری کتاب "المنتظم في تا ريخ الملوک و الأمم" کا مطالعہ کرلے۔

حمایتِ یزید میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ

(تمہید میں ذکر کردہ ترتیب کے مطابق پہلے واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر وہ واقعات بیان کیے گئے جو یزید کی شخصیت کا مقام متعین کرنے کے لیے کافی ہیں۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر اہلسنت نے اسے فاسق قرار دیا ہے۔ پیش آمدہ سطور میں ہمارے ممدوح عبدالمغیث حنبلی (جو کہ اس مسئلہ میں مختلف اور نرالی رائے رکھتے ہیں، ان) کی طرف سے حمایتِ یزید میں پیش کیے جانے والے دلائل اور ان کا جائزہ لیا جائے گا۔)

باقی رہی وہ چیزیں جن کے بل بوتے پر ان صاحب (عبدالمغیث) نے حمایت یزید کا نظریہ اختیار کیا ہے تو اس کے بارے میں حقیقت حال یہ ہے کہ یہ باتیں دلائل تو درکنار شبہات کا بھی درجہ نہیں رکھتی مثلاً انہوں نے کہا:

امام احمد رحمہ اللہ پر اعتراض

۱۔ آپ لوگ کہتے ہو کہ امام احمد رحمہ اللہ نے یزید پر لعنت کے جواز کا قول کیا ہے اور انہوں نے اس آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ. [محمد: 22]

حالانکہ یہ آیت تو یہودی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اس آیت کو تمام اہل اسلام پر کیسے چسپاں کر رہے ہیں؟

اس بات کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ پہلی بات یہ ہے کہ تمہاری اتنی جرأت ہو گئی کہ تم امام احمد رحمہ اللہ کی بات کی تردید کر سکتے ہو۔ فیا للعجب۔ بہر حال جس بنیاد پر تم نے امام احمد رحمہ اللہ کے قول پر رد کیا ہے اس کا جواب تین طریقوں سے ہے (جو ذیل میں ہیں):

پہلی وجہ

تم نے اس آیت سے متعلق جو بات کی وہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر سے نقل شدہ ہے اور خود مقاتل بن سلیمان محدثین کے ہاں بالاتفاق کذاب ہے، جو واہی تباہی روایت کرتا ہے۔ یحییٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"مقاتل بن سلیمان کذاب (یعنی بہت بڑا جھوٹا) ہے۔"

سعدی رحمہ اللہ فرماتے:

"یہ شخص بڑا دجال اور انتہائی غیر محتاط تھا۔"

امام بخاری رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

"مقاتل بن سلمان کا بالکل کوئی مقام نہیں ہے۔"

اور زکریا ساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کذاب ہے اور متروک الحدیث ہے یعنی اس سے حدیث نہ لی جائے۔"

اور رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اس سے حدیث نہیں لی جائیگی۔"

اور امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بڑے بڑے جھوٹے راوی، جو رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے سے بھی نہیں جھجکتے، وہ چار ہیں:

(۱) ابراہیم بن ابو یحییٰ: مدینہ میں

(۲) واقدی: بغداد میں

(۳) مقاتل بن سلیمان: خراسان میں

(۴) محمد بن سعید: شام میں

اور ابن حبان رحمہ اللہ مقاتل کے بارے میں (ذرا تفصیل سے) فرماتے ہیں:

"مقاتل قرآن مجید کی وہ باتیں جو کتب سابقہ کے موافق ہیں خود یہود

ونصاری سے حاصل کرتا تھا۔ نیز یہ ہے کہ اعلی درجے کا مشبہ [12] بھی تھا، خدا کو مخلوقات جیسا کہتا تھا اور مزید برآں یہ کہ حدیث کے باب میں جھوٹ بھی بولتا تھا۔"

دوسری وجہ :

امام احمد رحمہ اللہ کی بات کی تردید میں تمہاری طرف سے کہی گئی بات کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس آیت میں ولایت اور حکومت کی تفسیر خود مسلمانوں کی ولایت سے کی ہے۔ چنانچہ ایک طرف امام احمد رحمہ اللہ کی تفسیر ہے اور دوسری طرف مقاتل کی اور تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس کذاب مقاتل کی تفسیر کو امام احمد رحمہ اللہ کی تفسیر پر کیسے ترجیح دی؟ اور یہودیوں کی ولایت اور حکومت تھی بھی کون سی جو یہاں مراد ہوتی؟؟۔

تیسری وجہ :

اگر ہم یہ مان بھی لیں جیسا کہ تم کہتے ہو کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تب بھی ہمارے مدعا کے لیے مطلق نقصان دہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک مشہور بات ہے کہ قرآنی آیت سے مستفاد ہونے والا حکم اس آیت کے خاص پس منظر اور شان نزول کے علاوہ دیگر صورتوں اور واقعات پر بھی اسی طرح منطبق ہوتا ہے جیسے اس واقعے پر تھا۔ چنانچہ کسی خاص قوم یا طبقے کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کے حکم کو دیگر لوگوں کے لیے ثابت مانتے ہیں۔ کوئی مانع نہیں

---

12 ۔ مشبہ (میم کے پیش شین کے زبر اور باء کے شد اور زیر کے ساتھ) ابن کا لفظی مطلب ہے تشبیہ دینے والا یعنی ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دینے والا۔ اور علمی اصطلاح میں مشبہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ رب العزت کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں، یا اللہ کی صفات (متشابہات) کو ایسے انداز سے بیان کرتے ہیں جس سے اس کا مخلوق کے عوارض ولوازم سے متصف ہونا لازم آئے۔

(حاصل یہ ہے کہ اگر تمہارے بقول یہ مان بھی لیا جائے کہ مذکورہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی تب بھی یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ یہ آیت یہودیوں کے ساتھ ہی خاص ہے بلکہ جو بھی ایسا کام کرے گا جو اس آیت میں لعنت کا موجب قرار دیا گیا ہے وہ اس آیت کے تحت آئے گا خواہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے استدلال

اس صاحب نے امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا تو طرز عمل ہی یہ ہے کہ وہ اسلاف کے طریقے پر سختی سے کاربند ہیں اسی وجہ سے ان کا یہ قول مشہور اور زبان زد عام ہے کہ: کیف أقول ما لم یقل۔ (ترجمہ: میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں جو پہلے نہیں کہی گئی)۔

اور جب ہم (امام احمد رحمہ اللہ سے پہلے لوگوں یعنی) صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھتے ہیں تو ان میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کی تھی۔ ایسی صورت میں امام احمد رحمہ اللہ اس کے برعکس یزید کو برا کیسے کہہ سکتے ہیں؟

لیکن ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں:

تاریخ و سیرت کے باب میں ایک گٹھی پر پنساری بن بیٹھنے والے صاحب! ہم نے پیچھے باحوالہ ذکر کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کے بارے میں سنا تو مکہ مکرمہ چلے گئے۔ (اگر وہ یزید کی بیعت پر برضا و رغبت مطمئن تھے تو انہوں نے یہ کیوں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ) ان لوگوں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر آپ بیعت نہیں کریں گے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مجبوری کے درجے میں (اھون البلیتین یعنی دو ناگزیر مصیبتوں میں سے کم درجے کی مصیبت کو اختیار کرتے ہوئے) بیعت کی۔ (جس سے یزید کے صالح ہونے پر

استدلال نہیں کیا جاسکتا بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ابتداءً بیعت نہ کرنا اس کے صالح نہ ہونے کا غماز ہے)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے سکوت سے استدلال

ہمارے ممدوح صاحب نے اپنے موقف کی تائید کے لیے اس روایت کا بھی سہارا لیا ہے کہتے ہیں:

> "ابو طالب سے مروی ہے میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہ کہے "لعن اللہ یزید بن معاویۃ" آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: ہم اس بارے میں گفتگو نہیں کرتے اور میرے نزدیک سکوت زیادہ بہتر ہے۔"

ہم اس روایت کے بارے میں اتنا عرض کرتے ہیں کہ یہ راویت ہمیں بھی تسلیم ہے۔ لیکن اس سے جو نتیجہ تم نے کشید کیا ہے وہ تسلیم نہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تم نے پیچھے جواز لعنت سے متعلق امام احمد رحمہ اللہ کی روایت اور اس روایت میں تناقض، تعارض اور ٹکراؤ ثابت کیا ہے۔ اور پھر تم نے دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے۔ حالانکہ در حقیقت ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ دونوں باتیں اپنے اپنے محل پر صحیح ہیں۔ پہلے ذکر کردہ روایت میں لعنت کا جواز اور گنجائش تھی کہ یہ کام کوئی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جبکہ تمہاری پیش کردہ اس روایت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کے لیے اس کام میں مشغول ہونے سے بہتر ہے کہ دوسرے مفید کاموں میں لگے جیسے پیچھے ہم نے ذکر کیا تھا کہ ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر ہے ذکر خدا کی تسبیحی جائے کیونکہ یہ صرف ایک جائز کام ہے اور دوسرے کام اس کے مقابلے میں زیادہ اہم ہیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ لعنت کے جواز کے قائل نہیں۔

اور دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کی بابت دیگر اکابرین اور ناقلین مثلاً ابو بکر خلال، قاضی ابو یعلی اور ان کے بیٹے ابوالحسن تمہارے مقابلے میں زیادہ واقف ہیں اور وہ بہت بہتر سمجھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب کیا ہے اور کیا یزید پر لعنت کرنا امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے یا نہیں؟ ان حضرات نے جوازِ لعنت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم نے شروع میں ذکر کر دیا ہے اگر یہ بات تمہارے گوش گذار نہ ہوئی ہو تو دوبارہ سن لو اور ان لوگوں کی کتابیں اٹھا کر دیکھو تمہیں لعنت کا جواز صاف ملے گا۔

اسکے علاوہ امام احمد رحمہ اللہ نے متعدد جگہوں پر لعنت کے مستحق لوگوں پر خود لعنت کی ہے مثلاً اپنے رسالے "مسند" میں کہتے ہیں:

الواقفة ملعونة، والمعتزلة ملعونة.

اور خلال نے "کتاب السنہ" میں عبد اللہ بن احمد حلبی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے امام احمد رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

على الجهمية لعنة الله.

ترجمہ: جہمیہ پر خدا کی لعنت ہے۔

نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حجاج پر لعنت کیا کرتے تھے اور امام احمد رحمہ اللہ بھی یہ فرماتے تھے: "حجاج ایک برا انسان تھا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی سے یزید کے حق میں استدلال:

ان صاحب نے اپنے استدلال میں اس بات کو بھی پیش کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی:

اللهم اجعله هادياً ومهدياً.

ترجمہ: اے اللہ! ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔

چنانچہ جو صاحب ہدایت دینے والے ہوں، خود انہوں نے جب یزید کو ولی عہدی کے لیے منتخب کیا ہو تو اس پر طعن تشنیع کیسے ہو سکتی (حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی دعا کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا یہ اقدام درست اور ہدایت پر مبنی ہو اور یزید کے انتخاب میں کوئی کمی اور فروگذاشت نہ ہو)

لیکن ہم ان صاحب سے یہ عرض کریں گے کہ پہلے اس حدیث کی صحت کو معلوم کیجئے پھر ابن علیہ کو دیکھیے اور یہ کام آپ خود ہی کیجیے کیونکہ اگر ہم یہ کام کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیں یہ الزام دیں کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تعصب سے کام لیتے ہوئے یہ کر رہے ہیں۔ البتہ یہاں قارئین اور استفادہ کرنے والوں کے لیے ہم اس کی تھوڑی سی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

سلیمان قریشی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو والی بنایا تو لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تو نوجوان ہیں، ناتجربہ کار ہیں، ان کو والی بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

اللهم اجعله هادياً ومهدياً.

اس روایت کی مکمل سند ملاحظہ ہو:

علی بن عبداللہ زاغونی.... علی بن احمد تستری.... ابو عبیداللہ بن بطہ عکبری .... بغوی.... محمد بن اسحاق .... ہشام بن عمار .... عبدالعزیز بن ولید.... سلمان قرشی.... والد سلمان۔

یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں حضرت عبدالرحمان بن ابو عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان الفاظ میں دعا فرماتے ہوئے سنا:

اللهم اجعله هادياً ومهدياً.

اس طریق کی مکمل سند یہ ہے:

علی بن عبید اللہ... علی بن بشری... ابو عبید اللہ بن بطہ... قافلائی+ابن مخلد... محمد بن اسحاق... یحییٰ بن معین... ابو مسہر... سعید بن عبد العزیز ...ربیعۃ بن یزید... عبد الرحمان بن ابو عمیرہ۔

دونوں سندوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا دار و مدار محمد بن اسحاق بن حرب بلخی پر ہے اور یہ آدمی بڑا جھوٹا تھا۔ اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے قتیبہ بن سعید اس کا بڑے برے الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اس نے ایک دفعہ کوفہ میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو بُرا بھلا کہا لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا تو یہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور محدث ابو علی صالح بن محمد رحمہ اللہ کے اس کے بارے میں الفاظ یہ ہیں:

كان محمد بن إسحاق كذاباً يضع للكلام إسناداً ويروى أحاديث مناكير.

ترجمہ: محمد بن اسحاق بہت بڑا جھوٹا آدمی تھا، کسی بھی بات کے لیے سند گھڑ لیتا تھا اور منکر یعنی غیر معروف احادیث روایت کرتا تھا۔

اور ابن حبان رحمہ اللہ کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

يأتي عن الثقات بما ليس من حديث الأثبات. (كانه المعتمد لها) لا يكتب حديثه إلا للاعتبار.

ترجمہ: محمد بن اسحاق اپنے اوپر کے ثقہ راویوں سے ایسی احادیث نقل کرتا ہے جو دیگر محدثین روایت نہیں کرتے (گویا کہ وہ انہیں معتبر سمجھتا ہے) بہر حال اس کی حدیث یا اس کی روایات صرف اعتبار[13]

13۔ ''اعتبار'' سے مراد معتبر سمجھنا نہیں بلکہ یہ علم حدیث کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب کسی حدیث کی سندوں کی تعداد معلوم کرنا، اور یہ دیکھنا ہے کہ یہ حدیث کتنی روایتوں اور طرق سے منقول

کی حد تک لی جاسکتی ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت تقریباً انہی الفاظ میں ان دو سندوں کے علاوہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے جو یہ ہے:

ابو البرکات بن علی.... ابو بکر طوسی.... ابو القاسم طبری.... علی بن عمر.... اسماعیل بن محمد.... عباس بن محمد.... ابو مسہر۔

لیکن اس سند میں ایک راوی اسماعیل ہے جس کے بارے میں دار قطنی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ وہ کذاب ہے۔

(بہر حال مذکور بالا روایت سند کے اعتبار سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی) لیکن اگر اسے ثابت مان بھی لیا جائے یا یہ مرتبہ صحت اور ثبوت کو پہنچ بھی جائے تو پھر بھی اس روایت میں زیادہ سے زیادہ ایک دعا کا ذکر ہے اور ضروری تو نہیں کہ ہر دعا قبول بھی ہو کیونکہ اگر یہ دعا یا اس کی قبولیت ہر حال میں ہوتی تو پھر صفین کا اور یزید کی ولی عہد کا معاملہ کیوں ہوتا؟[14]

ہے۔ ایسا کرنے میں محدثین ہر طرح کی اسناد کو شمار کرتے ہیں، ضعیف ہوں یا صحیح اس سے غرض نہیں ہوتی۔ (دیکھیے: الفیہ، سیوطی۔ تعلیقات احمد شاکر مصری)

14۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بات کو جس انداز سے لیا ہے وہ بظاہر اشکال سے خالی نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہاں دعا ہدایت کی ہے اور ہدایت ضلالت اور گمراہی کے منافی ہے، اجتہادی خطاء کو شامل نہیں۔ چنانچہ صفین کا واقعہ بتصریح اہل سنت ان کی اجتہادی خطاء پر مبنی تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ان کو شہید کیا تھا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "تقتلک الفئة الباغية" (تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی)۔ چونکہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لئے وہ باغی جماعت تھی۔ اور شریعت کی اصطلاح میں باغی وہ ہوتا ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے اگرچہ خروج کا فیصلہ اجتہاد ہی سے کیا ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ صحابی

ولایتِ یزید کے تحقق کا مسئلہ :

ہمارے موصوف نے بعض محدثین کے حوالے سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ یزید کی ولایت اور حکومت پر سوائے پانچ اشخاص کے باقی تمام امت راضی اور خوش تھی۔ان کی رضا کے ساتھ ہی اس کی ولایت منعقد ہوئی تھی۔وہ پانچ لوگ یہ ہیں:

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

لیکن اس بات کا جواب یہ ہے۔کہ اولاً تو خود آپ کی دو باتوں میں تعارض ہے۔پہلے آپ نے یہ ذکر بلکہ استدلال کیا تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی تھی اب تم خود کہہ رہے ہو کہ وہ یزید کی ولایت پر راضی نہیں تھے۔ان دونوں باتوں سے کیا سمجھا جائے؟

تھے اور فقیہ تھے یعنی بڑے آدمی تھے،اس لئے ان کی گرفت دنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو باغی کہا گیا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ تم لوگ تو علم و عقل والے اور مرتبے والے تھے فیصلہ کرنے میں مزید غور و فکر کیوں نہیں کیا؟۔باقی رہا تو لیتِ یزید کا مسئلہ تو اس کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ ان کی اپنی دانست میں درست تھا۔اور اس وقت تک یزید فاسق نہیں تھا یا کم از کم اس کا فسق ظاہر نہیں ہوا تھا۔البتہ بعد میں یزید کا فسق ظاہر ہوا تھا اور سارے واقعات پیش آئے تھے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی نصیحتوں کی اس نے مخالفت کی تھی۔ان باتوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ بعد والی ان باتوں کی نہ تو ان پر ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کے حق میں کی گئی دعا کو یزید کے لیے صفائی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا مقصود یہی ہے۔اسی تناظر میں اس بات کو دیکھنا چاہیے۔واللہ اعلم

حقیقت یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا تھا کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لیے بیعت کی مہم چلائی تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس دوران اس خوف سے مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور یزید کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ دوبارہ مکہ چلے گئے اور اس کے بعد انہوں نے جو بیعت کی تھے وہ اپنی جان پر خوف اور شر سے بچنے کے لیے کی تھی۔

یہ بات بخوبی ذہن میں رہے کہ جتنے بھی معتبر اور صاحب حیثیت لوگ ہیں ان میں سے کوئی آدمی حتی کہ عوام بھی یزید کی بیعت پر راضی نہیں تھے البتہ انہوں نے فتنے کے اندیشے سے سکوت کو ترجیح دی۔ دوسری طرف اہل علم حضرات یہ کہتے ہیں کہ ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر کسی کی ولایت زور زبردستی سے بھی مسلط ہو جائے تو وہ منعقد ہو جاتی ہے۔

نظام زندگی کے لیے حکمران کی ضرورت :

اور فقہاء کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ امام اور والی و حاکم کا ہونا واجب اور ضروری ہے اور یہ اسی لیے ہے کہ دین و دنیا کے امور کا کسی انتظام کے تحت سرانجام پانا شریعت کا مقصد ہے اور یہ مقصد کسی ذی وجاہت و اثر و رسوخ والے شخص کو حاکم بنائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تو اس لیے نصب امام واجب ہو گا۔

فقہاء کی اس بات کا پس منظر اور تفصیل یہ ہے کہ انسان کے لیے تنہا زندگی گذارنا دشوار ہے، وہ ایک معاشرتی مخلوق ہے جس کے لیے اسے اپنے ہم جنس دیگر انسانوں کے ساتھ مل کر رہنا پڑتا ہے۔ ایک طرف یہ اور دوسری طرف یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ ظلم کرنے اور دوسرے کے حق کو لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ تو ایسی صورت میں کوئی ایسی قوت ہونی چاہیے جو ظلم کو روک سکے تاکہ دین

ودنیا کا نظام صحیح سالم رہے۔ اسکے علاوہ علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ امام مقرر کرنے میں (اجتماعی مصالح کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے) محض پسند اور خواہش پرستی کی بنیاد پر امام مقرر کرنا درست نہیں۔ اور مقرر کیے جانے والے امام کے لیے کچھ صفات ایسی ہیں جن کا ہونا از حد ضروری ہے۔

اس کے بعد اگر امر واقعہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو امامت کی تمام شرائط اور اوصاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں علی الوجہ الاتم پائی جاتی تھیں اور اس دور میں کوئی دوسرا ان کے اس مقام پر پوری طرح فائز تو کیا ہوتا ان کے قریب قریب بھی نہیں تھا۔ اسی طرح اہل علم فقہاء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ افضل اور اعلیٰ شخص کے ہوتے ہوئے مفضول اور ادنیٰ کو خلیفہ اور امام بنانا درست نہیں، البتہ ایک دو صورتیں اس ضابطے سے استثناء کی حامل ہیں۔ مثلاً

(۱) یہ کہ مفضول اور ادنیٰ شخص کو امامت و خلافت سے روکنے پر فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۲) جو افضل اور اعلیٰ ہو وہ سیاست اور تدبیر سازی سے نابلد ہو یعنی اس میں انتظامی صلاحیتیں نہ ہوں۔

خلافت وامامت کے لیے افضل واولیٰ کو مقدم کرنا کیوں ضروری ہے۔ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیحین یعنی "بخاری" و "مسلم" میں حدیث سقیفہ کے نام سے معروف ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ سقیفہ [15] والے دن حضرت

15۔ سقیفہ کا معنی ہے "ڈیوڑھی": جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انصار بنو سعد کے مکان کی ڈیوڑھی میں جمع ہوئے اور آپس میں ایک امیر منتخب کرنے پر مشورہ کرنے لگے اتنے میں حضرت عمر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات پہنچ گئے اس کے بعد اگلی بات پیش آئی۔ اس وجہ سے اس حدیث کو

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی امارت کے لیے پیش کرتا ہوں تم ان میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا:

كان والله أن أقدم فتضرب عنقي لا تقربني من ذلك إثم، أحب من أن أتأمر على قوم فيهم أبوبكر.

ترجمہ: خدا کی قسم! اگر مجھے سامنے لا کر میری گردن اڑا دی جائے اور مجھے ناحق قتل کر دیا جائے، اور مجھے کوئی گناہ نہ ہو، یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں ایسی قوم کی امارت سنبھالوں جس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔

یہ حدیث بالاتفاق صحیح ہے۔ ہم نے رسالے کے شروع میں اپنے اس جاہل (فریق مخالف) کے حوالے سے یہ بات ذکر کی تھی کہ ان صاحب نے یہ کہا تھا کہ حدیث سقیفہ صحیح میں نہیں۔ حالانکہ جسے حدیث سے کچھ بھی مناسبت ہو وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

افضل کو امام و خلیفہ مقرر کرنے پر دوسری دلیل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر بھی ہے کیونکہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ نامزد کر دیا تو آپ کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا اگر اللہ نے تم سے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کی بابت سوال کر لیا تو کیا جواب دو گے؟ حالانکہ تمہیں ان کی طبعیت کی سختی معلوم ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا:

أجلسوني! أبالله تخوفوني؟ أقول: اللهم استخلفت عليهم خير خلقك.

ترجمہ: مجھے بٹھا دو! کیا تم مجھے خدا کے نام کا ڈرا دیتے ہو؟ اللہ نے اگر

سقیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ باقی اس عبارت میں جو احتمال ہے اسے شروع میں ذکر کیا جا چکا۔

سوال کیا تو میں یہ جواب دونگا: یااللہ! میں نے امت پر ان سب میں سے بہترین شخص کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔

اسی طرح "صحیح بخاری" میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کے نصب و تقرر کا معاملہ چھ آدمیوں کی شوریٰ کے حوالے کر دیا تو ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اس شوریٰ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بطور مشیر شریک ہونگے البتہ امارت و خلافت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا حالانکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تو یزید جیسے اگر ہزار آدمی بھی اکٹھے ہو جائیں ان سے بہتر ہیں۔

ان تمام باتوں سے جب یہ واضح اور ثابت ہو گیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں امارت و خلافت کے لیے افضل واولیٰ کو آگے اور مقدم سمجھا جاتا تھا تو اب کیا اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مقابلے میں خلافت وامارت کے زیادہ حقدار تھے۔ بلکہ یزید کے مقابلے میں تو وہ لوگ بھی زیادہ حقدار تھے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مرتبے میں کم تھے جیسے حضرت عبدالرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان چاروں حضرات میں سے ہر ایک ایسا ہے جس کو شرف صحابیت، اعلیٰ حسب و نسب، بہادری، صلاحیتیں اور تقویٰ کے علاوہ وافر علم بھی حاصل تھا اور یزید تو ان اوصاف میں سے کسی بھی وصف میں ان حضرات کے پاسنگ کا بھی نہیں، تو پھر آخر کس وجہ سے یزید خلافت کا زیادہ حقدار ہوگا۔ اور یزید کی بیعت پر نہ تو کوئی عالم راضی تھا اور نہ کوئی جاہل۔ آج بھی اگر کسی جاہل سے جاہل آدمی سے بھی پوچھا جائے کہ یزید اور حسین رضی اللہ عنہ میں سے کون بہتر تھا؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ حسین رضی اللہ عنہ بہتر تھے۔

امارتِ یزید کی شرعی حیثیت

ان تمام باتوں سے معلوم ہو گیا کہ یزید کی خلافت وامارت زور زبردستی کی تھی اور لوگ جو اس پر خاموش رہے تو وہ صرف خوف کی وجہ سے ہو رہے تھے اور

یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کی بیعت نہ کرنے والوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اس کے بعد جب انہوں نے اس کو اپنے لیے خطرہ سمجھا تو انہوں نے بیعت کر لی۔ ہمارے موصوف (عبدالمغیث) صاحب کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت تو نظر آگئی لیکن ان کے ذہن سے یہ ذہول ہو گیا کہ یہ بیعت تو زور زبردستی کی تھی۔ اور جب اہل عراق نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس آنے پر بیعت کرنے کا کہا تو ان کا یہ خیال تھا کہ وہ زیادہ حق دار ہیں اور ان کو وہاں سے مدد کی توقع بھی تھی۔ لیکن انہوں نے امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ نیز یزید کو نااہل اور اپنے آپ کو اہل سمجھنے ہی کی بنا پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا اعلان کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے یہ موصوف جائز و مستحق حاکم اور ناجائز حاکم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں حالانکہ غیر مستحق پر تو صبر اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہاں مجبوری ہوتی ہے۔

ظالم حکمران کی اطاعت کا مسئلہ:

ہمارے موصوف حمایت یزید میں وہ احادیث بھی کھینچ تان کر لائے ہیں جن میں حکمرانوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ حکمران ظالم ہی کیوں نہ ہوں اور اس کے بعد اپنی تائید میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول بھی لائے ہیں جو یہ ہے:

أرى الغزو مع الأئمة وإن جاروا وأرى الصلاة خلف كل بر وفاجر وقد صلى ابن عمر خلف الحجاج.

ترجمہ: میرا خیال یہ ہے کہ اگرچہ حکمران ظالم بھی ہوں تب بھی ان کی معیت میں جہاد کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہر مسلمان خواہ نیک ہو یا بد اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کی اقتدا

میں نماز پڑھی ہے۔

(مذکورہ بالا احادیث اور امام احمد رحمہ اللہ کی عبارت سے استدلال کے جواب میں) ہم کہتے ہیں:

ارے کم عقل آدمی! یہ تو مجبوری کی حالت میں جواز اور گنجائش کی بات ہے یہی وجہ ہے کہ خود امام احمد رحمہ اللہ نے دوسری جگہ یوں فرمایا:

نسمع للبر والفاجر ولمن غلب بالسیف.

ترجمہ: ہم اپنے ہر اچھے بُرے حکمران کی بات سنیں گے اور ہر اس شخص کی جو بزور شمشیر غلبہ پالے۔

یہ ساری باتیں تو محض فتنے سے بچنے کے لیے ہیں (نہ یہ کہ ان کو صحیح سمجھنا ہے) خود صحابہ رضی اللہ عنہم حجاج جیسے ظالم شخص کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاء و تکلیف پر مجبوری کی وجہ سے صبر کیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حجاج پر لعنت اور اس کے خلاف بددعا کیا کرتے تھے البتہ اس کے خلاف لڑائی سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ اس میں فتنے اور فائدے سے زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا۔ مازنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس میں تھا کہ وہاں سے حجاج کا گذر ہوا وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا اور پھر کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

اے ابو سعید! مجھے فلاں جگہ جانے کا حکم دیا گیا ہے اور گھوڑا اور اسلحہ بھی خریدنا ہے حالانکہ میرے پاس تنخواہ میں نہ تو گھوڑے کی گنجائش ہے اور نہ میرے اہل خانہ کا خرچہ ہے۔

اس شخص کی یہ (لجاجت بھری) بات سن کر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی آنکھیں چھلک پڑیں، پھر فرمایا:

اللہ! ان حکمرانوں کا ستیاناس کرے انہوں نے بندگان خدا کو غلام،

بیت المال کو جاگیر اور کتاب خدا یعنی قرآن مجید کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ شراب کو نبیذ کے نام سے حلال کر لیا ہے، ناحق مال لیتے ہیں اور خدا کی نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں، جب کوئی دشمن خدا آتا ہے تو اس کے لیے مال سے بھرے تہ خانے اور لدے ہوئے خچر ہوتے ہیں اور جب ان کا اپنا عام مسلمان بھائی آئے تو اسے آدھی رات کی تاریکی میں پیدل چلنا پڑتا ہے۔

ایک دفعہ حجاج نے خطبہ بہت طویل کر دیا حتی کہ عصر کا وقت نکلنے لگا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: الصلاة جامعة۔ یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ پھر اپنے آس پاس بیٹھے لوگوں کو دیکھا اور کہا:

بعث إلىهم أخيفش أعيمش ملعون معذب.

ترجمہ: ان لوگوں کی طرف ایسا آدمی بھیجا گیا ہے جو چندھیائی آنکھوں والا، لعنتی اور عذاب کا مستحق ہے۔

پھر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کھڑے ہوئے اور دیگر لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ حجاج کو مجبوراً خطبہ ختم کر کے اترنا پڑا۔ چنانچہ اترا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو اپنے ہاں طلب کیا لیکن انہیں کچھ کہہ نہ پایا۔ سعید بن یزید سے مروی ہے کہ ہم حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی نے آکر یہ خبر دی اے ابو سعید! حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کر دیا ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

لعنة الله على الحجاج الفاسق بن يوسف.

ترجمہ: حجاج بن یوسف فاسق پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہو۔

اشحث حدانی سے مروی ہے کہ میں نے حجاج بن یوسف کو خواب میں بڑی بری حالت میں دیکھا میں نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ تو اس

نے جواب دیا میں نے جتنے بھی قتل کیے تھے ان میں سے ہر ایک قتل کے بدلے میں مجھے قتل کیا گیا۔ میں نے کہا پھر؟ اس نے کہا پھر مجھے آگ کا حکم سنایا گیا۔ میں نے کہا پھر؟ اس نے کہا پھر میں اب وہی امید رکھتا ہوں جو ہر کلمہ گو مسلمان رکھتا ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے مجھے اس کے بارے میں امید ہے (یعنی اللہ اسے ایک نہ ایک دن بخش دیں گے) جب یہ بات حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا۔ او نہوں!۔ اللہ ابن سیرین کی امید کو ہرگز پورا نہیں فرمائیں گے۔

عمرو بن عثمان اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے عدی بن ارطاۃ کو خط لکھا اور اس میں یہ فرمایا:

لا تستن بسنة الحجاج فانه كان يصلي الصلاة لغير وقتها ويأخذ الزكاة في غير حقها وكان لما سوى ذلك أضيع.

ترجمہ: تم حجاج کے طریقے اور روش پر نہ چلنا کیونکہ وہ نماز بے وقت پڑھتا تھا اور زکوۃ ناحق وصول کرتا تھا اور ان دو باتوں کے علاوہ باقی امور کو تو اور بھی خراب کرتا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

لو أن الأمم تخابثت يوم القيامة فأخرجت كل أمة خبيثها ثم أخرجنا الحجاج لغلبناهم.

ترجمہ: اگر قیامت والے دن تمام امتیں خباثت میں باہم مقابلہ کرنا چاہیں اور ہر امت اپنے سب سے بڑے خبیث کو سامنے لائے اور ہم اپنے حجاج کو سامنے لائیں تو ہم ان سے بڑھ جائیں گے (کیونکہ حجاج سے بڑھ کر خبیث کسی کے پاس بھی نہ ہوگا)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا طرز حکومت:

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی حکام کو ظلم کی وجہ سے ملامت کیا کرتے تھے اور ان کے والی ہونے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے بیٹے عبد العزیز سے منقول ہے کہ جب حضرت

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو والی بنایا گیا تو انہوں نے وہ تمام ناجائز اور ظلم کی چیزیں جو خود ان کے پاس تھیں یا ان کے اہل خانہ کے پاس تھیں ان کو ایک ایک کر کے واپس کر دیا جب یہ بات عمر بن ولید بن عبدالملک کو پہنچی تو اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو یہ خط لکھا:

إنک أزریت علی من قبلک من الخلفاء وسرت بغیر سیرتهم وخصصت أهل قرابتک بالظلم والجور.

ترجمہ: تم نے اپنے سے پہلے والے خلفاء کو بُرا لگا دیا (ان کی ساکھ خراب کر دی ہے) اور تم نے اِن کے طریقے سے الگ طریقہ اپنا لیا ہے اور تم اپنے اہل خانہ اور قریبی لوگوں پر ہی ظلم کرنے لگے ہو (یعنی جو مال وغیر وہ واپس کیے ہیں)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کو جواب لکھا:

أما أول شأنك ابن الولید کما زعم فأمك بنانه کانت تطوف في سوق حمص ثم الله أعلم بما اشتراها ذبیان من فيء المسلمین فأهداها لأبیك فحملت بك فبنس المحمول وبنس المولود، ثم نشأت فکنت جبارًا عنیدًا أتزعم أني من الظالمین، وإن أظلم مني وأترک لعهد الله من استعملك صبیًا سفیهًا علی جند المسلمین تحکم فیهم برأیك فویل لك وویل لأبیك ما أکثر خصومکما یوم القیامة وکیف ینجو أبوك من خصمانه؟ وإن أظلم مني أترک لعهد الله من استعمل الحجاج بن یوسف یسفك الدم الحرام ویأخذ المال الحرام، وإن أظلم مني وأترک لعهد الله من استعمل قرة بن شریك أعرابیًا جافیًا علی مصر، أذن له في المعازف اللهو والشرب، وإن أظلم مني وأترک لعهد الله من جعل لعالیة البربریة سهمًا في خمس العرب، فرویدًا لو تفرغت لك ولأهل بیتك فوضعتکم علی المحجة البیضاء فلطالما ترکتم الحق وأخذتم في بنیات الطریق وما وراء هذا ما أرجو أن یکون رأیته ببع رقبتك وقسم ثمنك بین الیتامی والمساکین والأرامل فإن لکل فیك حقًا.

ترجمہ: اے ابن ولید! تمہاری ابتداء تو اس کے بارے میں جیسا کہ مشہور ہے کہ تمہاری ماں بنانہ (باندی) حمص کے بازار میں گھومتی تھی، وہاں سے ذیبان نے مسلمانوں کے مال غنیمت سے اس کو خرید کر تمہارے باپ کو ہدیہ کر دیا جس کے بطن میں تمہارا حمل ہوا یہ حمل بھی بُرا تھا اور یہ بچہ بھی بُرا تھا۔ پھر جب تم بڑے ہو گئے تو ظالم اور جابر قسم کے انسان بن گئے۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ میں ظلم کر رہا ہوں حالانکہ میرے سے بڑا ظالم اور عہدِ خداوندی کو پس پشت ڈالنے والا تو وہ شخص ہے جس نے تیرے جیسے ناسمجھ بچے کو مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنا دیا چنانچہ تو وہاں اپنی من مانی کے فیصلے کرتا ہے تیرا بھی ناس ہو اور تیرے باپ کا بھی۔ قیامت والے دن تمہارے خلاف کتنے لوگ مدعی ہوں گے اور تمہارا باپ ان مدعیوں سے کیسے بچ پائے گا؟ اور میرے سے زیادہ ظالم اور عہدِ خداوندی کو توڑنے والا وہ شخص ہے جس نے حجاج بن یوسف جیسے شخص کو حکمران بنایا جو ناحق خون بہاتا پھرتا تھا اور مال حرام کھاتا تھا۔ اور سُن! میرے سے زیادہ وہ شخص ظالم اور عہدِ خداوندی کو توڑنے والا ہے جس نے قرہ بن شریک جیسے بے ننگ و عار دیہاتی کو مصر کا حکمران بنا دیا اور اس کو گانے باجے لہو لعب اور شراب کی چھوٹ دیدی۔ اور میرے سے بڑھ کر تو وہ شخص ظالم اور عہدِ باری تعالیٰ کا تارک ہے جس نے (غالب بربریت کے لیے) عربوں کے خمس میں سے حصہ مقرر کیا۔

ٹھہر! تو صبر کر! اگر مجھے موقع ملا تو میں تم کو اور تمہارے گھر والوں کو کھلے اور واضح کر کے سب کے سامنے لاؤں گا۔ تمہیں حق چھوڑے ہوئے عرصے ہو گئے ہیں اور تم نے من مانی کے راستے اختیار کر رکھے ہیں۔ اس کے بعد میرا خیال یہ ہے کہ میں تم کو بیچوں اور تمہاری قیمت عام یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں میں تقسیم کر دوں کیونکہ (تم بیت المال کی باندی کی اولاد ہو لہذا) تمہاری ذات میں سب کا حق ہے۔

ابن شوذب کہتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے مال غنیمت پیش کیا گیا جن میں باندیاں بھی تھیں جب بھی کوئی باندی سامنے آتی تو ولید بن عبدالملک کا بیٹا عباس کہتا: امیر المؤمنین! اس باندی کو اپنے لیے رکھ لیں۔ جب اس نے بار بار یہی بات کہی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے سختی سے کہا:

"تم مجھے زنا کا حکم دیتے ہو؟"

اسکے بعد جب عباس وہاں سے باہر آیا تو لوگوں سے کہنے لگا: تم ایسے آدمی کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہو جس کا یہ خیال ہے کہ تمہارے آباؤاجداد زانی تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک موقع پر سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا: کیا اس عورت کا حق تم اس کو نہیں دو گے؟ یعنی میراث وغیرہ، سلیمان نے کہا کون سی عورت؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: فاطمہ بنت عبدالملک (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اہلیہ اور سلیمان کی بہن) اس کے جواب میں سلیمان نے کہا: کیا آپ کو امیر المومنین عبدالملک کی وصیت معلوم نہیں؟ جاؤ بھائی! وہ امیر المومنین کی تحریر لے کر آؤ اس تحریر میں یہ الفاظ تھے:

لیس للبنات شیئ.

ترجمہ: بیٹیوں کا میراث میں کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا:

إلی المصحف أرسلته؟

ترجمہ: کیا تم نے اسے قرآن پاک کے پاس بھی بطور شاہی فرمان بھیجا ہے؟ (یعنی قرآن بیٹیوں کا حق دینے کا کہتا ہے اور تم نے یہ کہا ہے، تو بہتر ہوتا کہ اپنا یہ پیغام اور وصیت قرآن کو بھی ارسال کر دیتے تاکہ وہ بھی اپنے حکم میں تبدیلی کر لیتا۔ نعوذ باللہ!)

جب سلیمان بن عبدالملک کی تدفین کا موقع آیا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور

ان کے بیٹے سلیمان نے اس کو قبر میں اتارا۔ اس کی میت کو ان کے ہاتھوں میں جھٹکا لگا اور ایسے لڑکھڑائی تو اس کے بیٹے نے کہا (عاش واللہ أبي) ابھی میرا والد زندہ ہے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا:

لا واللہ! ولکن عوجل أبوک.

ترجمہ: بخدا یہ جھٹکا اور حرکت زندگی کے آثار نہیں یہ تو تمہارے باپ کو ملنے والے عذاب کی پیشگی (قسط) ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

ما أصلي اللہ إلا دعوت علی بني مروان.

ترجمہ: میں ہر نماز کے بعد بنو مروان کے لیے بددعا کرتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خارجیت:

ہمارے موصوف اور فریق مخالف (عبدالمغیث حنبلی صاحب) نے یہ بھی گل افشانی کی ہے کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خارجی (باغی) تھے (نعوذباللہ)۔

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ خارجی تو وہ ہوتا ہے جو کسی امام برحق کے خلاف خروج کرے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خروج تو باطل کو ختم کرنے اور حق کو قائم کرنے کے لیے تھا۔

میں نے ابن عقیل رحمہ اللہ کی اپنی تحریر نقل کی ہے جس میں یہ تھا کہ:

ایک آدمی نے یہ کہا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خارجی تھے۔ اس سے میرے دل پہ چوٹ لگی۔ میں نے سوچا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو ان میں اتنی صلاحیت ہوتی کہ وہ نبی بن سکتے۔ چلو مان لیا حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا مرتبہ ابراہیم سے کم ہے حالانکہ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں حضرات کو اپنا بیٹا فرمایا۔ چلو پھر بھی کیا آپ

کے ان نواسوں میں اتنی صلاحیت بھی نہیں کہ وہ آپ کے بعد خلیفہ اور امام بن سکیں۔

بہر حال! حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خارجی (باغی) کہنا اور بنو امیہ کے دبدبے کی وجہ سے انہیں امامت وخلافت کے استحقاق سے خارج کرنا، یہ ایک ایسا کام ہے جو دین ودانش کے تقاضوں کے بالکل مخالف ہے۔ابن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"جب تمہارے دل میں لوگوں کی بابت وفاداری اور اداء حقوق کا خیال اور توقع آئے تو اسے اپنے دل کا وہم سمجھو کیوں کہ تمہاری کیا حیثیت ہے؟

یہ دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جن کے مخلوق پر سب سے زیادہ احسانات اور حقوق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ضلالت سے نکال کر شاہراہِ ہدایت پہ ڈالا، جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم سے روشناس کرایا، ناداروں اور بھوکوں کو کھانا کھلایا، بے حیثیت لوگوں کو عزت و وقار عطا فرمایا پھر آخرت میں لوگوں سے اپنی شفاعت کا وعدہ فرمایا اور اس سب کچھ کے بعد صرف اتنا فرمایا: {قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى} [الشوری: 23] ترجمہ فرمادیجیے: میں اس کام پر صرف رشتہ داری کے لحاظ اور محبت کا سوال کرتا ہوں۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کیا؟ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد کو شہید کیا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے یزید کی رعایت:

ہمارے فریق مخالف صاحب نے یہ بات بھی کہی ہے کہ تم یزید کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے احترام اور لحاظ میں ہی کم از کم یزید کے بارے میں سکوت کرلو اور اسکے بارے میں کچھ نہ کہو۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں:

جب امام احمد رحمہ اللہ نے سکوت نہیں کیا، خلال چپ نہیں رہے، ان کے غلام ابو بکر عبد العزیز نے سکوت نہیں کیا، قاضی ابو یعلی نے خاموشی نہیں اختیار کی اور ان کے بیٹے ابوالحسین نے کف لسان سے کام نہیں لیا تو ہم کیوں کریں؟ حالانکہ ابوالحسین تو تمہارے استاذ اور شیخ بھی ہیں تم نے اپنے شیخ اور استاذ کی موافقت کیوں نہیں کی؟

اصل بات یہ ہے کہ تمہارے لیے ان کی موافقت وتائید کرنے میں دو باتوں میں سے ایک بات مانع اور رکاوٹ ہے۔ یعنی اس طرز عمل کی وجہ یا تو تمہاری جہالت اور نادانستگی ہے۔ یا پھر اس کے پیچھے کوئی ایسی بات ہے جسے تم ہی بہتر جانتے ہو۔ (باقی رہی تمہاری اصل بات کہ اگر باپ اچھا ہو تو بیٹے کو کچھ نہ کہنا چاہیے تو یہ بالکل فضول بات ہے) کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب لوگوں کا اتفاق ہے اور ان کو تسلیم ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ یعنی دنیا میں ہی جنت کا پروانہ حاصل کرنے والے دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں۔ وہ بدری اور اصحاب شوریٰ میں سے بھی ہیں۔ اس کے باوجود جب ان کے بیٹے عمر کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیے گئے سلوک اور عمل کی بات آئی تو لوگوں نے باپ کی وجہ سے اس کے بارے میں سکوت اختیار نہیں کیا (اور دین تو ہر شخص کو اپنے کیے کا ذمہ دار بناتا ہے۔) اس میں محابات، رعایت اور لحاظ نہیں چلتا۔ (لاتزر وازرة وزر اخری)

یزید کی سخاوت کا سہارا:

ان صاحب نے یزید کی حمایت اور طرفداری کے لیے بطور استدلال اور دلیل اس بات کو بھی پیش کیا کہ یزید سخی آدمی تھا، اس نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو چار ہزار درہم عطیہ کیے۔

لیکن ہم اس کے جواب میں یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ تو تم نے نادان دوست کا

کردار ادا کیا ہے کیونکہ تم نے جو بات اس کی مدح اور تعریف کے طور پر کی ہے وہ درحقیقت اس کی مذمت ہے کیونکہ یہ عطایا تو اس کے اپنے مال میں سے نہیں تھے بلکہ عامۃ المسلمین کے بیت المال سے تھے۔ جو آدمی ایسا کرے وہ قابل تعریف وتوصیف نہیں ہوتا بلکہ قابل مذمت ہوتا ہے (اور یزید کا لوگوں کو دینا اس کی سخاوت کی وجہ سے تھوڑی تھا) وہ تو صرف اسی وجہ سے دیا کرتا تھا کہ لوگ خاموش رہیں اور اس کے بارے میں کوئی بات نہ کریں۔

یزید کے قرن ثانی میں ہونے سے استدلال:

ہمارے موصوف صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یزید قرن ثانی کا آدمی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

خيركم قرني ثم الذين يلونهم.

ترجمہ: تمہارا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد کے لوگ۔

(اس بات کو عام طور سے یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ یزید تابعی تھا)

لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں اس زمانے میں عمومی طور سے خیر کے غالب ہونے کا کہا ہے نہ کہ ہر ہر آدمی کے خیر ہونے کا، کیونکہ اس زمانے میں بھی فاسق وفاجر تو یقینی طور سے تھے۔ حجاج جیسا شخص بھی تو قرن ثانی ہی کا آدمی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ظالم اور معبد جہنی جیسے بدعتی لوگ بھی تو اس زمانے کے تھے تو کیا محض زمانے میں ہونے سے آدمی کی خیر پر استدلال کیا جاسکتا ہے؟ (خود قرآن کریم میں ہے:

{وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ} [التوبة: 100]

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی پیروی کی۔

یہاں اتباع بالاحسان کو شرف تابعیت کے لیے وصف لازم اور شرط کے طور

پر ذکر کیا گیا ہے۔ گویا تابعی وہ ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہو اور اسلام کے تقاضوں پر اچھے طریقے سے کاربند اور عمل پیرا رہے۔ (ازالۃ الخفاء بحوالہ معارف کاندھلوی رحمہ اللہ)۔ اسی وجہ سے محدثین کے ہاں بھی صحابی میں تو اس کی ثقاہت کے لیے صحابی ہونا ہی کافی ہے لیکن تابعین میں بالاتفاق ہر شخص کی ذاتی حالت دیکھ کر ہی اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔)

یزید اور تلاوتِ قرآن:

ہمارے ممدوح نے یزید کی حمایت کے لیے یہ بھی کہا ہے کہ روایتوں میں آتا کہ کچھ لوگ یزید کے پاس گئے تو اس کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں:

(یہاں اصل کتاب کی عبارت مخطوطے میں نہ ہونے کی وجہ سے موجود نہیں۔ اور کتاب کا کوئی اور مطبوعہ نسخہ بھی دستیاب نہیں۔ لیکن اس اشکال کا جواب بظاہر یہی ہوگا کہ کسی ظالم وفاسق آدمی کے قرآن پڑھنے سے اگر اس کے صالح ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے تو پھر حجاج بن یوسف اور دیگر ظالم حکمرانوں کو بھی صالح ماننا پڑے گا کیوں کہ وہ لوگ ایک ایک جگہ پر کئی کئی پارے پڑھ جایا کرتے تھے۔ اور خوارج جو تھے ان کا تو صبح شام کا مشغلہ ہی قرآن کی تلاوت تھا، ان کے خیموں سے تلاوت کی آواز ایسے آتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ پھر بھی ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ وہ ٹولہ اسلام سے ایسے نکل جائے گا جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ بہرحال کسی کے صرف قرآن پڑھنے سے اس کے صالح ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ (واللہ أعلم بمراد المصنف)

دعائے خاتمہ:

آخر میں ہم اللہ کے حضور دعا گو ہیں کہ یا اللہ! خرد و دانش کو ہمارے لیے مفید

اور کام کی چیز بنااور ہمیں اہل بدعت اور خواہش پرستوں کی ہاں میں ہاں ملانے سے محفوظ فرما۔ اللہ رب العزت ہی دعاؤں کو قبول کرنے اور سننے والے ہیں۔ تمام کی تمام تعریفیں اکیلے حق تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ رب العزت سیدنا وسید الرسل حضرت محمد ﷺ اور ان کے صحابہ اور آپ کے آل رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلام نازل فرمائیں آمین۔

اختتام ترجمہ:

آج بروز سوموار بتاریخ ۲۰ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ بوقت چاشت اس ترجمے کی تسوید سے فراغت حاصل ہوئی جس کی ابتدا ۱/۱۰ صفر بروز ہفتہ ہوئی تھی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کو قبول فرمائیں اور سیئات اور لغزشوں سے در گزر فرمائیں اور اخلاص کی دولت اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیں!

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین

شعیب احمد

دار الافتاء والتحقیق، چوبرجی پارک، لاہور

یزید کے بارہ میں اکابر علماءِ دیوبند کا مسلک وموقف

تمام اکابر علماءِ دیوبند فسقِ یزید کے قائل اور اس کے کفر میں توقف اور لعنت بھیجنے میں احتیاط برتتے ہیں۔

یزید کے بارہ میں یہ انتہائی معتدل عقیدہ ہے کیونکہ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، مدینہ منورہ ومسجدِ نبوی ﷺ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اشرافِ اُمت کا قتل جیسے دلخراش واقعات اِس کے دورِ حکومت میں پیش آئے اور جو لوگ حضرت امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کے شہید کرنے میں شریک ہوئے اِن سے یزید نے کوئی انتقام بھی نہیں لیا اِس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا اِس کے اشارہ پر ہوا، اور یہ فاسق وفاجر والا عقیدہ بھی یزید کے بارہ میں اعتدال والا عقیدہ ہے ورنہ بعض اَکابر اُمت تو اُس کے کفر کے قائل اور اُس پر لعنت کو جائز سمجھتے ہیں۔

(یزید اکابر علماءِ اہل سنت دیوبند کی نظر میں: ص، ۸۷)

الرَّدُّ علَى المُتَعَصِّبِ العَنِيْدِ المَانِعِ مِنْ ذَمِّ يَزِيْد

تصنيف

المحدث الجليل المورخ العظيم ابو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي رحمه الله

بسم الله الرحمن الرحيم

خطبة المؤلف:

(قال سيدنا ومولانا الشيخ الإمام العالم الأوحد الصدر الكبير، فريد عصره، ونسيج وحده، علامة وقته بكمال الملة والدين، شيخ الإسلام ناصر السنه، أبو الفرج عبد الرحمن بن محمد بن علي الجوزي الواعظ البكري قدس الله روحه ونور ضريحه).

الحمدلله الذي نجانا بالعلم (من موافقة الضلال والأهواء وسلمنا) من مرافقة الجهال الغوغاء، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له شهادة الموقنين العلماء وأن محمداً عبده ورسوله سيد المرسلين، وخاتم النبيين وعلى أهل بيته الطاهرين الفضلاء، وعلى أصحابه وأتباعه إلى يوم الحشر والجزاء وسلم.

سبب التأليف:

سألني سائل في بعض مجالس الوعظ عن يزيد بن معاوية وما فعل في حق الحسين رضي الله عنه وما أمر به من نهب المدينة، فقال لي: (أيجوز أن يلعن؟) فقلت (يكفيه ما فيه) والسكوت أصلح فقال:(قد علمت أن السكوت أصلح،ولكن هل يجوز لعنته؟) فقلت: (قد أجازها العلماء الورعون منهم أحمد بن حنبل)، فبلغ كلامي إلى شيخ قد قرأ أحاديث مروية ولم يخرج من العصبية العامية فأنكر ذلك وصنف جزءاً لينتصرفيه نيزيد. فحمله إلي بعض أصحابي، وسألني الرد عليه فقلت له: (ما زلت أعرف هذا الشيخ بقلة العلم والفهم وإنما يحدث من يفهم) أخبرنا عبد الرحمن بن محمد القزاز قال ثنا أبوالحسين بن النقور قال ثنا القاضي أبو عبد الله الحسين بن هارون الضبي قال ثنا ابوالحسين عبد الله بن محمد بن شاذان قال ثنا محمد بن سهل بن الحسن ثنا أحمد بن سعيد الطائي ثنا يعقوب بن إسحاق قال: (الناس أربعة: رجل يدري ويدري أنه يدري فذاك عالم فخذوا عنه، ورجل يدري ولايدري أنه يدري فذاك ناسي فذكروه، ورجل لا يدري ويدري أنه لا يدري فذلك مسترشد فعلموه، ورجل لا يدري ولا يدري أنه لا يدري فذلك جاهل فارفضوه).

عبد المغيث الحنبلي ومكانته العلمية:

وهذا الشيخ لا يعرف المنقولات ولا يفهم المعقولات لكنه يقرأ الحديث ولا يعرف صحيحه من سقيمه، ولا مقطوعه من موصوله، ولا تابعياً من صحابي، ولا ناسخه من منسوخه، ولا كيف الجمع بين حديثين ومعه عصبية عامية فإذا رأى حديثاً يوافق هواه تمسك به، وإن كان الفقهاء على خلافه.

عدم معرفة علم الحديث:

وبيان أنه لا يعرف علم الحديث: أنه يحتج على أغراضه بأحاديث قد أسندها الكذابون، ولا يعرف الصادق من الكاذب وحدثني عنه عبد الرحمٰن بن عيسى الفقيه قال: (قال لي 'حديث السقيفة' ليس في صحيح). ومن يخفى عليه مثل هذا الحديث المشهور فإنه متفق على صحته كيف يقول أنه محدث؟ ولقد اجتمعت به يوماً فذكر مسلم بن يسار وقال (كان من كبار الصحابة) فزجرته عن هذا، وقلت: (ماقال هذا أحد إنما هو تابعي).

الميل إلى التجسيم في الصفات:

ثم مالت به عصبيته إلى التشبيه فكتب إلي حديث الاستلقاء وقال: إن الله تعالى (لماخلق الخلق استلقى ووضع رجلاً على رجل) وقال: (هذا حديث يلزم البخاري ومسلما إخراجه)، فقلت: (ويحك هذا حديث لا يصح وما رضي أحمد بن حنبل ولا أبو داود ولا الترمذي إخراجه أصلاً. وله علة قد ذكرتها في كتابي المسمى بـ«منهاج الوصول إلى علم الأصول» وقلت له: (إني قد جمعت أخبار الصفات وميزت ما صح منها وما لا يصح)، فقال: (ما أردنا هذا لأن في بيان الحديث المردود إزراء على من رواه)، فقلت: (ويحك أو يحابي في الحق) فرأيت حاضراً كغائب.

صفر اليدين في الفقه:

وأما كونه لا يعرف من الفقه شيئاً، فإنه روى أحاديث فقيل له إجماع الفقهاء على خلاف ذلك خصوصاً مذهبك، فقال: (لا يلزمني ما يقول الفقهاء).

وحدثني أبو طاهر بن الصدر الفقيه: (إن هذا الشيخ زوج رجلاً فقال له: «زوجتك بحق وكالتي بنت أخي فلان»، فقال الفقيه: فلقيت الزوج فقلت له ما انعقد لك عقد ولا يحل لك قربان هذه المرأة لأن أبا هذه له أربع بنات، وهذا العاقد ما سمى الزوجة، فعجب الناس من عدم فهمه للفقه.

طريقة علمية:

وذكرت بهذه الحكاية ما أنبانا به محمد بن ناصر الحافظ قال ثنا أحمد بن الحسن بن خيرون قال ثنا أحمد بن محمد العتقي قال ثنا أبو عمر بن حيويه قال ثنا سليمان بن إسحاق الجلاب قال ثنا إبراهيم الحربي قال: (بلغني أن امرأة جاءت إلى علي بن داود وهو يحدث وبين يديه (مقدار ألف نفس) فقالت له: حلفت بصدقة إزاري، قال: بكم اشتريته؟ قالت: باثنين وعشرين درهماً. قال: «اذهبي فصومي اثنين وعشرين يوماً»، فلما مرت، قال: آه، آه! غلطنا والله أمرناها بكفارة الظهار!.

سوء أدب عبد المغيث بالإمام أحمد رحمه الله

ورأيت هذا الشيخ قد حفر لنفسه قبراً خلف هدف الإمام أحمد

بن حنبل. فقلت له: هذا لا يجوز لثلاثة أوجه:
أحدها: إن هذه الأرض للمسلمين أجمعين فليس لأحد أن يحوز منها موضعاً ليدفن فيه فهي بمثابة المسجد من سبق جلس.
والثاني: إن حول الإمام أحمد لايترك إلى هذا الزمان ونحن نرى القبور حوله بعضها على بعض وكم فيها من دفين فكيف حفرت هذا وقد قال رسول الله ﷺ: «كسر عظم الميت ككسره حياً» فقال: حفرت فلم أر عظماً، قلت تلك بلية لأن لها أكثر من ثلاثمائة سنة وبقي رضاضها المحترم فما يجوز ما فعلت.
والثالث: أنك إذا وضعت هذا القبر يكون رجلاك عند رأس أحمد إذ ليس بينكما سوى الهدف وهذا سوء أدب، أما علمت أن المروذي قال: «ادفنوني بين يديه كما كنت أجلس بين يديه» فلم يلتفت إلى ما قلت ومر يتبع هواه.

سوء الفهم:

وأما سوء فهمه فحدثني محب الدين أبو البقاء الفقيه قال: اجتمعت بعبد المغيث عند حجة الإسلام ابن الخشاب فجاء في الحديث: أن رجلاً نذر أن يحج ماشياً، فقال رسول الله ﷺ : «إن الله غني عن تعذيب هذا نفسه»، فقال عبد المغيث كيف يقول: «إن الله غني عن تعذيب هذا نفسه» وقد كلفنا التكاليف! فجعلنا نتعجب من سوء فهمه إذ ظن حاجة الله تعالى إلى تكليفنا.

الانتصار ليزيد الظالم:

ويكفي قلة علمه وسوء فهمه، ووقوعه مع العصبية العامية أنه تعصب ليزيد على الحسين رضي الله عنه صنف فيه مصنفاً ينصر فيه يزيد وغضب عليّ إذ نصرت الحسين رضي الله عنه وذممت يزيد وقد أنشد لي شيخنا أبو الحسن بن الزاغواني قال: (كان أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه ينشد:

ولو أني بليت بهاشمي
خولته بنو عبد المديني
صبرت على عداوته ولكن
تعالوا فانظروا بمن ابتلاني

اللعن على يزيد:

فقال لي صاحبي أفدني في بيان الصواب، والتفت إليّ لا إليه في الخطاب، فقلت: (لو قال هذا الشيخ: الأولى أن لا يضيع الزمان في ذم أحد ما خولف، فإنه قد قال: بعض

الصالحين (لأن يخرج من صحيفتي لا إله إلا الله أحب إليّ من أن يخرج لعن الله إبليس). وأما إنكاره على من استجاز ذم المذموم ولعن الملعون فجهل صراح فقد استجازه كبار العلماء.

الإمام أحمد واللعن على يزيد

منهم الإمام احمد بن حنبل، وقد ذكر أحمد في حق يزيد ما يزيد على اللعنة. فأنبأنا أبو بكر محمد بن عبد الباقي البزاز عن أبي إسحاق البرمكي عن أبي بكر عبد العزيز بن جعفر قال ثنا مهنا بن يحيى قال: (سألت أحمد عن يزيد بن معاوية فقال: هوالذي فعل بالمدينة ما فعل؟ قلت: وما فعل؟ قال :نهبها. قلت فنذكر عنه الحديث قال: لا يذكر عنه الحديث، ولا ينبغي لأحد أن يكتب عنه حديثاً. قلت: ومن كان معه حين فعل ما فعل؟ قال أهل الشام.

وذكر القاضي أبو يعلى محمد بن الحسين بن الفراء في كتابه (المعتمد في الأصول) عن أبي جعفر العكبري ثنا أبو علي الحسين بن الجنيد قال ثنا أبوطالب بن شهاب العكبري قال سمعت أبا بكر محمد بن العباس قال سمعت صالح بن احمد بن حنبل يقول: قلت: (لأبي أن قوماً ينسبونا إلى توالي يزيد. فقال يا بني! وهل يتولى يزيد أحد يؤمن بالله؟ فقلت: فلم لا تلعنه؟ فقال ومتى رأيتني ألعن شيئاً. ولم لا يلعن من لعنه الله في كتابه، فقلت: وأين لعن الله يزيد في كتابه؟ فقرأ {فَهَلْ عَسَيتُم إِن تَوَلَّيتُم أَن تُفسِدوا فِي الأَرضِ وتُقَطِّعُوا أَرحَامَكُم أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُم وَأَعمَى أَبصَارَهُم} فهل يكون الفساد أعظم من القتل.

وصنف القاضي أبو الحسين محمد ابن القاضي أبي يعلى بن الفراء كتاباً فيه بيان من يستحق اللعن وذكر فيهم يزيد وقال (الممتنع من ذلك إما أن يكون غير عالم بجواز ذلك أو منافقاً يريد أن يوهم بذلك) وربما استفز الجهال بقوله «المؤمن لايكون لعاناً» قال وهذا محمول على من لا يستحق اللعن. فقلت: هذا من خط القاضي أبي الحسين وتصنيفه.

فصل

جواز اللعن المأخوذ من الأحاديث:

واعلم أنه قد جاء في الحديث لعن من فعل ما لا يقرب معشار عشر فعل يزيد. أنبأ ابن حصين قال أنبأ ابن المذهب قال أنبأ أحمد بن جعفر قال ثنا عبد الله بن أحمد قال ثنا أبي قال ثنا وكيع قال ثنا سفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمة عن عبدالله قال: «لعن الله الواشمات والمتوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن». قال أحمد ثنا يحيى عن عبيد الله قال ثنا نافع عن عبد الله وهو ابن عمر قال: «لعن رسول الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة». قال أحمد ثنا ابن هشيم قال ثنا أبو بشرعن سعيد بن جبير عن ابن

عمر أن رسول الله ﷺ: «لعن من اتخذ شيئاً فيه روح غرضاً». هذه الأحاديث متفق على صحتها أخرجها «البخاري» و«مسلم» وأخرج عن ابن عباس عن النبي ﷺ أنه: «لعن المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء»، ومن حديث أبي جحيفة أن رسول الله ﷺ : «لعن الواشمة والمستوشمة، وآكل الربا وموكله، ولعن المصورين». وأخرج مسلم من حديث جابر قال: «لعن رسول الله آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه». أخبرنا ابن الحصين قال ثنا ابن المذهب قال ثنا أحمد بن جعفر قال ثنا عبدالله بن أحمد قال ثنا أبي ثنا محمد بن مسلمة عن محمد بن إسحاق عن عمرو بن أبن عمرو بن عكرمة عن ابن عباس قال: قال النبي ﷺ: «ملعون من سب أباه، ملعون من سب أمه، ملعون من ذبح لغير الله، ملعون من غير تخوم الأرض، ملعون من كمّه أعمى عن طريق، ملعون من وقع على بهيمة، ملعون من عمل بعمل قوم لوط». قال أحمد ثنا وكيع قال ثنا عبد العزيز بن عمر بن عبد العزيز عن أبي طعمة مولاهم وعن عبد الرحمٰن بن عبد الله الغافقي أنهما سمعا ابن عمر يقول: قال رسول الله ﷺ: «لعنت الخمرة على عشرة وجوه لعنت الخمر بعينها وشاربها وساقيها وبائعا ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه وآكل ثمنها».

واعلم أن الأحاديث مجتمعة في هذا الباب كثيرة مثل: «لعن من تولى غير مواليه» و «لعن زوارات القبور» وغيرذلك.

فصل

ذكر ترتيب الكتاب:

وأنا أذكر من أحوال يزيد بن معاوية وكيف عقدت له الولاية وما جرى له في زمن ولايته مما ذكره أبو بكر بن أبي الدنيا ومحمد بن سعد صاحب «الطبقات» وأبو جعفر بن جرير وغيرهم من الأئمة، طرفاً مختصراً، ليعلم بأفعاله جواز ذمه ثم أتبع ذلك بما احتج به هذا الشيخ في نصره يزيد ومدحه وما يكاد أحد ينصح عن أحد إلا وهو محب له وقد صح عن رسول الله ﷺ أنه قال : «المرء مع من أحب».

فصل

استخلاف يزيد:

في سنة ستّ وخمسين دعا معاوية الناس إلى بيعة يزيد من بعده وجعله ولي عهده وأمر المغيرة بن شعبة أن يمضي إلى الكوفة ويعمل في البيعة ليزيد ودعى بكتاب فقرأه على الناس باستخلاف يزيد إن حدث به حدث الموت.

وذكر محمد بن سعد في «الطبقات» أن معاوية قال للحسين ولعبد الله بن عمر وعبد الرحمٰن بن أبي بكر وعبد الله بن الزبير

(إني أتكلم بكلام فلا تردوا علي شيئاً فافتلكم فخطب الناس وأظهروا أنهم قد بايعوا ليزيد فسكت القوم ولم يقروا ولم ينكروا خوفاً منه.

أبنأنا أبو عبد الله يحيى بن الحسن بن النبا قال ثنا أبي قال ثنا علي بن محمد المعدل قال ثنا دعلج بن أحمد قال ثنا محمد بن علي الصايغ ثنا ابن عمر قال ثنا عبد الرزاق بن معمر عن الزهري قال (لما بايع معاوية لابنه يزيد بعث ببيعته إلى المدينة فخرج عبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير، وعبد الرحمن بن أبي بكر إلى مكة فبلغ ذلك معاوية فخرج يريد العمرة حتى قدم فدعاهم ثم رقى المنبر فعذرهم وأخبر الناس أنهم قد بايعوا فقام ناس من أهل الشام فقالوا أتأذن لنا فنضرب أعناقهم قال لا اسمعن هذه المقالة منكم).

فصل

انعقاد ولاية العهد ليزيد:

فلما دخلت سنة ستين أخذ معاوية على الوفد الذين وفدوا عليه مع عبيد الله بن زياد البيعة لابنه يزيد وعهد إلى ابنه يزيد حين مرض، فقال: (يابني إني وطأت لك الأشياء، وذللت لك الأعداء وإني لا أتخوف عليك من هذا الأمر إلا أربعة نفر الحسين بن علي، وعبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير، وعبد الرحمن بن أبي بكر، فأما عبدالله بن عمر: فرجل قد وقذته العبادة وإذا لم يبق أحد غيره بايعك، وأما الحسين فإن أهل العراق لن يدعوه حتى يخرجوه فإن خرج عليك فظفرت به فاصفح عنه فإن له رحماً ماسة، وأما ابن أبي بكر فليست له همة إلا في النساء واللهو فإن رأى أصحابه قد صنعوا شيئاً صنع مثلهم، وأما الذي يجثم لك جثوم الأسد ويراوغك مراوغة الثعلب فإذا أمكنته فرصة وثب فابن الزبير فإن هو فعلها بك فقدرت عليه فقطعه إرباً إرباً).

وكان معاوية يقول لولا هواي في يزيد لأبصرت رشدي .

فصل

خلافة يزيد:

فلما مات معاوية كان يزيد غائباً فقدم فبويع له فكتب إلى الوليد بن عتبة واليه على المدينة خذ حسيناً وعبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير بالبيعة أخذاً شديداً ليست فيه رخصة حتى يبايعوا. فبعث الوليد إلى مروان حتى دعاه واستشاره، فقال أرى أن تبعث الساعة إلى هؤلاء النفر فتدعوهم إلى البيعة فإن فعلوا وإلا ضربت أعناقهم فدعى الحسين فطلب منه أن يبايع فقال: (ادع الناس وادعونا معهم فإن مثلي لا يبايع سراً) وخرج. وأما ابن عمر فقال: (إذا بايع الناس بايعت) ثم خرج إلى مكة. وأما ابن الزبير فوعدهم الغد وخرج من ليله، فتوجه نحو مكة. فبعث إليه

أخوه عمرو بن الزبير أن يزيد بن معاوية قد حلف لا يقبل منك حتى يؤتى بك في جامعة من فضة فلم يلتفت إلى قوله.

فصل

خروج سيدنا حسين رضي الله عنه إلى الكوفة:

وخرج الحسين بأهله إلى مكة أيضاً. ووجه أهل الكوفة إلى الحسين يسألونه القدوم عليهم وقالوا نحن معك مائة ألف.

أخبرنا ابن ناصر قال أنبأ أبو محمد بن السراج قال أنبأ أبو طاهر محمد بن علي العلاف قال أنبأ أبو الحسين ابن أخي ميمي قال ثنا ابو علي بن صفوان قال ثنا ابو بكر بن أبي الدنيا قال ثنا محمد بن صالح القرشي قال ثنا علي بن محمد القرشي عن يونس بن أبي إسحاق: قال: لما بلغ أهل الكوفة نزول الحسين بمكة وأنه لم يبايع ليزيد بن معاوية خرج منهم وفد إليه وكتب إليه سليمان بن صرد والمسيب بن نجبة ووجوه أهل المدنية يدعونه إلى بيعته وخلع يزيد وقالوا: (إنا تركنا الناس متطلعة أنفسهم إليك وقد رجونا أن يجمعنا الله بك على الحق وأن ينفي عنهم بك وما هم فيه من الجور فأنتم أولى بالأمر من يزيد الذي غصب الأمة فيها وقتل خيارها) فدعا مسلم بن عقيل وقال: (اشخص إلى الكوفة، قال فإن رأيت منهم اجتماعاً فاكتب إلي.

قال أهل السير: لما بعث الحسين مسلماً بلغ الخبر إلى يزيد فولى الكوفة عبيد الله بن زياد وكتب إليه يزيد: (بلغني أن الحسين توجه إلى العراق فضع عليه المناظر والمسالح واحترس واحبس على الظنة وخذ على التهمة) .

وكتب مسلم بن عقيل إلى الحسين قد بايعني ثلاثة عشر ألفاً فعجل القدوم، فسار الحسين وأخذ عبيد الله زياد مسلماً فقتله وكان الحسين قد وجه قيس بن مسهر إلى مسلم بن عقيل قبل أن يبلغه قتله وأخذه عبيدالله بن زياد وقال: (قم في الناس فاشتم الكذاب ابن الكذاب) يعني الحسين وصعد المنبر فقال: (أيها الناس إني تركت الحسين بالحاجر وأنا رسوله إليكم يستنصركم فأمر به عبيد الله وطرح من فوق القصر فمات).

في ساحة القتال:

ووصل الخبر إلى الحسين بقتل مسلم بن عقيل فهمَّ أن يرجع وكان معه خمسة من بني عقيل فقالوا: ترجع وقد قتل أخونا فسار إلى أن لقيته الخيل فقال: (ما جئتكم حتى أتتني كتبكم) فقالوا: (ماندري ما تقول)، فعدل إلى كربلاء وكان معه خمسة وأربعون فارساً ونحو مائة راجل، ثم إن عبيد الله بن زياد ولى عمر بن سعد بن أبي وقاص فقال له الحسين: إما أن تدعني فألحق بالثغور أو أنصرف من حيث جئت، أو ألحق بيزيد) . فكتب عمر إلى عبيد الله

بن زياد بذلك، فقال لا ولا كرامة حتى يضع يده في يدي فإن أبى فقاتله، فإن قتل فأوطئ الخيل صدره وانشد:

ألآن حين تعلقته حبالنا

يرجو الخلاص ولات حين مناص

فقال الحسين: (لا أضع يدي في يد عبيد الله أبداً، وقال الحسين لأصحابه: تفرقوا في هذا الليل في السوداء ودعوني) فقالوا: (لا والله لم ندعك حتى يصيبنا ما أصابك). فحالوا بينه وبين الماء، فقال:

«يا قوم أيصلح لكم قتلي؟ أيحل لكم دمي؟ ألست ابن بنت نبيكم؟ وابن ابن عمه، ولم يبلغكم قول رسول الله ﷺ : «في وفي أخي هذان سيدا شباب أهل الجنة» فإن صدقتموني، وإلا فاسألوا جابر بن عبد الله وأبا سعيد، وزيد بن أرقم .»

فقال شمر: (أنا عبد الله على حرف إن كنت أدري ماتقول). وكان عمر بن سعد أول من رمى بسهم عسكر الحسين فخرج علي بن الحسين يقاتل ويقول:

أنا علي بن الحسين بن علي

نحن وبيت الله أولى بالنبي

من شمر وعمر وابن الدعي

فطعنه رجل فقتله وهذا هو علي الأكبر، وجاء صبي من أولاد الحسين فجلس في حجره فرماه رجل منهم بسهم فوقع الصبي ميتاً.

مقتل سبط الرسول ﷺ المحزن:

وطلب الحسين ماء يشربه فجيء بماء فهم أن يشربه فرماه حصين بن نمير بسهم فوقع في فيه فجعل يتلقى الدم بيده. ثم قتل أهل بيت الحسين وأصحابه وبقي وحيداً من الرجال فدافع عن نفسه فضربه زرعة بن شريك على كتفه وضربه آخر على عاتقه وحمل عليه سنان بن أنس فطعنه بالرمح في ترقوته ثم في صدره فوقع فنزل إليه فذبحه وحز رأسه، وقيل بل حز رأسه خولي بن يزيد . ووجدوا به ثلاثا وثلاثين جراحة، ووجدوا في ثوبه مائة وبضعة عشر خرقاً من السهام ثم انتهبوا ثيابه وثقله فأخذ سيفه القلافس النهشي وأخذ سراويله بحر بن كعب فتركه مجرداً وأخذ قطيفته قيس بن الأشعث وأخذ عمامته جابر بن يزيد وأخذ ملحفة فاطمة بنت الحسين وأخذ آخر حليها، ثم نادى عمر: من جاء برأسه فله ألف درهم، ثم قال عمر: من يوطئ فرسه الحسين؟فانتدب أقوام بخيولهم حتى رضوا ظهره. وبعث عمر برأسه عبيد الله بن زياد، وحمل النساء

والصبيان، فلما مروا بالقتلى صاحت زينب بنت علي (يا محمداه، يا محمداه، هذا حسين بالعراء مزمل بالدماء مقطع الأعضاء، يا محمداه وبناتك سبايا وذريتك قتلى تسفى عليهم الصبا). فما بقي عدو ولا صديق إلا بكى، ثم أمر عبيد الله بن زياد أن ينصب رأس الحسين بعد أن طيف به بالكوفة، قال زر بن حبيش: (أول رأس رفع على خشبة رأس الحسين). قال أنبأ ابن الحصين قال أنبأنا ابن المذهب قال ثنا أحمد بن جعفر قال ثنا عبد الله بن أحمد قال ثنا أبي وأخبرنا يحيى بن ثابت بن بندار قال ثنا أبي قال ثنا أبو بكر البرقاني قال ثنا أحمد بن إبراهيم الإسماعيلي قال ثنا عمران قال ثنا عثمان بن أبي شيبة قال ثنا حسين بن محمد قال ثنا جرير بن حازم عن محمد بن سيرين عن أنس بن مالك قال (أتي عبيدالله بن زياد برأس الحسين فجعل في طست فجعل ينكث عليه وقال في حسنه شيئاً، فقال أنس: إنه كان أشبههم برسول الله ﷺ وكان مخضوباً بالوسمة). أخرجه «البخاري» .

أخبرنا ابن ناصر قال ثنا ابن السراج قال ثنا أبو طاهر محمد بن علي العلاف قال ثنا أبوالحسين ابن أخي ميمي قال ثنا الحسين بن صفوان قال ثنا أبوبكر بن أبي الدنيا قال ثنا علي بن مسلم قال ثنا سليمان بن حرب قال ثنا حماد بن زيد عن علي بن زيد عن أنس بن مالك قال: (شهدت ابن زياد حين أتي برأس الحسين فجعل ينكت بقضيب في يده على أسنانه، ويقول إنه كان لحسن الثغر، فقلت: أما والله لاسوننك، لقد رأيت رسول الله ﷺ يقبل موضع قضيبك من فيه) .

قال ابن أبي الدنيا وثنا عبد الرحمن بن صالح العتكي قال ثنا مهدي بن ميمون عن حرام بن عثمان الأنصاري عن سعيد بن ثابت عن مرداس عن أبيه عن سعيد بن معاذ وعمرو بن سهل أنهما حضرا عبيد الله بن زياد يضرب بقضيبه أنف الحسين وعينيه ويطعن به في فيه فقال له زيد بن أرقم: (ارفع قضيبك إني رأيت رسول الله ﷺ واضعاً شفتيه على موضع قضيبك). فقال له: (إنك شيخ قدخرفت وذهب عقلك). فقال زيد: (لأحدثنك حديثاً هو أغلظ عليك من هذا، رأيت رسول الله ﷺ أقعد حسناً على فخذه اليمنى وحسيناً على فخذه اليسرى ثم وضع يده على يافوخ كل واحد منهما ثم قال:

[اللهم إني أستودعك أباهم وصالح المؤمنين]
فكيف كانت وديعتك لرسول الله ﷺ) .

كلام زينب بنت البتول رضي الله عنه:

قال ابن أبي الدنيا: وأخبرني أحمد بن عباد الحميري عن هشام بن محمد عن شيخ من الأزد قال: (لما دخل برأس الحسين وصبيانه وأخواته ونسائه على ابن زياد، لبست زينب بنت علي رضي الله عنها أرذل ثيابها وتنكرت وحفت بها النساء فقال عبيد الله من هذه؟

فلم تتكلم فقال ذلك ثلاثاً كل ذلك ولا تكلمه فقال بعض نسائها هذه زينب ابنة علي بن أبي طالب رضي الله عنه، فقال ابن زياد: الحمد لله الذي فضحكم وقتلكم وأكذب أحدوثتكم. فقالت زينب: الحمد لله الذي أكرمنا بمحمد ﷺ وطهرنا تطهيراً، لا ماتقول، إنما يفتضح الفاسق ويكذب الفاجر. قال: كيف رأيتِ صنع الله بأهل بيتك؟ قالت: كتب عليهم القتل فبرزوا إلى مضاجعهم وسيجمع الله بينك وبينهم فتحاكمون عنده) .

قال ابن أبي الدنيا وثنا محمد بن صالح قال ثنا علي بن محمد شيخ من الأزد عن سليمان بن راشد عن حميد بن مسلم قال خطبنا عبيد الله بن زياد، فقال: (الحمد لله الذي أظهر الحق وأهله ونصر أمير المؤمنين وحزبه وقتل الكذاب ابن الكذاب وشيعته. فقام عبد الله بن عفيف الأزدي فقال: يا ابن مرجانة! إن الكذاب ابن الكذاب أنت وأبوك والذي ولاك.

ولما بلغ قتل الحسين إلى الحسن البصري بكى حتى اختلج منكباه وقال: (وا ذلاه لأمة قتل ابن دعيها ابن نبيها). وقال الربيع بن خيثم: (لقد قتلوا صبية لو جاء رسول الله من سفر لضمهم إليه)

فصل

رأس الحسين رضي الله عنه يحمل إلى يزيد:

ثم دعا ابن زياد زحربن قيس فبعث معه رأس الحسين ورؤوس أصحابه إلى يزيد، وجاء رسول من قبل يزيد بأمر عبيد الله أن يرسل إليه بثقل الحسين ومن بقي بأهله.

أنبأ عبد الوهاب بن المبارك قال أنبأ أبو الحسين بن عبد الجبار قال أنبأ الحسين بن علي الطناجري ثنا خالد بن خراش قال ثنا حماد بن زيد عن جميل بن مرة عن أبي الوضي قال: (نحرت الإبل التي حمل عليها رأس الحسين وأصحابه فلم يستطيعوا أكلها كانت لحومها أمر من الصبر). فلما وصلت الرؤوس إلى يزيد جلس ودعا بأشراف أهل الشام فأجلسهم حوله ثم وضع الرأس بين يديه وجعل ينكت بالقضيب على فيه ويقول:

نفلق هاما من رجال أعزة

علينا وهم كانوا أعق وأظلما

أخبرنا محمد بن ناصر قال: أخبرنا جعفر بن أحمد بن السراج قال أخبرنا أبو طاهر محمد بن علي بن العلاف قال أخبرنا أبو الحسين ابن أخي ميمي قال ثنا الحسين بن صفوان قال ثنا عبد الله بن محمد بن أبي الدنيا القرشي قال ثنا محمد بن صالح قال ثنا علي بن محمد عن خالد بن يزيد بن بشر السكسكي عن أبيه عن

قبيصة ابن ذؤيب الخزاعي قال: قدم برأس الحسين فلما وضع بين يدي يزيد ضربه بقضيب كان في يده ثم قال:

نفلقن هاما من رجال أعزة

علينا وهم كانوا أعق وأظلما

قال ابن أبي الدنيا وثنا إبراهيم بن زياد قال ثنا عبد العزيز بن عبد الله ثنا عبد العزيز الدراوردي عن حرام بن عثمان عن أحد أحد أبناء جابر الأنصاري عن زيد بن أرقم قال: (كنت عند يزيد بن معاوية فأتي برأس حسين بن علي فجعل ينكت بالخيزران على شفتيه وهو يقول: نفلقن هاماً إلى آخره، فقلت له ارفع عصاك، فقال: تنهاني فقلت: أشهد لقد رأيت رسول الله ﷺ واضعاً حسناً على فخذه اليمنى، واضعاً يده اليسرى على رأس الحسين، وهو يقول: «اللهم أني استودعكهما وصالح المؤمنين»، فكيف كان حفظك يا يزيد وديعة رسول الله ﷺ ؟) .

قال ابن أبي الدنيا وثنا أبو الوليد قال ثنا خالد بن يزيد بن أسد قال ثنا عمار الدهني عن أبي جعفر قال: (وضع رأس الحسين بين يدي يزيد وعنده أبو برزة فجعل يزيد ينكت بالقضيب على فيه ويقول: (نفلقن هاماً ....) فقال له أبو برزة: ارفع قضيبك فوالله، لربما رأيت فاه رسول الله ﷺ على فيه يلثمه).

قال ابن أبي الدنيا وثنا سلمة بن شبيب قال ثنا الحميدي عن سفيان قال سمع سالم بن أبي حفصة يقول: قال الحسن: (جعل يزيد بن معاوية يطعن بالقضيب موضع في رسول الله ﷺ وا ذلاه! قال سفيان وأخبرت أن الحسن قال في إثر هذا الكلام:

سمية أمسى نسلها عدد الحصى

وبنت رسول الله ليس لها نسل

أنبأ علي بن عبيد الله الزاغوني قال أنبأ محمد بن أحمد الكاتب قال أنبأ عبد الله بن أبي سعد الوراق قال ثنا محمد بن حميد قال ثنا محمد بن يحيى الأحمري قال ثنا ليث عن مجاهد قال: (جيء برأس الحسين بن علي فوضع بين يدي يزيد بن معاوية فتمثل بهذين البيتين:

ليت أشياخي ببدر شهدوا

جزع الخزرج من وقع الأسل

فـأهـلـوا واسـتـهـلـوا فـرحـا

ثـم قـالـوا إلـي بـغـيـب لا تشـل

قال مجاهد: (نافق فيها ثم والله ما بقي في عسكره أحد إلا تركه أي عابه ولامه).

(قلت وهذه الأبيات لابن الزبعري) وهي:

ليـت أشـيـاخي ببـدر شـهـدوا

جـزع الـخـزرج مـن وقـع الأسـل

حـيـن ألـقـت بـقـبـاء بـركـهـا

واسـتـحر القتـل في عبـد الأشـل

وقتلنـا الضـعـف من سـاداتهم

وعـدلـنـا مـيـل بـدر فـاعـتـدل

وذلك أن المسلمين قتلوا يوم بدر خلقاً فقتلواهم يوم أحد خلقاً فاستشهد بها يزيد وكان غير بعضها ويكفي استشهاده بها خزياً.

فصل

اهل البيت عند يزيد:

ثم دعي يزيد بعلي بن الحسين والصبيان والنساء وقد أوثقوا بالحبال فأدخلوا عليه فقال له علي بن الحسين: يا يزيد ماظنك برسول الله ﷺ لو رآنا مقرنين بالحبال، أما كان يرق لنا؟ فقال له: يا علي أبوك الذي قطع رحمي ونازعني سلطاني فصنع الله به ما رأيت. ودعي بالنساء والصبيان، فأجلسوا بين يديه، فقام رجل من أهل الشام، فقال: يا أمير المؤمنين: هب لي هذه؟ يعني فاطمة بنت علي وكانت وضيئة، فأرعدت وظنت أنهم يفعلون فأخذت بثياب أختها زينب، فقالت زينب: كذبت والله ما ذلك لك ولا له، فغضب يزيد لذلك فقال كذبت إن ذلك لي ولو شئت أن أفعله لفعلت، قالت: كلا والله ماجعل ذلك لك إلا أن تخرج من ملتنا أو تدين بغير ديننا.

رجوعهم إلى المدينة المنورة:

ثم بعث بهم إلى المدينة وبعث برأس الحسين إلى عمرو بن سعيد بن العاص. وهو عامله على المدينة فتناول الرأس فوضعه بين يديه وأخذ بأرنبته، ثم أمر به فكفن ودفن عند قبر أمه فاطمة، هكذا قال محمد بن سعد.

وذكر ابن أبي الدنيا من حديث عثمان بن عبد الرحمٰن عن

محمد بن عمر بن صالح انهم وجدوا رأس الحسين في خزانه ليزيد فكفنوه ودفنوه بدمشق عند باب الفراديس. وعثمان ومحمد ليسا بشيء عند أهل الحديث والأول أصح.

أخبرنا ابن ناصر أبو محمد بن السراج قال أنبأ محمد قال أنبا أبوطاهر بن العلاف قال أنبأ ابن أخي ميمي قال ثنا الحسين بن صفوان قال ثنا خالد بن يزيد قال ثناعماد الدهني عن أبي جعفرقال: (لماقدموا المدينة خرجت امرأة من بنات عبد المطلب ناشرة شعرها واضعة كمها على رأسها تلقاهم وهي تبكي وتقول:

ما ذا تقولون إن قال النبي لكم

ما ذا فعلتم وأنتم الآخر الأمم

بعترتي وباهلي بعد مفتقدي

منهم أسارى وقتلى (ضرجوا) بدم

ما كان هذا جزائي إذ نصحت لكم

أن تخلفوني بسوء في ذي رحمي

وقال إبراهيم النخعي: (لوكنت ممن شايع على قتل الحسين ثم قيل لي ادخل الجنة لاستحييت أن يراني رسول الله ﷺ وقد فعلت ما فعلت). وذكر ابن أبي الدنيا أنه لما بلغ أم سلمة رضي الله عنها قتل الحسين قالت: (قتلوه ملأ الله قبورهم وبيوتهم ناراً) ثم وقعت مغشياً عليها.

أخبرنا أبو منصور القزاز قال ثنا أحمد بن علي بن ثابت قال ثنا ابن زرق قال ثنا أبو بكر محمد بن عمر الحافظ قال ثنا الفضل بن الحباب قال ثنا محمد بن عبد الله الخزاعي قال ثنا حماد بن سلمة عن عمار بن أبي عماد عن ابن عباس قال: (رأيت النبي فيما يرى النائم نصف النهار أشعث أغبر بيده قارورة، فقلت ما هذه القارورة؟ قال دم الحسين وأصحابه ما زلت ألتقطه منذ اليوم فنظرنا فإذا هو في ذلك اليوم قتل.

سوء صنع يزيد واللعن على ما فعل:

قلت: ليس العجب من فعل عمر بن سعد، وعبيد الله بن زياد، وإنما العجب من خذلان يزيد وضربه بالقضيب على ثنية الحسين، وإعادته إلى المدينة وقد تغيرت ريحه لبلوغ الغرض الفاسد، أفيجوز أن يفعل هذا بالخوارج؟ أو ليس في الشرع أنهم يصلى عليهم ويدفنون؟ وأما وقوله: لي أن أسبيهم، فأمر لا يقنع لفاعله ومعتقده إلا اللعنة ولو أنه احترم الرأس حين وصوله وصلى عليه ولم يتركه في طشت ولم يضربه بقضيب ما الذي كان يضره وقد

حصل له مقصوده من القتل، ولكن أحقاده الجاهلية ودليلها ما تقدم من إنشاده (ليت أشياخي ببدر شهدوا.....).

فصل

وقعة حرة وسببها:

ولما دخلت سنة اثنتين وستين ولّى يزيد عثمان بن محمد بن أبي سفيان المدينة فبعث إلى يزيد وفداً من المدينة، فلما رجع الوفد أظهروا شتم يزيد بالمدينة وقالوا: (قدمنا من عند رجل ليس له دين يشرب الخمر، و يعزف بالطنابير، ويلعب بالكلاب وإنا نشهدكم أنا قد خلعناه، وقال المنذر أما والله لقد أجازني بمئة ألف درهم وأنه لا يمنعني ما صنع إلي أن أصدقكم، والله إنه ليشرب الخمر وإنه ليسكرحتى يدع الصلاة، ثم بايعوا عبد الله بن حنظلة الغسيل وأخرجوا عثمان بن محمد عامل يزيد وكان ابن حنظلة يقول: «يا قوم والله ماخرجنا على يزيد حتى خفنا أن نرمي بالحجارة من السماء إن رجلاً ينكح الأمهات والبنات والأخوات ويشرب الخمر ويدع الصلاة والله لو لم يكن معي أحد من الناس لأبليت إليه فيه بلاء حسناً».

قال عبد الله بن عمرو وكان من الثقاة أتى أهل المدينة المنبر فخلعوا يزيد فقال عبد الله بن أبي عمرو بن حفص المخزومي: (قد خلعت يزيد كما خلعت عمامتي ونزعها عن رأسه وإني لأقول هذا وقد وصلني وأحسن جائزتي. ولكن عدو الله سكير) فبلغ الخبر إلى يزيد فبعث إلى مسلم بن عقبة وقال ادع القوم ثلاثاً فإن أجابوك، وإلا فقاتلهم فإذا ظهرت عليهم فأبحها ثلاثاً بما فيها من مال أو سلاح أو طعام فهو للجند فإذا مضت الثلاث فاكفف عنهم. فأباحها مسلم بن عقبة ثلاثاً يقتلون الرجال ويأخذون الأموال ويقعون على النساء، وكلمت امرأة مسلم بن عقبة في ولدها، وكان قد أسر، فقال: (قد أسر) فقال: (عجلوها فضربت عنقه). ثم دعى مسلم بالناس إلى البيعة ليزيد وقال بايعوا على أنكم خول له وأموالكم له، فقال يزيد بن عبدالله بن زمعة :(نبايع كتاب الله) فأمر به فضربت عنقه. وجيء بسعيد بن المسيب إلى مسلم فقالوا: بايع فقال: (أبايع على مسيرة أبي بكر وعمر) فأمر بضرب عنقه فشهد رجل أنه مجنون فخلي سبيله عنه

وذكرمحمد بن سعد في «الطبقات» أن مروان بن الحكم كان يحرض مسلم بن عقبة على أهل المدينة وجاء معه إلى أهل المدينة معيناً له حتى ظفر بأهل المدينة وانتهبها ثلاثاً فلما قدم مروان على يزيد شكر له ذلك وأدناه.

ذكر المدائني في كتاب الحرة عن الزهري أنه قال: (كان القتلى يوم الحرة سبع مائة من وجوه الناس من قريش والأنصار والمهاجرين ووجوه الموالي وممن لايعرف من عبد وحر وامرأة

عشر آلاف.

أخبرنا محمد بن ناصر قال أخبرنا المبارك بن عبد الجبار قال أخبرنا أبو الحسن محمد بن عبد الواحد قال أخبرنا أبو بكر أحمد بن إبراهيم بن شاذان قال أخبرنا أحمد بن شبيبة البزاز قال ثنا أحمد بن الحارث الخزاز ثنا أبو الحسن المدائني عن أبي عبد الرحمن القرشي عن خالد عن عمته أم الهيثم بنت يزيد قالت: (رأيت امرأة من قريش تطوف فعرض لها أسود فاعتنقته وقبلته، فقلت يا أمة الله أتفعلين هذا بهذا الأسود؟ قالت: ابني وقع عليَّ أبوه يوم الحرة فولدتُ هذا).

وعن المدائني، عن أبي قرة قال هشام بن حسان: (ولدت ألف امرأة من أهل المدينة بعد وقعة الحرة من غير زوج).

قلت: من أراد أن ينظر العجائب فلينظر إلى ما جرى يوم الحرة على أهل المدينة من إطلاق يزيد أصحابه في النهب والكتاب سماعنا من شيخنا أبي الفضل بن ناصر وهو أجزاء فلم نر التطويل.

من أراد بأهل المدينة سوءً

قال أنبأ ابن الحصين قال أنبأ ابن المذهب قال أنبأ أحمد بن جعفر قال ثنا عبد الله بن أحمد قال ثنا أبي قال ثنا أنس بن عياض قال ثنا يزيد بن خصيفة عن عطاء بن يسار عن السائب بن خلاد أن رسول الله ﷺ قال: «من أخاف أهل المدينة ظلماً أخاف الله وعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفاً ولا عدلاً».

أنبأ عبد الأول قال أنبأ الداوردي قال أنبأ ابن أعين قال ثنا العزيزي قال ثنا البخاري قال ثناحسين بن حريث قال ثنا الفضل بن جعيد عن عائشة قال سمعت سعداً قال سمعت النبي ﷺ يقول: «لايكيد أهل المدينة أحد إلا انماع كما ينماع الملح في الماء».

وقدأخرجه مسلم بمعناه: «لايريد أحد أهل المدينة بسوء إلا أذابه الله في النار دون الرصاص أو ذوب الملح في الماء». وأخرج مسلم من حديث أبي هريرة عن النبي ﷺ أنه قال: «اللهم بارك لأهل المدينة في مدهم »، وقال: «من أراد بأهلها سوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء».

بلادة عبد المغيث:

وقد زعم الخصم الأبله أن المراد بالحديث من أخافها بغير تأويل، وهذا الذي علمه هذا المغفل من معنى الحديث لا شك أنه خفي عن الإمام أحمد حتى قال أليس قد أخاف المدينة، وما علم أحد أنه كان بتأويل ثم يقدر أنه يجوز إخافتها لموضع الخروج عليه -وإن كان لنا في هذاكلام- أفيجوز أن يأمر بإباحتها ونهبها ثلاثاً؟ وقد ذكرنا أنه أمر بذلك، ثم أليس قد رضي بما جرى ولم ينكر؟ لا، بل شَكَرَ مروان بن الحكم على ذلك على ماسبق ذكره. وإن الاعتذار عن هذا أقبح منه.

فصل

هتك حرمة بيت الله الحرام:

كانت وقعة الحرة في يوم الأربعاء لليلتين بقيتا من ذي الحجة سنة ثلاث وستين، فلما دخلت سنة أربع وستين وقد فرغ مسلم بن عقبة من قتال أهل المدينة وإنهاب جنده أموالهم، سار متوجهاً إلى مكة لقتال ابن الزبير (فمات في الطريق فكان بين نهبه للمدينة وموته أيام. فلقد ذاب كما يذوب الملح في الماء)، وكان لحماقته المتوفرة يقول عند موته (اللهم إني لا أعمل عملاً قط بعد شهادة أن لا إله إلا الله، أحب إلي من قتال أهل المدينة، ولئن دخلت النار بعدها إني لشقي)، (ثم دعى) حصين بن نمير السكوني فقال له: (أمير المؤمنين ولاك بعدي فأسرع السير ولا تؤخر ابن الزبير إلا ثلاثاً حتى تناجزه)، فمضى حتى حاصر ابن الزبير وضيق عليه أربعة وستين يوماً جرى فيها قتال شديد، وقذفت الكعبة بالمنجنيق يوم السبت ثالث ربيع الأول، وأخذ رجل قبساً في رأس رمح فطارت به الريح فاحترق البيت فجاءهم نعي يزيد بن معاوية بهلال ربيع الأول. فكانت بين الحرة وبين موته ثلاثة أشهر فلقد ذاب كما يذوب الرصاص في النار كما روينا عن رسول الله ﷺ في حق من يقصد أهل المدينة بسوء، واقتصرنا على هذا النبذ لأن المقصود يحصل بها فمن أراد زيادة علم على ذلك فلينظر كتابي المسمى «المنتظم».

فصل

نظرة عابرة حول الاستدلال لنصرة يزيد:

فاما ما احتج به هذا الشيخ في «نصرة يزيد، فمن الحجج التي لايصح» أن تسمى شبهة.

الجسارة على الإمام أحمد رحمه الله:

أنه قال: (ما ذكرتموه عن أحمد من أنه أجاز لعنة يزيد) واحتج بقوله (فهل عسيتم إن تَوَلَّيتم أن تُفسدوا في الأرض) بأنها نزلت في منافقي اليهود فكيف يجعلها أحمد عامة في أهل التوحيد، قلنا: مابلغ من أمرك أن ترد على أحمد، ثم جوابك على أحمد من ثلاثة وجوه:

أحدها: إن هذا إنما نقلته من تفسير مقاتل بن سليمان، ومقاتل كذاب بإجماع المحدثين لا يدري ما يقول.

قال وكيع: مقاتل بن سليمان كذاب.
قال السعدي: كان دجالاً جسوراً.
قال البخاري: مقاتل لاشيء البتة.
قال زكريا الساجي: كذاب متروك.
وقال الرازي: متروك الحديث.
وقال أبو عبدالرحمن النسائي: الكذابون المعروفون بوضع الحديث على رسول الله ﷺ أربعة: (إبراهيم بن أبي يحيى) بالمدينة،

و(الواقدي) ببغداد، و(مقاتل بن سليمان) بخراسان، و (محمد بن سعيد) بالشام.

وقال ابن حنان: كان مقاتل يأخذ عن اليهود والنصارى علم القرآن الذي يوافق كتبهم، (كان شبهياً يشبه الرب بالمخلوقين) وكان يكذب مع ذلك (في الحديث).

الثاني: أنا قد ذكرنا أن أحمد بن حنبل فسره بولاية المسلمين فكيف قدمت كلام مقاتل الكذاب على كلام أحمد؟ وأي ولاية لليهود؟.

الثالث: أنه لو نزلت في اليهود لم يضرنا لأن الحكم أعم من السبب فنزول الآية في حق قوم لايمنع من عموم حكمها والخطاب بها.

الاستشهاد ببيعة ابن عمر رضي الله عنه ليزيد

قال هذا الشيخ كيف يظن بالإمام أحمد مع كونه يقول: «كيف أقول ما لم يقل» إنه يذهب عليه قولنا هذا الصحابة ابن عمر وأنه بايع يزيد، أفتراه يستجيز أن يعدل عن مافعل ابن عمر؟ قلنا: يا قليل العلم بالسير. قد ذكرنا أن ابن عمر لما سمع ببيعة يزيد هرب إلى مكة وأنه قيل له عند البيعة إن أنكرت قتلناك فبايع ضرورة.

الاستمساك بسكوت الإمام أحمد رحمه الله:

قال هذا الشيخ فقد روى أبو طالب قال: (سألت أحمد بن حنبل عمن قال: «لعن الله يزيد بن معاوية» فقال: لا نتكلم في هذا، الإمساك أحب إلي) والجواب: أن هذه الرواية لا تناقض الأولى، لأن هذه تدل على اشتغال الإنسان بنفسه عن ذكر غيره، والأولى تدل على جواز اللعنة كما قلنا في تقديم التسبيح على لعنة إبليس، وينبغي أن يعلم أن أبا بكر الخلال وصاحبه عبد العزيز والقاضي أبا يعلى وابنه أبا الحسين أعرف بالمذهب منك، وقد ذكرنا رواياتهم وأخبارهم فإن كنت ما سمعت بذلك فاسمع وانظر في كتبهم ترى جواز ذلك وقد لعن أحمد بن حنبل من يستحق اللعن، فقال أحمد في رسالة مسدد قالت: (الواقفة ملعونة والمعتزلة ملعونة)، وروى الخلال في كتاب السنة قال عبيد الله بن أحمد الحلبي سمعت أحمد بن حنبل يقول: (على الجهمية لعنة الله) وكان الحسن يلعن الحجاج ، وأحمد يقول الحجاج رجل سوء.

الانتصار ليزيد من دعاء النبي ﷺ لمعاوية رضي الله:

قال هذا الشيخ قد قال النبيﷺ في حق معاوية: «اللهم اجعله هادياً واهد به». قال ومن كان هادياً لا يجوز أن يطعن عليه فيما اختار من ولاية يزيد. قلنا له اعرف أولاً صحة الحديث ثم ابن علية ولعلنا إن بيناه تظننا نتعصب على معاوية، ولكنا نوضحه للمستفيدين.

أخبرنا به علي بن عبيد الله الزاغوني قال أنبأ علي بن أحمد بن التستري قال أنبأ أبو عبيد الله بن بطة العكبري قال ثنا البغوي قال ثن محمد بن إسحاق قال أنبأ هشام بن عمار قال ثنا عبد العزيز

بن الوليد سليمان القرشي عن أبيه أن عمر بن الخطاب ولى معاوية بن أبي سفيان فقالوا: ولى حديث السن، فقال: تلومونني وأنا سمعت رسول الله يقول: «اللهم اجعله هادياً واهد به».

وبطريق آخر أخبرنا علي بن عبيد الله قال أنبأ علي بن البشري قال أنبأ أبو عبيد الله بن بطة قال ثنا القافلاي وابن مخلد قالا ثنا محمد بن إسحاق قال ثنا يحيى بن معين قال ثنا أبو مسهر قال أنبأ سعيد بن عبدالعزيز عن ربيعة بن يزيد عن عبد الرحمن بن أبي عمرة قال: سمعت النبي ﷺ يدعو لمعاوية: «اللهم اجعله هادياً واهد به».

مدار الطريقين على محمد إسحاق بن حرب البلخي، وكان كذاباً يبغض أمير المؤمنين علي بن ابي طالب رضي الله عنه، وكان قتيبة بن سعيد يذكره بأسوأ الذكر، ويقول حدثت أنه بالكوفة شتم أم المؤمنين فأرادوا أخذه فهرب، قال أبو علي صالح بن محمد الحافظ: (كان محمد بن إسحاق كذاباً يضع للكلام إسناد ويروي أحاديث مناكير).

وقال ابن حبان: (يأتي عن الثقات بما ليس من حديث الأثبات (كأنه المتعمد لها) لايكتب حديثه إلا للاعتبار.

قلت قد روي من طريق آخر: أخبرنا به أبو البركات بن علي قال أنبأ أبو بكر الطوسي قال أنبأ أبو القاسم الطبري قال ثنا علي بن عمر قال ثنا إسماعيل بن محمد قال ثنا عباس بن محمد قال ثنا أبو مسهر، فذكر نحوه قال الدار قطني: إسماعيل كذاب.

ثم ليس من ضرورة الدعاء الإجابة إذ لو وقعت في كل حال ما حرب صفين وتولية يزيد.

فصل

الاستدلال بقول بعض المحدثين:

حكى هذا الشيخ عن بعض المحدثين أنه قال: ولاية يزيد ثبتت برضى الأمة إلا خمسة: عبد الرحمن بن أبي بكر، وابن عمر، وابن الزبير، والحسين، وابن عباس.

والجواب: كيف رويت عن ابن عمر أنه ما رضي وأنت تحتج بأنه بايع فما يفهم، (وقدذكرنا أنه لما بايع معاوية ليزيد هرب ابن عمر إلى مكة ولما مات معاوية وبويع يزيد هرب ابن عمر مرة أخري إلى مكة وإنما بايع خوفاً على نفسه). واعلم أنه ما رضي ببيعة يزيد أحد فيمن يعول عليه حتى العوام أنكروا ذلك غير أنهم سكتوا خوفاً على أنفسهم والعلماء يحكمون بصحة الإمامة إذا وقعت قهراً لموضع الضرورة. وقد انعقد إجماع الفقهاء على أن الإمامة واجبة لأن انتظام أمر الدين والدنيا مقصود شرعاً ولا يحصل إلا بإمام مطاع فوجب نصب الإمام. وبيانه أن الآدمي لا بد أن يخالط جنسه، والطباع تقصد الظلم ولا بد من وزعة لتسلم الدنيا

والدين. وأجمع العلماء على أنه لا يجوز التنصيص على إمام بالتشهي وأنه لابد له من صفات. وصفات الإمام وشروط الإمامة جمعها الحسين رضي الله عنه لا يقاربه فيها أحد من أهل زمانه، وقال الفقهاء ولا يجوز ولاية المفضول على الفاضل إلا أن يكون هناك مانع إما من خوف فتنة أو يكون الفاضل غير عالم بالسياسة ويدل على تقديم الأفضل أن في الصحيحين من حديث عمر «أن أبا بكر يوم السقيفة أخذ بيد عمر وبيد أبي عبيدة بن الجراح وقال قد رضيت لكم أحد هذين الرجلين فبايعوا أيهما شئتم، قال عمر: كأن والله أن أقدم فتضرب عنقي لاتقربني من ذلك إثم أحب من أن أتأمر على قوم فيهم أبوبكر». هذا حديث متفق على صحته وقد ذكرنا عن هذا الجاهل أنه قال حديث السقيفة ليس في الصحيح وما هذا قول من له أنس بالحديث.

ولما ولي أبو بكر عمر رضي الله عنهما دخل عليه جماعة فقالوا: (ما أنت قائل لربك إذا سألك عن استخلاف عمر وقد ترى غلظته؟ فقال: أبو بكر أجلسوني، أبالله تخوفوني؟ أقول: اللهم استخلفت عليهم خير خلقك.

وفي الصحيح أن عمر: (لما جعل الخلافة شورى في ستة قال يشهدكم ابن عمر وليس له من الأمر شيء). وقد كان ابن عمر خيرا من ألف مثل يزيد، وإذا ثبت أن الصحابة كانوا يطلبون الأفضل ويرونه الأحق، أفيشك أحد أن الحسين أحق بالخلافة من يزيد لابل مَن هو دون الحسين في المنزلة كعبدا لرحمٰن بن أبي بكر، وعبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير، وعبد الله بن عباس، وما في هؤلاء إلا من له صحبة ونسب ونجدة وكفاية وورع وعلم وافر لا يقاربهم يزيد في شيء من ذلك فبأي وجه يستحق التقديم؟ ومارضي ببيعة يزيد لا عالم ولا جاهل ولو قيل لأجهل الناس أيهما أصلح؟ الحسين أو يزيد؟ لقال: الحسين. فبان بما ذكرنا أن ولايته كانت قهراً، وإنما سكت الناس خوفاً، ومن جملة من خرج ولم يبايع ابن عمر فلما خاف على نفسه بايع فنظر هذا الشيخ إلى صورة المبايعة ونسي أنها كانت عن إكراه. ولما كتب أهل العراق إلى الحسين أن أقبل إلينا نبايعك رأى أنه الأحق وظن فيهم النصرة فخذلوه ولذلك تولى ابن الزبير الخلافة لأنه رأى أنه الأحق، وهذا الشيخ لايفرق بين والٍ مستحق وبين والٍ غير مستحق يصبر عليه ضرورة .

فصل

مبحث إطاعة الولاة الظلمة:

وساق هذا الشيخ أحاديث في وجوب الطاعة للأئمة وإن جاروا، وقال: قال أحمد بن حنبل: (أرى الغزو مع الأئمة وإن جاروا، وأرى الصلاة خلف كل بر وفاجر وقد صلى ابن عمر خلف الحجاج).

قلنا أيها القليل الفهم إنما جاز هذا لموضع الضرورة ولهذا، قال أحمد: (نسمع للبر والفاجر ولمن غلب بالسيف) كل ذلك حذراً من الفتن وكان الصحابة يصلون خلف الحجاج ويصبرون على أذاه ضرورة، وكان الحسن البصري يلعن الحجاج ويدعو عليه وينهي عن قتاله لخوف الفتنة.

أخبرنا محمد بن ناصر قال أنبأ محمد بن علي بن ميمون قال أنبأ أبو عبد الله محمد بن علي الحسني قال أنبأ زيد بن جعفر بن حاجب قال ثنا أبو محمد صالح بن وصيف البكائي قال ثنا محمد بن مسلم بن عثمان الأموي قال ثنا محمد بن سهل بن عمير المازني قال ثني والدي قال: (كنت في مجلس الحسن البصري إذ مر به الحجاج فجلس إليه ثم قام، فركب، فقام رجل، فقال يا أبا سعيد أمر ببغتي، وأخذت بفرس وسلاح،ولا والله ما في عطاي ثمن الفرس ولا نفقة عيالي، فأرسل الحسن عينيه بالبكاء ثم قال: ما لهم قاتلهم الله اتخذوا عباد الله خولا ومال الله دولاً، وكتاب الله دغلاً، واستحلوا الخمر بالنبيذ، يأخذون من غير حق وينفقون في سخط الله، فإذا أقبل عدو الله ففي سرادقات محفوفة وبغال زفافة، وإذا أقبل أخوه المسلم فضاو راجل). وخطب الحجاج فأطال الخطبة حتى خرج وقت العصر، فقال الحسن قوموا الصلاة جامعة ثم التفت إلى جلسائه، فقال بعث إليهم أخيفش أعيمش ملعون معذب فقام الحسن، وقام الناس فقطع الحجاج الخطبة ونزل فصلى بهم وطلب الحسن فلم يقدر عليه.

أخبرنا ابن ناصر قال أنبأ أبو عبد الله الحميدي قال أنبأ أبو عبد الله القضاعي و أبو القاسم الصميري قالا ثنا أبو مسلم الكاتب قال أنبأ ابن دريد قال ثنا أبو عثمان ابن مضر قال ثنا سعيد بن يزيد قال: كنا عند الحسن فجاءه رجل فقال : يا أبا سعيد قتل الحجاج سعيد بن جبير، فقال الحسن: لعنة الله على الحجاج الفاسق بن يوسف.

أخبرنا إسماعيل بن أحمد قال أنبأ عمر بن عبد الله قال أنبأ ابن بشران قال أنبأ عثمان بن أحمد قال ثنا حنبل قال ثنا هارون قال ثنا ضمرة قال ثنا ابن شوذاب عن أشعث الحدني قال: (رأيت الحجاج في منامي بحال سيئة فقلت ما صنع بك ربك؟ قال: ما قتلت أحداً قتلة إلا قتلني بها، قلت: ثم مه، قال: ثم أمرني إلى النار فقلت: مه قال ثم أرجوا ما يرجو أهل لا إله إلا الله). فكان ابن سيرين يقول: إني لأرجو له، فبلغ الحسن، فقال: أما والله ليخلفن الله رجاءه يعني ابن سيرين.

أخبرنا محمد بن عبد الباقي قال أنبأ محمد بن أحمد قال ثنا أبونعيم أحمد بن عبدالله قال ثن محمد بن إبراهيم بن علي قال ثنا أبو عروبة قال ثنا عمرو بن عثمان قال ثنا أبي قال سمعت جدي قال: (كتب عمر بن عبد العزيز إلى عدي بن أرطاة لا تستن بسنة

الحجاج، فإنه كان يصلي الصلاة لغير وقتها، ويأخذ الزكاة في غير حقها، وكان لما سوى ذلك أضيع.

قال أبو نعيم وحدثنا أبو محمد حامد بن جبلة قال ثنا محمد بن إسحاق قال ثنا محمد بن الصباح قال ثنا عبدالله بن رجاء عن هشام بن حسان قال: (قال عمر لو أن الأمم تخابثت يوم القيامة فأخرجت كل أمة خبيثها، ثم أخرجنا الحجاج لغلبناهم).

سيرة عمر بن عبد العزيز في الخلافة:

وقد كان عمر بن عبد العزيز يدم أقاربه الولاة لظلمهم، ولم يمنعه كونهم ولاة. أخبرنا علي بن محمد بن أبي عمر الدباس قال أنبأ محمد بن الحسن الباقلاوي قال أنبأ عبد الملك بن بشران قال ثنا أبو بكر الآجري قال ثنا أبو عبد الله بن مخلد قال ثنا سهل بن يحي بن محمد المروزي قال أنبأ أبي عن عبد العزيز قال: (لما ولي عمر بن عبد العزيز جعل لا يدع شيئاً مما كان في يده وفي يد أهل بيته من المظالم إلا ردها مظلمة مظلمة، فبلغ ذلك عمر بن الوليد بن عبد الملك فكتب إليه: أنك قد أزريت على من قبلك من الخلفاء وسرت بغير سيرتهم، وخصصت أهل قرابتك بالظلم والجور فكتب إليه عمر: أما أول شأنك ابن الوليد كما زعم، فأمك بنانة، كانت تطوف في سوق حمص، والله أعلم بها، اشتراها ذبيان من فئ المسلمين، ثم أهداها لأبيك، فحملت بك فبئس المحمول وبئس المولود، ثم نشأت فكنت جباراً عنيداً، تزعم أني من الظالمين، وإن أظلم مني وأترك بعهد الله من استعملك صبياً سفيهاً على جند المسلمين تحكم فيهم برأيك، فويل لك، وويل لأبيك، ما أكثر خصمائكما يوم القيامة وكيف ينجو أبوك من خصمائه، وإن أظلم مني وأترك لعهد الله من استعمل الحجاج بن يوسف بسفك الدم الحرام، يأخذ المال الحرام، وإن أظلم مني وأترك لعهد الله من استعمل قرة بن شريك إعرابياً جافياً على مصر أذن له في المعازف واللهو والشرب وإن أظلم مني، وأترك لعهد الله من جعل لغالبة البربرية سهماً في خمس العرب، فرويداً لو تفرغت لك، ولأهل بيتك وضعتكم على المحجة البيضاء، فطالما تركتم الحق وأخذتم في بنيات الطريق وما وراء هذه ما أرجو أن يكون رأيته بيع رقيتك، وقسم ثمنك بين اليتامى والمساكين والأرامل فإن لكل فيك حقاً.

أخبرنا إسماعيل بن الفضل قال أنبأ محمد بن هبة الله الطبري قال أنبأ محمد بن الحسين بن الفضل قال أنبأ عبد الله بن جعفر بن درستويه قال أنبأ يعقوب بن سفيان قال ثنا سعيد بن أسد قال ثنا ضمرة عن ابن شوذب قال عرض على عمر بن عبد العزيز جوار وعنده العباس بن الوليد بن عبد الملك فجعل كلما مرت به جارية تعجبه، قال: (يا أمير المؤمنين اتخذ هذه) فلما أكثر، قال له عمر:

(أتأمرني بالزنا)، قال: فخرج العباس فمر بأناس من أهله، فقال: (مايجلسكم بباب رجل يزعم أن آباءكم زناة).

قال يعقوب وثنا محمد بن أبي زكريا قال ثنا ابن وهب قال ثنا مالك (أن عمر بن عبد العزيز قال لسليمان بن عبد الملك: حق هذه المرأة ألا تدفعه إليها قال: وأي امرأة؟ قال: فاطمة بنت عبد الملك، قال سليمان: أو ما علمت وصية أمير المؤمنين عبد الملك قم يا فلان فائتني بكتاب أمير المؤمنين، وكان كتب أنه ليس للبنات شيء، فقال عمر: إلى المصحف أرسلته؟

أخبرنا ابن ناصر قال أنبأ جعفر بن أحمد قال أنبأ أبو علي التميمي، قال ثنا أبو بكر بن مالك قال ثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل قال ثنا أبي قال ثنا يزيد قال ثنا عبد الله بن يونس عن سيار بن الحكم: قال: (لما دخل سليمان بن عبد الملك قبره، أدخله عمر بن عبد العزيز وابنه سليمان، فاضطرب علي أيديهما فقال ابنه: عاش والله أبي، فقال: لا والله ولكن عوجل أبوك).

أخبرنا محمد بن عبد الباقي قال ثنا أحمد بن محمد قال ثنا أبو نعيم الحافظ قال ثنا أحمد بن محمد بن سنان قال ثنا حاتم بن الليث الجوهري قال ثنا الحجاج قال ثنا حماد بن سلمة عن علي بن زيد عن سعيد بن المسيب قال: (ما أصلي لله عزوجل إلا دعوت على بني مروان).

فصل

هل كان خروج الحسين رضي الله عنه باطلا؟

قال الخصم قد ذهب قوم إلى أن الحسين كان خارجياً. قلنا إنما يكون خارجي لمن خرج على مستحق، وإنما خرج الحسين لدفع الباطل وإقامة الحق. ونقلت من خط ابن عقيل قال: قال رجل كان الحسين خارجياً فبلغ ذلك من قلبي، فقلت لو عاش إبراهيم ابن رسول الله ﷺ صلح أن يكون نبياً فهب أن الحسن والحسين (نزلا عن رتبة إبراهيم مع كون النبي) قد سماهما ابنيه، أفلا يصلح ولد ولده أن يكون إماماً بعده.

وأما تسميته خارجياً وإخراجه من الإمامة لأجل صول بني أمية. هذا ما لا يقتضيه عقل ولا دين، قال ابن عقيل: ومتى حدثتك نفسك بوفاء الناس فلا تصدق. هذا رسول الله ﷺ أكبر الناس حقوقاً على الخلق، هداهم وعلمهم وأشبع جائعهم وأعز ذليلهم ووعدهم الشفاعة في الآخرة وقال: (لا أسألكم عليه أجرًا إلا المودة في القربى) فقتلوا أصحابه وأهلكوا أولاده.

السكوت عن ذم يزيد لأجل معاوية رضي الله عنه:

قال الخصم: هلا سكتم عن يزيد احتراماً لأبيه؟ قلنا ما سكت أحمد بن حنبل، ولا خلال، ولا غلامه أبو بكر عبد العزيز، ولا

القاضي أبو يعلى، ولا ابنه أبوالحسن، وهو شيخك، فهلا وافقت شيخك وما ردعك عن موافقته إلا أحد أمرين: إما الجهل بالحال أو أن يكون المقصود خالف تعرف، ثم لا يختلف الناس أن سعد بن أبي وقاص من العشرة المشهود لهم بالجنة ومن أهل بدر ومن أصحاب الشورى وما سكت الناس عن ابنه عمر لما فعل بالحسين، فالدين لايحتمل المحاباة.

استدلال بسخاوة یزید:

واحتج هذا الشيخ بأن يزيد كان كريماً وأنه أعطى عبد الله بن جعفر أربعة آلاف ألف. قلنا ما مدحته به هو الذم لأنه تبذير في بيت مال المسلمين وليس بماله فمن فعل ذلك كان مذموماً لا ممدوحاً، و إنما كان يعطي الناس ليسكتوا عنه .

إثبات تعدیل یزید بتلاوۃ القرآن

قال:فقد كان من القرن الثاني وقد قال رسول الله ﷺ «خيركم قرني ثم الذين يلونهم». قلنا إنما أشار ﷺ إلى عموم القرن لا إلى من يندر من الفساق وقد كان في القرن الثاني الحجاج وغيره من الظلمة ومن المبتدعة كمعبد الجهني.

قال: هذا الشيخ فقد روي أن قوماً دخلوا على يزيد وهو يقرأ في المصحف قلنا على هذا نقطع (.....) في جواب هذه الحجة.

نسأل الله عزوجل أن يمتعنا بعقولنا ويحفظنا من موافقة أهوائنا إنه قريب مجيب والحمد لله وحده وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

احیاالمیّت بفضائل اهل البیت

فضائل اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین

المحدث الکبیر حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

انما یرید اللہ لیذھب عنکم
الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

احیاء المیت بفضائل اھل البیت

رضوان اللہ علیھم اجمعین

فضائل اہل بیت

تالیف:
المحدث الکبیر المفسر الجلیل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ:
حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب
حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب

مترجم
مفتی شعیب احمد

سعی واصلاح
میاں رضوان نفیس

شاہ نفیس اکادمی
۲۶/۱۱ سعدی پارک ۰ مزنگ ۰ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''احیاء المیّت بفضائل اهل بیتؓ''

المحدث الکبیر والمفسر الجلیل حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ یکم رجب ۸۴۹ھ مطابق ۳/اکتوبر ۱۴۴۵ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ امت کے ان مشاہیر علماء میں شامل تھے، جو کثیر التصانیف ہیں۔ آپ کی ہر موضوع پر کتاب مل جاتی ہے، جو آپ کے علم کے توسع کی دلیل ہیں۔

آپ نے اپنے رسالہ ''احیاء المیت بفضائل اہل بیتؓ'' میں ساٹھ احادیث مبارکہ قلم بند فرمائی ہیں، جو فضائل اہل بیتؓ پر روشن دلیل ہیں۔ رسالہ عربی زبان میں تھا۔ اس کا جناب رضوان نفیس صاحب نے ترجمہ شائع کیا۔ انہیں ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں نمبر ۲ پر شائع کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام ہو اللہ کے ان بندوں پر جو چنے ہوئے ہیں۔ (یعنی انبیاء علیہم السلام)

(حضرات اہل بیتؓ کے فضائل ومناقب میں) یہ ساٹھ حدیثیں ہیں جن کا نام میں نے ''احیاء المیت بفضائل اھل البیت'' رکھا۔

حدیث نمبر ۱

عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ {قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ} قال قربی رسول اللہ ﷺ (بخاری شریف: ۲۸۸/۳)

(ترجمہ) حضرت سعید بن جبیرؓ اللہ تعالیٰ کے ارشاد {قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ} کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس (آیت مبارکہ میں القربی کے الفاظ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار مراد ہیں۔

حدیث نمبر ۲

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ لما نزلت ھذہ الآیۃ: {قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ}۔ قالوا یا رسول اللہ! من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم؟ قال ﷺ: علی، فاطمۃ وولداھما۔

(المعجم الکبیر طبرانی: ۶۲۴۱)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی {قل لا اسئلکم ... الخ} تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں میں سے آپ کی قرابت والے کون ہیں کہ جن کے ساتھ محبت کرنا ہمارے لئے ضروری ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ، فاطمہؑ اور ان کی اولادؑ۔

حدیث نمبر ۳

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ: {و من یقترف حسنۃ}
قال: المودۃ لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (قرطبی: ۸۔ ۲۴)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے اللہ جل شانہ کے ارشاد {و من یقترف حسنۃ} (ترجمہ: اور جو کوئی نیکی کرے) کے متعلق منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا: اس آیت شریفہ میں نیکی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل و اولاد کی محبت مراد ہے۔

حدیث نمبر ۴

عن المطلب بن ربیعۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اللہ لا یدخل قلب امرئ مسلم ایمان حتی یحبکم للہ و لقرابتی۔ (ترمذی ۳۷۵۷)

(ترجمہ) حضرت مطلب بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم مسلمان آدمی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اللہ کے واسطے اور میری رشتے داری کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرے۔

حدیث نمبر ۵

عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذکرکم اللہ فی اھل بیتی (مسند احمد: ۱۷۷۸۰)

(ترجمہ) حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے اہل بیت کے بارے میں میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں۔ (یعنی ان کے حقوق کی رعایت کی جائے اور ان کی تعظیم بجالائی جائے ورنہ اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ ہے)

حدیث نمبر ۶

عن زید بن ارقم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انی تارک فیکم ما ان

تمسکتم به لن تضلوا بعدی: کتاب الله، وعترتی اهل بیتی۔ ولن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض، فانظروا کیف تخلفونی فیهما۔ (ترمذی: ۳۷۶۸)

(ترجمہ) حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں تم میں ایسی چیز چھوڑنے والا ہوں اگر تم اس کو (اپنے علم وعمل میں دونوں کو مضبوطی سے) پکڑ لو (یعنی ان کی اتباع کرو) تو تم ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے: (۱) کتاب اللہ (قرآن پاک)، (۲) میری اولاد میرے اہل بیت ہیں اور ہرگز وہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آ جائیں اور پس تم دیکھو، غور کرو کہ تم ان کے بارے میں میرے بعد کیا طرز عمل اپناتے ہو۔

(فائدہ: مذکورہ بالا حدیث مختلف طرق اور الفاظ سے آئی ہے۔ اہل علم کے درمیان یہ حدیث ثقلین کے نام سے معروف ہے۔ بعض حضرات نے اس کے ظاہری معنی کو دیکھتے ہوئے اس کی صحت کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ اس کا مفہوم ادنی تامل سے واضح اور بے غبار ہو جاتا ہے اور وہ ایسے کہ دین کے مسائل کا ایک بہت بڑا حصہ اہل بیت ہی کے ذریعے حاصل ہو۔ (۱) ازواج مطہرات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے وہ معمولات حاصل ہوئے جو گھر کے اندر کے تھے، (۲) اور حضرت علیؓ سے باغیوں سے متعلق احکام کا بڑا ذخیرہ ملا، (۳) حضرات حسنینؓ کی سیرت سے بھی بہت سے دینی مسائل ماخوذ ہیں اگر اہل بیت کا ان مسائل میں اتباع نہ کریں تو ظاہر ہے ان کے خلاف چل کر گمراہی اور بربادی میں مبتلا ہوں گے۔ (ماخوذ از فہم حدیث ج ۱ ص ۲۴۸)

حدیث نمبر ۷

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: انی تارك فیکم ما ان تمسکتم به بعدی لن تضلوا: کتاب الله. و عترتی اهل بیتی. انهما لن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض۔ (مسند احمد: ۲۱۰۶۸)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: بے شک میں تم میں چھوڑتا ہوں اس چیز کو کہ اگر تم اس کو میرے بعد مضبوطی سے پکڑ لو تو تم گمراہ نہ ہو گے: کتاب اللہ (یعنی کلام پاک) اور میرے خاندان والے جو کہ میرے اہل بیت ہیں۔ بے شک وہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آ جائیں۔

حدیث نمبر ۸

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: انی اوشك ان ادعی فاجیب، و انی تارك فیکم الثقلین: کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی. و ان اللطیف الخبیر خبرنی انهما لن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض، فانظروا کیف تخلفونی فیهما. (مسند احمد: ۱۰۷۴۷)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ مجھے اللہ جل شانہ کی طرف سے موت کا پیغام آ جائے اور میں اس پر لبیک کہوں اور بے شک میں تم میں ثقلین (مہتم بالشان چیزیں) چھوڑنے والا ہوں: کتاب اللہ اور میری اولاد جو کہ میرے اہل بیت ہیں۔ اور بے شک اللہ جل شانہ نے جو کہ لطیف اور خبیر (خبر رکھنے والے ہیں) مجھے خبر دی ہے کہ وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس آ جائیں، پس غور کرو کہ تم ان کے بارے میں میری جانشینی کا حق کیسے ادا کرتے ہو۔

حدیث نمبر ۹

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ احبوا اللہ لما یغذو کم به من نعمه و احبونی لحب اللہ، و احبوا اهل بیتی لحبی

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، کیونکہ اس نے نعمتیں عطاء کیں، یعنی کھانے پینے کی

اشیاء دیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کی وجہ سے اور تم میرے اہل بیت سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے۔ (ترمذی:۳۷۸۹)

حدیث نمبر ۱۰

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال: ارقبوا محمداً ﷺ فی اھل بیتہ۔

(بخاری:۳۵۴۱)

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ تم اہل بیتؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے حق کی رعایت کرو۔

حدیث نمبر ۱۱

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: یا بنی عبدالمطلب! انی سالت اللہ فیکم ثلاثاً: ان یثبت قلوبکم. و ان یعلم جاھلکم. و یھدی ضالکم. و سالتہ ان یجعلکم جوداء. نجداء. رحماء۔ فلو ان رجلاً صفن بین الرکن و المقام. فصلی و صام. ثم مات ھو مبغض لاھل بیت محمدٍ. دخل النار۔ (طبرانی کبیر:۱۱۴۱۲)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبدالمطلب! میں اللہ پاک سے تمہارے لئے تین چیزوں کی دعا کرتا ہوں: (۱) یہ کہ وہ تمہارے قلوب کو مضبوط کر دے، (۲) اور وہ تمہارے ان پڑھ لوگوں کو علم سے نواز دے، (۳) تمہارے گمراہوں کو شرف ہدایت بخشے اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں سخی بنا دے اور بہادر اور رحم دل۔

حدیث نمبر ۱۲

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: بعض بنی ھاشم و الانصار. کفر۔ و بغض العرب. نفاق۔ (طبرانی:۱۱۳۱۲)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنو ہاشم اور انصار سے بغض کفر ہے اور اہل عرب سے بغض نفاق ہے۔

حدیث نمبر ۱۳

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من ابغضنا اہل البیت، فھو منافق۔ (طبرانی اوسط بمعناہ: ۲۱۲۵)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جس نے ہم اہل بیت سے بغض رکھا وہ منافق ہے۔

حدیث نمبر ۱۴

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ: و الذی نفسی بیدہ لا یبغضنا اہل البیت رجل الا ادخلہ اللہ النار (مستدرک: ۴۷۲۷)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو بھی ہم اہل بیت سے بغض رکھے گا اللہ اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔

حدیث نمبر ۱۵

عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ انہ قال لمعاویۃ بن خدیج: یا معاویۃ بن خدیج! ایاک و بغضنا. فان رسول اللہ ﷺ قال: لا یبغضنا احد، لا یحسدنا احد، الا ذید یوم القیامۃ عن الحوض بسیاط من نار۔

(طبرانی کبیر: ۲۷۲۶)

(ترجمہ) حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ بن خدیجؓ سے کہا کہ اے معاویہ بن خدیج! آپ ہمارے بغض سے بچو، کیونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہمارے ساتھ بغض رکھتا ہے اور ہم پر حسد کرتا ہے قیامت کے دن اس کو آگ کے کوڑے سے ہانک کر حوض کوثر سے دور کر دیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۶

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من لم یعرف حق عترتی و الانصار، فهو لاحدی ثلاث: اما منافق، و اما لزنیة، و اما لغیر طهور، یعنی حملته امه علیٰ غیر طهر۔ (شعب الایمان: ۱۶۱۴)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اولاد کے حق کو نہیں پہچانا اور انصار کے حق کو نہیں پہچانا تو اس میں پھر ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ہوگی:

(۱) یا تو منافق ہوگا۔

(۲) یا غیر ثابت النسب ہوگا۔

(۳) یا اس کی ماں نے اس کو طہارت سے نہیں جنا۔

حدیث نمبر ۱۷

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: آخر ما تکلم به رسول اللہ ﷺ: اخلفونی فی اهل بیتی۔ (الہیثمی: ۹۔۱۶۳)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا آخری (باتوں میں سے ایک) بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی: ''اخلفونی فی اهل بیتی'' میرے بعد میرے گھر والوں کا خیال اور رعایت رکھنا۔

حدیث نمبر ۱۸

عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: الزموا مودتنا اهل البیت، فانه من لقی اللہ و هو یودّنا دخل الجنة بشفاعتنا۔ و الذی نفسی بیده، لا ینفع عبداً عمل عمله، الا بمعرفته حقّنا۔

(ترجمہ) حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہماری اہل بیت کی محبت کو لازمی سمجھو، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ وہ ہم سے محبت کرتا ہو تو (اللہ کے حکم سے وہ) ہماری شفاعت کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ آدمی کے اعمال اس کے کام تب ہی آسکتے ہیں جب وہ اعمال کے ساتھ ساتھ ہمارے حق کو بھی پہچانتا ہو۔ (طبرانی اوسط: ۲۲۵۱)

(فائدہ: اس سے انتہائی وضاحت سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ نجات کا مدار نہ صرف محبت پر ہے اور نہ صرف اعمال پر بلکہ شریعت کی تعلیمات کے مطابق دونوں ہی چیزیں لازمی ہیں۔ جو لوگ ان میں سے کسی ایک چیز پر تکیہ کرتے ہیں وہ غرور یا خوش فہمی کا شکار رہتے ہیں۔ اگرچہ بعض احادیث میں دونوں چیزوں کا الگ الگ بھی تذکرہ ہے لیکن اصول شریعت اور خود اس حدیث کی رو سے ان مطلق احادیث کا درست پس منظر سامنے آجاتا ہے۔ مترجم)

حدیث نمبر ۱۹

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: خطبنا رسول اللہ ﷺ فسمعته و هو يقول: ايها الناس، من ابغضنا اهل البيت، حشره الله تعالىٰ يوم القيامة يهودياً۔ (طبرانی اوسط: ۱۱۴۰)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اے لوگو! جس نے اہل بیت سے بغض رکھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو یہودی اٹھائیں گے۔“

حدیث نمبر ۲۰

عن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: يا

بنی هاشم. انی قد سالت الله ان یجعلکم نجداء. رحماء. و سالته ان یهدی ضالکم. و یؤمن خائفکم. و یشبع جائعکم. و الذی نفسی بیده. لا یؤمن احد حتی یحبکم بحبی. اترجون ان تدخلوا الجنة بشفاعتی. و لا یرجوها بنو عبد المطلب؟ (طبرانی اوسط: ۷۷۵۷)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اے بنو ہاشم! میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ اللہ تمہیں بہادر اور آپس میں رحم دل بنا دے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ تم میں سے گمراہوں کو ہدایت سے نواز دے اور تمہارے خوف زدہ کو امن دے اور تمہارے بھوکوں کو سیر کر دے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی آدمی کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ میری محبت کی بنا پر تم سے محبت نہ کرے۔

کیا تم امید رکھتے ہو کہ تم میری سفارش کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گے اور کیا بنو عبد المطلب اس کی امید نہیں رکھتے۔

حدیث نمبر ۲۱

عن سلمة بن الاکوعؓ قال قال رسول الله ﷺ : النجوم امان لاهل السماء. و اهل بیتی امان لامتی (طبرانی کبیر: ۲۶۶۰)

(ترجمہ) حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ستارے آسمان والوں کے (شیاطین کی رسائی سے) محافظ ہیں اور میرے اہل بیت میری امت (کے دین و ایمان) کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

حدیث نمبر ۲۲

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ : انی خلفت فیکم

اثنین لن تضلوا بعدھما ابداً: کتاب اللہ و نسبی۔ و لن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض۔ (مجمع الزوائد:۹۔۱۶۳)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں اور تم ہرگز ان دونوں کے بعد گمراہ نہ ہو گے:

(۱) کتاب اللہ۔ (۲) میرے نسب والے (رشتے دار) اور ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس آ جائیں۔

حدیث نمبر ۲۳

عن علیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: انی مقبوض، و انی قد ترکت فیکم الثقلین: کتاب اللہ، و اھل بیتی، و انکم لن تضلوا بعدھما۔ (حوالہ ایضاً)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں دنیا سے انتقال کروں گا اور میں تم میں دو اہم چیزوں کو چھوڑ رہا ہوں کتاب اللہ، اور اہل بیت.....اور بے شک تم ان کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

حدیث نمبر ۲۴

عن عبد اللہ بن الزبیرؓ ان النبی ﷺ قال: مثل اھل بیتی، مثل سفینۃ نوح، من رکبھا نجا، و من ترکھا غرق۔ (مجمع الزوائد:۹۔۱۶۸)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ غرق ہوا۔

حدیث نمبر ۲۵

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: مثل اھل بیتی

مثل سفينة نوح، من ركبها نجا، ومن تركها غرق۔ (مجمع الزوائد: ۹-۱۶۸)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ بچ گیا اور جس نے اس کو چھوڑا وہ غرق ہوا۔

حدیث نمبر ۲۶

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: مثل اهل بيتي فيكم، كمثل سفينة نوح في قوم نوح، من ركبها نجا، ومن تخلف عنها هلك، ومثل حطة بني اسرائيل۔ (طبرانی اوسط: ۳۵۰۲)

(ترجمہ) حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تم لوگوں میں میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی قوم میں نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہا وہ ہلاک ہوا اور بنی اسرائیل کے حطے (کفارے) کی مثال ہے۔ (جس کی بدولت گناہ معاف ہوں گے)

حدیث نمبر ۲۷

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: انما مثل اهل بيتي، كمثل سفينة نوح، من ركبها نجا، و من تخلف عنها غرق۔ وانما مثل اهل بيتي فيكم، كمثل حطة بني اسرائيل، من دخله غفر له۔ (طبرانی اوسط: ۸۵۶۶)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہا

وہ غرق ہوا، اور تم لوگوں میں میرے اہل بیت کی مثال ایسے ہے جیسے بنی اسرائیل کا حطہ کہ جو اس میں داخل ہوا اس کی مغفرت ہوگئی۔

(حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ کی تشریح کے لئے دیکھئے حدیث نمبر ۱۶ اور ۱۸)

حدیث نمبر ۲۸

عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ قال قال: رسول اللہ ﷺ: لکل شیء اساس، و اساس الاسلام، حبّ اصحاب رسول اللہ ﷺ، و حب اهل بیته۔ (کنز العمال: ۳۲۵۲۳)

(ترجمہ) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی بنیاد اور جڑ ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور اہل بیتؓ کی محبت ہے۔

حدیث نمبر ۲۹

عن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: کل بنی انثی فان عصبتهم لابیهم، ما خلا ولد فاطمة، فانی عصبتهم، فانا ابوهم

(طبرانی کبیر: ۲۶۳۱)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بیٹی کی اولاد کے عصبہ (دودھیالی رشتے دار) ان کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں سوائے حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کے کہ میں ہی ان کا عصبہ ہوں اور میں ہی ان کا باپ ہوں۔

حدیث نمبر ۳۰

عن فاطمة الزهراء رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ ﷺ: کل بنی ام ینتمون الی عصبتهم، الا ولدی فاطمة، فانا ولیهما و عصبتهما۔

(طبرانی کبیر: ۲۶۳۲)

(ترجمہ) حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی اولاد اپنے عصبہ کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے حضرت فاطمہ کے دو بیٹوں کے۔ میں ان دونوں کا ولی اور عصبہ ہوں۔

حدیث نمبر ۳۱

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : لکل بنی ام عصبة ینتمون الیهم. الا ابنی فاطمة. فانا ولیهما و عصبتهما۔ (مستدرک: ۴۷۷۰)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ نے فرمایا ہر عورت کی اولاد کے عصبہ ہوتے ہیں جن کی طرف وہ منسوب ہوتی ہے سوائے فاطمہؓ کے دو بیٹوں کے کہ میں ان کا ولی اور عصبہ ہوں۔

حدیث نمبر ۳۲

عن جابر رضی اللہ عنہ انه سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول للناس حین تزوج بنت علی رضی اللہ عنہ : الا تهنئونی! سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ینقطع یوم القیامة کل سببٍ و نسبٍ. الا سببی و نسبی۔ (طبرانی اوسط: ۵۶۰۲)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب حضرت علیؓ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ سے نکاح کیا تو لوگوں سے فرمایا: تم لوگ مجھے مبارک باد کیوں نہیں دیتے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن تمام زوجیت کے رشتے اور تمام نسب (یعنی اولاد کے رشتے) ختم ہو جائیں گے مگر میرے رشتے اور میرا نسب (کہ ان کا نفع اس دن بھی باقی رہے گا)

حدیث نمبر ۳۳

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : کل سبب و نسبٍ منقطع یوم القیامة. الا سببی و نسبی (طبرانی کبیر: ۳۳)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر سبب (یعنی زوجیت کا رشتہ) اور ہر نسب (یعنی اولاد کا رشتہ) ختم ہو جائے گا مگر میرا زوجیت کا رشتہ اور میری اولاد کا رشتہ کام آئے گا۔

حدیث نمبر ۳۴

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : کل نسبٍ و صهر منقطع یوم القیامة. الا نسبی و صهری۔ (طبرانی کبیر: ۲۶۳۴)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نسبی اور دامادی رشتہ قیامت کے دن ختم ہو جائے گا مگر میرا نسبی اور دامادی رشتہ (برابر قائم رہے گا)

حدیث نمبر ۳۵

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : النجوم امان لاهل الارض من الغرق. و اهل بیتی امان لامتی من الاختلاف. فاذا خالفتها قبیلة من العرب اختلفوا. فصاروا حزب ابلیس۔

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ستارے سمندری سفر کرنے والوں کے لئے غرق ہونے سے حفاظت کا سامان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے اختلاف میں پڑنے سے حفاظت کرنے والے ہیں۔ پس جب عرب کے قبیلوں میں اختلاف ہو جائے اور وہ جدا جدا ہو جائیں تو وہ ابلیس کا لشکر ہوں گے۔ (مستدرک: ۴۷۱۵)

حدیث نمبر ۳۶

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : وعدنی ربی فی اهل بیتی، من اقر منهم بالتوحید، ولی البلاغ. انه لا یعذبهم (مستدرک: ۴۷۱۸)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے میرے اہل بیت کے متعلق مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان میں سے جس نے توحید کا اور میری رسالت کا اقرار کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیں گے۔

(فائدہ: اس طرح کی بشارات سن کر حضرات صحابہؓ ہوں یا اہل بیتؓ، وہ نفس کے کسی دھوکے میں مبتلاء نہیں ہوتے تھے بلکہ اصل شرط نجات یعنی ایمان کی حفاظت وتکمیل اور اپنے تعلق مع اللہ کی مضبوطی کے لئے اعمال میں اور زیادہ فکرمند اور کوشاں رہتے تھے۔ جب ان بشارات کے اوّلین اور براہ راست مخاطبین کا یہ حال تھا تو بعد کے لوگ کس دھوکے میں پڑتے ہیں! اور کس بنیاد پر اعمال میں کوتاہی اور لاابالی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے غفلت میں رہتے ہیں! مترجم)

حدیث نمبر ۳۷

عن ابن عباسؓ فی قوله {و لسوف یعطیك ربك فترضی} قال من رضا محمد: ان لا یدخل احد من اهل بیته النار۔ (دیلمی: ۳۴۰۳)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ اللہ تعالیٰ کے ارشاد {و لسوف یعطیك ربك فترضی} (ترجمہ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطاء فرمائے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے) کے بارے میں فرماتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تو اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہو۔

حدیث نمبر ۳۸

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللهﷺ : ان فاطمة احصنت فرجها فحرم الله ذریتها علی النار۔ (طبرانی کبیر: ۲۶۲۵)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت فاطمہؓ نے اپنے آپ کو پاک دامن رکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو آگ پر حرام کردیا۔

حدیث نمبر ۳۹

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لفاطمۃ رضی اللہ عنہا: ان اللہ غیر معذبك ولا ولدك۔ (طبرانی کبیر: ۱۱۶۵۸)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: بے شک اللہ جل شانہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو عذاب نہیں دیں گے۔

حدیث نمبر ۴۰

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا: کتاب اللہ وعترتی۔ (ترمذی: ۳۷۸۶)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! بے شک میں تم میں اس چیز کو چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو پکڑ لو تو تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے: (۱) کتاب اللہ۔ (۲) میرے اہل بیتؓ۔

حدیث نمبر ۴۱

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: شفاعتی لامتی، من احب اھل بیتی۔ (تاریخ بغداد: ۲: ۱۴۶)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سفارش میری امت میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے میرے اہل بیتؓ سے محبت رکھی۔

حدیث نمبر ۴۲

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: اول من اشفع لہ من امتی، اھل بیتی۔ (طبرانی کبیر: ۱۳۵۵۰)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما اپنی امت میں سے جس کی میں سب سے پہلے سفارش کروں گا وہ میرے اہل بیت ہیں۔

حدیث نمبر ۴۳

عن المطلب بن عبد الله بن حنطب عن ابيه قال: خطبنا رسول الله ﷺ بالجحفة فقال: الست اولىٰ بكم من انفسكم؟ قالوا: بلىٰ يارسول الله! قال: فانى سائلكم عن اثنين، عن القرآن وعترتى۔

(مجمع الزوائد: ۵: ۱۹۵)

(ترجمہ) حضرت مطلب بن عبد اللہ بن حنطب نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جحفہ کے مقام پر ہمیں خطبہ دیا (یعنی وعظ ونصیحت کی) پھر فرمایا: کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تمہارے قریب نہیں ہوں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے خبر گیری کرتا ہوں دو چیزوں کی: (۱) قرآن پاک۔ (۲) اور میرے اہل بیتؓ۔

حدیث نمبر ۴۴

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: لا تزول قدما عبد حتى يسال عن اربع: عن عمره فيما افناه، و عن جسده فيما ابلاه، و عن ماله فيما انفقه و من اين اكتسبه، و عن محبتنا اهل البيت۔

(طبرانی کبیر: ۱۱۱۷۷)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن آدمی کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہ پائیں گے یہاں تک کہ چار چیزوں کے متعلق اس سے سوال کرلیا جائے: (۱) عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری؟ (۲) جسم کے بارے میں کہ کہاں اس کو کھپایا؟ (۳) اور مال کے بارے میں کہ اس کو کہاں خرچ کیا اور کہاں سے کمایا؟ (۴) اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں۔

حدیث نمبر ۴۵

عن علی رضی اللہ عنہ سمعت رسول الله ﷺ يقول: اول من يردّ علىّ

الحوض، اهل بيتي۔ (کنز العمال: ۳۴۱۷۸)

(ترجمہ) حضرت علیؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: سب سے پہلے حوض کوثر پر میرے پاس آنے والے میرے اہل بیت ہیں۔

حدیث نمبر ۴۶

عن علیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : ادبوا اولادکم علیٰ ثلاث خصال: حب نبیکم، وحب اهل بیته، وعلیٰ قراءة القرآن۔ فان حملة القرآن فی ظل الله یوم لا ظل الا ظله، مع انبیائه واصفیائه۔

(کنز العمال: ۴۵۴۰۹)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو تین باتوں کی تربیت دو: (۱) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی، (۲) اور ان کے اہل بیت کی محبت کی، (۳) اور قرآن پاک کی تلاوت کی۔ کیونکہ حامل قرآن (قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے) ایسے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اور وہ انبیاء علیہم السلام اور برگزیدہ لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

حدیث نمبر ۴۷

عن علیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : اثبتکم علی الصراط، اشدکم حبًّا لاهل بیتی واصحابی۔ (کنز العمال: ۳۴۱۵۷)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے پل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جو تم میں سے سب سے زیادہ اہل بیت اور صحابہ کرامؓ سے محبت کرنے والا ہوگا۔

حدیث نمبر ۴۸

عن علیؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ : اربعة انا لهم شفیع یوم

القیامة: المکرم لذریتی. و القاضی لهم حوائجهم و الساعی لهم امورهم عندما اضطروا. والمحب لهم بقلبه ولسانه۔

(کنز العمال: ۳۴۱۸۰)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار آدمی ایسے ہیں جن کی میں قیامت کے دن سفارش کروں گا:

(۱) میری اولاد کا اکرام کرنے والا۔ (۲) ان کی ضروریات کو پورا کرنے والا۔ (۳) پریشانی کے وقت ان کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا۔ (۴) دل اور زبان (یعنی اخلاص کے ساتھ) ان سے محبت رکھنے والا۔

حدیث نمبر ۴۹

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: اشتد غضب الله علیٰ من آذانی فی عترتی۔ (کنز العمال: ۳۴۱۴۳)

(ترجمہ) حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں اس آدمی پر جس نے میرے خاندان والوں کے معاملے میں مجھے تکلیف پہنچائی۔

حدیث نمبر ۵۰

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ: ان الله یبغض الآکل فوق شبعه، و الغافل عن طاعة ربه، و التارك لسنّة نبیه، و المخفر ذمته، والمبغض عترة نبیه، والمؤذی جیرانه۔ (کنز العمال: ۴۴۰۲۹)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العزت ناپسند رکھتے ہیں: (۱) اس آدمی کو جو ضرورت سے زیادہ کھانے والا ہو، (۲) اور اپنے رب کی طاعت سے غافل ہو، (۳) اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو چھوڑنے والا ہو، (۴) اور عہد کو توڑنے والا ہو، (۵) اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے بغض رکھنے والا ہو، (۶) اور اپنے پڑوسی کو تکلیف دینے والا ہو۔

حدیث نمبر ۵۱

عن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : اهل بیتی و الانصار کرشی و عیبتی، و صحابی، و موضع مسرتی، و امانتی۔ فاقبلوا من محسنهم و تجاوزوا عن مسیئهم۔ (ترمذی: ۵:۶۷۱)

(ترجمہ) حضرت ابو سعیدؓ سے منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت اور انصار میرے ساتھی اور ہم راز ہیں اور میرے لئے مسرت کا مقام ہیں اور میری امانت ہیں تم ان کے اچھے کی اچھائی قبول کرو اور خطا کار سے درگزر کرو۔

حدیث نمبر ۵۲

عن عثمان بن عفانؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: من اولی رجلاً من بنی عبد المطلب معروفاً فی الدنیا، فلم یقدر المطلبی علیٰ مکافاته، فانا اکافئه عنه یوم القیامة (حلیۃ الاولیاء: ۱۰:۳۶۶)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی بنو عبد المطلب کے ساتھ دنیا میں سب سے زیادہ بھلائی کرنے والا ہو اور بنو عبد المطلب تو اس کا بدلہ نہ دے سکے تو میں ان کی طرف سے قیامت کے دن اس کو بدلہ دوں گا۔

حدیث نمبر ۵۳

عن عثمان بن عفانؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: من صنع صنیعة الیٰ احد من خلف عبد المطلب فی الدنیا، فعلیّ مکافاته اذا لقینی۔ (طبرانی اوسط: ۱۴۶۹)

(ترجمہ) حضرت عثمانؓ سے منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عبد المطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ احسان کیا جب وہ مجھے ملے گا تو اس کا بدلہ میرے ذمے ہے۔

حدیث نمبر ۵۴

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من صنع الیٰ احد من اهل بیتی یداً، کافاته یوم القیامة۔ (کنز العمال: ۳۴۱۵۲)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے اہل بیت کا ہاتھ بٹایا میں قیامت والے دن اس کو بدلہ دوں گا۔

حدیث نمبر ۵۵

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: انی تارك فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا: کتاب الله، سبب طرفه بید الله، و طرفه بأیدیکم، و عترتی اهل بیتی، و انهما لن یتفرقا، حتی یردا علیَّ الحوض۔

(مسند احمد: ۱۰۷۲۰)

(ترجمہ) حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں تم میں چھوڑنے والا ہوں ایسی چیز کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑ لو تو تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے: (۱) کتاب اللہ۔ جو کہ ایک رسی ہے جس کا ایک کنارہ اللہ کے قبضے میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھوں میں ہے، (۲) اور میرے خاندان والے جو میرے اہل بیت ہیں اور وہ ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں۔

حدیث نمبر ۵۶

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: انی تارك فیکم خلیفتین: کتاب الله، حبل ممدود ما بین السماء و الارض، و عترتی اهل بیتی، و انهما لن یتفرقا، حتی یردا علیَّ الحوض۔ (مسند احمد: ۲۱۱۵۳)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں اپنے بعد چھوڑنے والا ہوں۔ کتاب اللہ۔ یہ ایسی رسی ہے جو آسمان و زمین کے درمیان معلق ہے اور میری اولاد جو کہ میرے اہل بیت

ہیں اور وہ ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں۔

فائدہ: ان احادیث سے حضرات اہل بیتؑ کا قرآن پاک سے مضبوط تعلق سمجھ میں آتا ہے اور ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک اپنی اصلی حالت میں قیامت تک موجود و محفوظ رہے گا اور حضرات اہل بیتؑ اسی قرآن سے متعلق رہیں گے۔

حدیث نمبر ۵۷

عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً: ستة لعنهم الله و كل نبي مجاب: الزائد في كتاب الله، و المكذب بقدر الله، و المتسلط بالجبروت، فيعزّ بذلك من اذل الله، و يذل من اعز الله، و المستحل لحرم الله، والمستحل من عترتي ما حرّم الله، و التارك لسنتي۔ (ترمذی: ۲۱۵۴)

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چھ آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور ہر مستجاب الدعوات (یعنی جن کی دعا قبول ہوتی ہے وہ) نبی لعنت کرتے ہیں: (۱) کتاب اللہ میں کمی بیشی کرنے والا۔ (۲) تقدیر کو جھٹلانے والا۔ (۳) دھونس اور جبر سے حکمرانی کرنے والا جو اس کے ذریعے اللہ کے ذلیل کردہ کو عزت دیتا ہے۔ چنانچہ وہ عزت دیتا ہے اس کو جس کو اللہ نے ذلیل و خوار کیا اور وہ ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کو جس کو اللہ نے عزت دی۔ (۴) اللہ کے حرام کردہ کو حلال سمجھنے والا۔ (۵) میرے خاندان کے بارے میں جس چیز کو اللہ نے تقدس دیا اس کو پامال کرنے والا۔ (۶) میری سنت کو چھوڑ والا۔

حدیث نمبر ۵۸

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ستة لعنهم الله و كل نبي مجاب: الزائد في كتاب الله، و المكذب بقدر الله، و الراغب عن سنتي الى بدعة، و المستحل من عترتي ما حرم الله، و المتسلط على امتي بالجبروت، ليعزّ من اذل الله، و يذل من اعز الله، و المرتدّ اعرابياً بعد هجرته۔ (مستدرک: ۳۹۴۵)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ آدمی ایسے ہیں کہ اللہ رب العزت اور ہر نبی ان پر لعنت کرتے ہیں: (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔ (۲) تقدیر کو جھٹلانے والا۔ (۳) میری سنت کو چھوڑ کر بدعت پر عمل کرنے والا۔ (۴) میرے خاندان والوں کی حرمت پامال کرنے والا۔ (۵) اور میری امت پر دھونس سے حکمران بن بیٹھنے والا تاکہ اللہ کے ذلیل کردہ کو عزت دے اور اس کے عزت دیئے ہوئے کو ذلیل کرے۔ (۶) اور اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جانے والا۔

حدیث نمبر ۵۹

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ثلاث من حفظھن، حفظ اللہ لہ دینہ و دنیاہ، و من ضیعھن، لم یحفظ اللہ لہ شیئاً: حرمۃ الاسلام، حرمتی، (طبرانی کبیر: ۲۸۸۱)

(ترجمہ) حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جو آدمی ان کی حفاظت کرے اللہ رب العزت اس کے دین اور دنیا کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کو ضائع کر دے اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں ہوگی: (۱) اسلام کا تقدس، (۲) میری ناموس، (۳) اور میرے رشتہ داروں کی عزت۔

حدیث نمبر ۶۰

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: خیر الناس العرب، وخیر العرب قریش، وخیر قریش بنو ھاشم۔ (دیلمی: ۲۸۹۲)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سے بہترین لوگ عرب ہیں اور عرب میں بہترین لوگ قریش ہیں اور قریش میں بہترین لوگ بنو ہاشم ہیں۔

در تحقیق واثبات

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

و

کردار یزید

تالیف فارسی:

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ:

پروفیسر مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

یا اللہ مدد

در تحقیق و اثبات

شہادتِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ

و

کردارِ یزید

تالیف فارسی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ

بانی دارالعلوم دیوبند، المتوفی ۱۲۹۷ھ

اردو ترجمہ

پروفیسر مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

شہادت امام حسینؓ وکردار یزید			۲۱۹
مکتوب نہم بنام مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ			۲۲۰
تعارف مکتوب الیہ	۲۲۰	وفات	۲۲۲
مضمون مکتوب			۲۲۳
شہادت کی پہلی وجہ	۲۲۵	شہادت کی دوسری وجہ	۲۲۵
در تحقیق واثبات شہادت حضرت امام حسینؓ			۲۲۶
مقدمہ اوّل	۲۲۷	مقدمہ دوم	۲۲۷
مقدمہ سوم.....درحقیقت اجماع	۲۲۸	مقدمہ چہارم	۲۲۸
مقدمہ پنجم	۲۲۸	آنچہ درشرح مقاصد ست	۲۳۰
بعد ازاں گفتہ	۲۳۰	مقدمہ ششم	۲۳۰
در اہلیت ولیاقت خلافت	۲۳۱	دلیل اوّل	۲۳۱
دلیل دوم	۲۳۲	شبہ	۲۳۳
بحث در ولی عہدی یزید	۲۳۶	خواب رسول صلی اللہ علیہ وسلم در باب یزید وجہادش	۲۳۷
مذہب امیر معاویہؓ دربارۂ خلافت	۲۳۷	حال یزید پس از وفات امیر معاویہؓ	۲۳۷
حادثۂ کربلا چوں غزوۂ اُحد وحنین	۲۳۸	مدارِ کار بر نیت	۲۳۸
دیگر وجہ شہادت	۲۳۹	اجماع بیعت یزید وجواب آں	۲۳۹
عبارت امام نوویؒ	۲۳۹	قول العیاض	۲۴۰

قول جماہیر عترت از فقہاء ومحدثین ومتکلمین	۲۴۰		
پہلا مقدمہ	۲۴۳	دوسرا مقدمہ	۲۴۴
تیسرا مقدمہ.....اجتماع کے متعلق	۲۴۴	چوتھا مقدمہ	۲۴۵
پانچواں مقدمہ	۲۴۵	چھٹا مقدمہ	۲۴۸
خلافت کی لیاقت اور اہلیت کے بارے میں	۲۴۹	دلیل اوّل	۲۵۰
دلیل دوم	۲۵۰	شبہ	۲۵۲
یزید کی ولی عہدی پر بحث	۲۵۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب یزید اور اس کے رفقاء کے بارے میں	۲۵۸
امیر معاویہؓ کا خلافت کے بارے میں نظریہ	۲۵۹	حضرت امیر معاویہؓ کے بعد یزید کی حالت	۲۶۰
کربلا کا حادثہ اور غزوۂ اُحد وحنین	۲۶۰	نیت پر دارومدار	۲۶۲
شہادت امام حسینؓ کی دوسری وجہ	۲۶۲	یزید کی بیعت پر اجماع اور اس کا جواب	۲۶۲
امام نوویؒ کا اجماع بیعت پر نظریہ	۲۶۳	قاضی عیاض کا قول	۲۶۴
جماہیر عترت فقہاء محدثین اور متکلمین کا قول	۲۶۵		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در تحقیق واثبات

شہادت امام حسینؓ وکردار یزید

سیدنا الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نواں مکتوب گرامی جو مولانا فخر الحسن کاندھلویؒ کے نام آپ نے تحریر فرمایا، مجموعہ مکتوبات ''قاسم العلوم'' کے نام سے شائع ہوا۔ پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے ترجمہ کیا۔

ہم نے مقالات حجۃ الاسلام کی جلد ۱۶ کے صفحہ ۴ سے صفحہ ۵۹ سے لیا۔ اس کی کمپوزنگ بھی مخدوم گرامی حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی مدظلہم نے عنایت فرمائی۔

''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر ۳ پر ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

مکتوب نہم بنام مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

تعارف مکتوب الیہ

یہ مکتوب مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے جو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جاں نثار شاگردوں میں سے تھے۔

مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہ ضلع سہارن پور میں ۱۸۵۲ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے جو ان کا آبائی وطن تھا جس کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قیام سے شرف بخشا۔ مولانا فخر الحسن صاحب حضرت مولانا عبد القدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ نسب رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گنگوہ میں حاصل کی بعد ازاں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔

دار العلوم کا افتتاح ۱۲۸۳ ہجری میں ہوا اور مولانا فخر الحسن صاحب نے ۱۲۸۹ ہجری میں دار العلوم دیوبند سے علوم معقولات اور منقولات کی تکمیل کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آغاز دار العلوم میں آکر داخل ہوئے۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا کے ہم سبق تھے جن کی طالب علمی سے دار العلوم دیوبند کا افتتاح ہوا۔ مولانا فخر الحسن صاحب اگرچہ ۱۲۸۹ ہجری میں دار العلوم دیوبند کے فاضل بنے لیکن آپ کی فضیلت کی دستار بندی ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ ہجری مطابق ۹ جنوری ۱۸۷۴ء کو دیوبند کی جامع مسجد میں جلسۂ تقسیم انعام میں ہوئی۔ مولانا فخر الحسن دار العلوم دیوبند کے اس پہلے گروپ میں تھے جو دار العلوم سے فارغ ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا مولانا عبد الحق صاحب ساکن پور قاضی، مولانا فتح محمد صاحب تھانوی اور مولانا عبد اللہ صاحب جلال آبادی کے بھی دستار فضیلت باندھی گئی۔

(رپورٹ دار العلوم دیوبند ۱۲۹۰ھ)

آپ نے تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسہ عربیہ قاسم العلوم جامع مسجد نگینہ میں ملازمت کی جیسا کہ مجموعۂ قاسم العلوم کے آئندہ مکتوب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے واضح ہے۔ نگینے کے مدرسے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مطبع مجتبائی دہلی میں جو اس وقت منشی ممتاز علی میرٹھی کی ملکیت میں تھا تصحیح کتب پر ملازمت کی ہے۔ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں نواب عظیم علی خان صاحب رئیس خورجہ کے پاس تیس روپیہ پر ملازم رہے۔ (رپورٹ مؤتمر الانصار مراد آباد ص ۴۶)

بعد ازاں مدرسہ دہلی میں بھی ملازم رہے جیسا کہ قاسم العلوم کے مکتوب نہم میں آپ کے نام کے ساتھ مدرس مدرسہ دہلی لکھا ہوا ہے یہ ''مدرسہ عبدالرب'' تھا جو دہلی میں تھا۔ امیر الروایات میں، امیر شاہ خاں صاحب سے روایت ہے کہ: ''مدرسہ عبدالرب'' پہلے امام کی گلی کی طرف تھا اور اس میں مولوی احمد حسن صاحب امروہوی اور مولوی فخر الحسن گنگوہی مدرس تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحب اس زمانے میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں کام کرتے تھے، مولوی احمد حسن اور مولوی فخر الحسن صاحبان کی وجہ سے مدرسہ میں سویا کرتے تھے۔

(امیر الروایات ص ۲۵)

اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ مولانا فخر الحسن صاحب ''مدرسہ عبدالرب'' دہلی میں ملازم تھے کہ مولانا محمد قاسم صاحب کے قیام کا زمانہ تھا جو ۱۲۹۲ھ مطابق ۷۶۔۱۸۷۵ء میں قاسم العلوم کی تصحیح کا وقت تھا جیسا کہ قاسم العلوم کے ٹائٹل سے واضح ہے۔

۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جن طلبائے دار العلوم دیو بند نے انجمن ''ثمرۃ التربیت'' قائم کرنے کی درخواست کی تھی ان میں مولانا فخر الحسن صاحب کا نام بھی فہرست میں موجود ہے اور سات روپیہ آٹھ آنے کا چندہ بھی اس انجمن میں مولانا فخر الحسن صاحب کی طرف سے موتمر الانصار مراد آباد کی رپورٹ میں درج ہے۔

مولانا فخر الحسن صاحب نے سفر و حضر میں دار العلوم دیو بند کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے حدیث اور دیگر علوم کی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ میرٹھ، نانوتہ، دیو بند میں مولانا کے ساتھ رہتے تھے اور پڑھتے تھے۔ خود مولانا فخر الحسن صاحب انتصار الاسلام کے دیباچے میں لکھتے ہیں: ''جناب مولانا (محمد قاسم صاحب) مرحوم نے شاگرد و معتقد بہت چھوڑے ہیں۔ بندہ بھی ایک ادنیٰ شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔''

مولانا فخر الحسن صاحب نے حضرت قاسم العلوم کے ہمراہ جا بجا مثلاً رُڑکی، میرٹھ، شاہ جہان پور کے مناظروں میں شرکت کی ہے اور رُڑکی میں تقریریں بھی کی ہیں۔ رجب ۱۲۹۵ھ میں دیانند نے مناظرے کئے، جب مولانا قاسم العلوم رُڑکی تشریف لے گئے تو مولانا فخر الحسن صاحب، حضرت شیخ الہند اور عبد العدل بھی ہمراہ تھے۔ جب دیانند مولانا قاسم العلوم کے سامنے نہ آیا تو آپ نے ان کے اعتراضات کے جوابات کے لئے شاگردوں سے فرمایا۔ مولانا فخر الحسن صاحب ''انتصار الاسلام'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''بندے نے اس حکم کی تعمیل کردی یعنی پنڈت جی کے اعتراضوں کے جواب برسر بازار کئی روز تک بیان کئے اور پنڈت جی کے مذہب جدید پر بہت سے اعتراض کئے اور بہت سی غیرت دلائی۔'' (انتصار ص ۶)

مولانا فخر الحسن صاحب نے اپنے استاذ محترم مولانا محمد قاسم صاحب کی کتابوں، مناظروں کی رپورٹوں اور تقریروں کی اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ حجۃ الاسلام، انتصار الاسلام، مباحثۂ شاہ جہان پور وغیرہا انہی کی کوششوں سے طبع ہوئیں۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی ایک سوانح عمری آپ نے تحریر فرمائی جو دستبرد زمانہ سے ضائع ہو گئی اور جل کر خاکستر ہوگئی۔ اس غم میں ہم تمام عمر جس قدر قلق اور اضطراب کے انگاروں پر کروٹیں اور پہلو بدلتے رہیں تو بجا ہے۔ سرسید مرحوم کے عقائد فاسدہ کے رد میں بھی ایک کتاب مولانا فخر الحسن نے لکھی لیکن غالباً طبع نہ ہو سکی۔ الغرض مولانا فخر الحسن صاحب حضرت قاسم العلوم کے بڑے عزیز اور شاگردوں میں سے تھے۔ خود حضرت قاسم العلوم اپنے مکتوب دہم کے آخر میں مولانا فخر الحسن صاحب کو لکھتے ہیں:

''من ندانم از طرف شما و مولوی احمد حسن و مولوی محمود حسن
بدلم چہ نہادہ اند کہ اکثر موکشاں بکار پردازی شما میکشند

وفات

آپ کی وفات کی تاریخ اور سال معلوم نہ ہو سکا۔ میں نے استاذ محترم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کو مولانا فخر الحسن صاحب کے حالات کے بارے میں لکھا تو انہوں نے تحریر فرمایا: ''مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہی خاندان قدوسیہ سے تعلق رکھتے

تھے۔ حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس (گنگوہی) رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے انتقال پر (۱۳۹۸ھ) میں اٹھہتر (۷۸) سال گزر چکے ہیں۔'' اس تحریر کا یہ مطلب ہوا کہ ان کا انتقال ۱۳۱۱ھ میں ہوا۔ اگر ہم ان کا سال پیدائش شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سال پیدائش ۱۸۵۳ء کو مان لیں تو ان کی عمر ۵۵، اور ۶۱ سال کے درمیان کی عمر ہوئی۔

مضمونِ مکتوب

مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں اس مکتوب میں سنیوں کے قواعد کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر حضرت قاسم العلوم نے نہایت مجتہدانہ، عالمانہ، فقیہانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت مولانا نے جس احتیاط اور اجتہاد سے شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ پر کلام کیا ہے، اس کے بعد کسی کو لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی۔ انہوں نے اس مکتوب کے اوّل میں یہ فرمایا ہے کہ مجتہد ائمہ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) کی طرح ائمہ اہل بیت بھی اجتہادی مقام رکھتے تھے۔ یہی مقام امام الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کا تھا اور مجتہد ائمہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ دوسروں کی پیروی اُن کے لئے ضروری نہیں۔ البتہ امام سے اجتہادی غلطی ممکن ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ چونکہ امام حسین رضی اللہ عنہ خود اہل حل وعقد میں سے تھے۔ اس لئے اگر دیگر اکابر نے معاملۂ یزید کی بیعت کر بھی لی تھی، تو حضرت امام رضی اللہ عنہ پر یزید کی بیعت کرنا لازم نہ تھا۔ لہٰذا جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت ہی نہیں کی تو اس کے خلاف اُٹھنا خروج کیونکر ہوا۔ جن لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خروج پر اپنے قلم کا زور صرف کر دیا ہے وہ تحقیق کے مقام سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔

علاوہ ازیں یزید کی بیعت پر اجماع نہ تھا۔ جب تک کسی کے بارے میں اجماع نہ ہو جائے اس وقت تک بیعت نہ کرنے والوں پر الزام عائد نہیں ہوتا۔ ہاں جب کسی کی بیعت کے بارے میں اجماع ثابت ہو جائے تو پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ اجماع کی پیروی کی جائے۔ نیز اگر اجماع کے منعقد ہونے سے پہلے اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہوا ہے تو اجماع

منعقد ہو جانے کے بعد پہلے سے اختلاف کرنے والا اجماع کے خلاف طعنے کی زد میں نہیں آتا۔ پھر مولانا نے اپنے مقدمات میں یہ بھی ایک اُصول پیش کیا ہے کہ مطلقاً خلافت کا منعقد ہونا اور بات ہے اور عام خلافت کا منعقد ہونا اور چیز ہے۔ بیعت کا مطلق انعقاد تو ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ عام انعقاد تمام اہلِ حل وعقد کے متفق ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چونکہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی، لہٰذا تمام اہل حل وعقد کا متفق ہونا حاصل نہ ہو سکا۔

پھر اگر خلافت کے تخت پر کوئی فاسق وفاجر چڑھ بیٹھے اور بدعات ومعاصی کا بازار گرم ہو جائے یا گرم ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اگر کوئی صاحبِ ہمت اُٹھ کھڑا ہو، اور اس کو خلافت سے علیحدہ کر دے تو اس میں کسی کو مخالفت کا کیا موقع ہے۔ ہاں اگر فاسق خلیفہ کے اُتار دینے میں فتنہ عظیم ہو، اور دین اور اہل دین کی بے آبروئی کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر اس وقت عارضی طور پر خاموشی کی اجازت ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کو زجر اور تنبیہ کی ضرورت ہے۔ ہاں ایسی صورت میں بھی اگر اپنے رفقاء، اعزہ اور اپنی جان پر صدمے کو نظر میں نہ لاتے ہوئے حق کا عَلَم بلند کریں تو یہ ہمت اور اُولوالعزمی کی بات ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ افضل جہاد جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ ہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ایک شخص فتنوں کا احساس قوی رکھتا ہے اور فاسق خلیفہ کے مقابلے کی ہمت نہیں رکھتا، تو ایسے شخص کے لئے نہ کھڑا ہونا ہی مناسب ہے لیکن اگر کوئی شخص نہیں ڈرتا تو اس کے لئے مباح ہے کہ وہ خلیفہ کو تخت سے اُتار پھینکنے کی کوشش کرے۔ بہر حال یہ اپنی اپنی ہمت کا معاملہ ہے۔

اس بحث کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا ہے کہ خلافت کا اہل ہونے کے لئے اسلام اور قریشیت کافی ہے لیکن صحیح معنی میں خلیفہ ہونے کے لئے کثرت علم، عملِ صالح، حُسنِ تدبر، ہمت اور ترکِ دنیا کی ضرورت ہے۔ ایسے خلیفہ سے سرکشی سخت ممنوع ہے۔ یزید میں عملِ صالح اور ترکِ دنیا کا فقدان تھا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہد کیوں بنایا؟

مولانا لکھتے ہیں کہ اس وقت وہ ایسا نہ تھا، یا تھا تو اُن کے علم میں اس کا فسق نہ آیا تھا۔ علاوہ ازیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ خلیفہ کے بارے میں یہ تھا کہ انتظامِ ملکی میں

اگر کسی کو سلیقہ زیادہ ہو، تو وہ اس پاک باز سے خلافت کا زیادہ اہل ہے جو انتظام کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ اس لئے انہوں نے یزید کو ولی عہد بنا دیا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہ وارد ہوتا ہے کہ یزید کو ولی عہد بنا کر اُفضلیت کو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید نے پر پُرزے نکالے، اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت اہلِ حل وعقد کی رائے مختلف ہو گئی، جس کسی کو فتنہ وفساد کا اندیشہ غالب آیا، اُس نے مجبوراً بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور جن حضرات نے ایک بڑی جماعت کے وعدے پر غلبہ کی اُمید رکھی مثلاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے، تو وہ جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے درست کیا اور اس اختلاف کی بنیاد صرف غلبہ اور عدم غلبہ پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے پر۔ اتفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تدبیر فیل ہو گئی اور ایسا جنگوں میں ہوا ہی کرتا ہے جیسا کہ جنگِ اُحد اور جنگ حنین میں مسلمانوں کو عارضی ابتری پیش آئی تھی۔ ان دونوں جنگوں میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم مارے گئے وہ یقیناً شہید ہوئے کہ ان کی نیت اچھی تھی۔

شہادت کی پہلی وجہ

اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیت بھی ایک فاسق کو خلافت سے علیحدہ کرنے کی تھی جو صالح نیت تھی۔ لہٰذا اس صورت میں اگر وہ مارے گئے تو شہید ہوئے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

شہادت کی دوسری وجہ

اور اگر پہلی وجہ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو میدانِ کربلا میں امام مظلوم نے جنگ سے گریز کر کے واپس جانے کا اِرادہ کیا تھا۔ لیکن یزید کے لشکر اور سپاہیوں نے انہیں نہیں چھوڑا اور گھیر کر شہید کر دیا اور وہ اس حدیث کے مطابق شہید ہوئے:

"من قتل دون عرضه وماله فهو شهيد"

"جو اپنی عزت اور مال بچانے کے لئے قتل کیا گیا تو وہ شہید ہے۔"

تحقیق و اِثباتِ
شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

موافق قواعد سُنّیاں

سُنّیوں کے اُصول کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اِثبات اور تحقیق میں۔۔۔۔۔۔ بجواب خط مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مدرّس مدرسہ دہلی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ بعد حمد و صلوٰۃ اوّل مقدمات چند مینویسم کہ ثبوت مدّعا و وضوح آن بے آن مقدمات دشوار ست۔ آن مقدمات این ست:

مقدمہ اوّل

اوّل آنکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و دیگر ائمہ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نزد اہل سنۃ مثل دیگر ائمہ مجتہدین امام و مجتہد اند کہ خطا اجتہادی از وشاں ممکن۔ عقیدہ ما مثل شیعہ آں نیست کہ امام را خطا محال و غلطی ازاں ممتنع باشد۔ ہر چند دریں مقام ہمیں قدر کافی ست چہ مقام، مقام جواب ست، بیان اُصول خود بس ست۔ غرض دلیل ضرور نیست۔ زیرا کہ اعتراض از طرف شیعیان ست و اعتراض بر کسے ہمیں ست کہ معارض مذہب و اُصول مذہب او اثبات کردہ آید۔ پس اگر گوئیم کہ مذہب ما ایں نیست کہ مے گویند۔ مذہب ما دیگر ست، کفایت میکند۔ ایراد دلیل دریں مقام ضرور نخواہد بود۔ اما تاہم اشارہ اجمالی بایں طرف ہم کردہ میروم تا ناظر مناظرِ طالبِ حق را از ما ہدایتے باشد بر متعصب اعتراض ونکایتے۔ در قصہ اُسارئ بدر معلوم باشد کہ رای نبوی صلی اللہ علیہ وسلم چہ بود واز حضرت خداوندی چہ خطاب آمد۔ و در قصہ لقش غنم معلوم باشد کہ رای حضرت داؤد علیہ السلام چہ بود فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمٰنَ چہ ارشاد فرمود۔ پس چوں حالِ انبیاء علیہم السلام اور اجتہاد ایں است، حالِ دیگر مجتہداں چہ باشد۔

پس چگونہ گویند کہ "اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ"

مقدمہ دوم

دویم آنکہ مجتہداں مامور باتباع اجتہاد خویشتن اند، اتباعِ مجتہدان دیگر روا نیست۔ ورنہ ازیں چہ کم کہ اتباعِ دیگراں ضرور نیست۔

مقدمۂ سوم.....در حقیقت اجماع

سویم آنکہ حقیقۃ اجماع ایں ست کہ ہمہ اہل رای یک عصر یا زیادہ در اُمری بایں طور رای زند کہ ایں امر بفلاں فلاں وجوہ چنیں ست یا چناں نہ فقط عدم مخالفت چنانچہ جملہ

"ماراٰہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن"

یکی از ماخذی ہای حجیۃ اجماع ست۔ برہمیں امر دلالۃ مے کند چہ رویۃ دریں جملہ رویت قلبی ست نہ رویت بصری۔ ورویت قلبے ہمیں طوری باشد کہ عرض کردہ شد۔ پس اگر یک دوکس از علماء ذی رای بامری رفتند و دیگراں مساہلۃ کردند، وبی آنکہ خود ہم دراں امر بطور مذکور نگرند اتباع اوشاں اختیار فرمودند لازم یا خود اہل رائے نبودند و مقلدانہ پے رد، اوشاں شدند ایں را اجماع نباید گفت۔ وہمچیں اگر شخصی یا جماعتی برامری بی تنقیح وجوہ حلۃ و حرمۃ اصطلاح کردند چنانچہ در رسوم می باشد اجماع نخواہد بود۔

مقدمہ چہارم

چہارم آنکہ اتباع اجماع مذکور ہم بعد تحقق اجماع لازم ست اگر مسئلہ قبل تحقق و انعقاد اجماع مختلف فیہ باشد کسانیکہ پیشتر از انعقاد اجماع مخالف اجماع کارکردہ اند، اوشاں مورد طعن مخالفۃ اجماع نخواہند شد۔

مقدمہ پنجم

پنجم آنکہ انعقاد مطلق خلافۃ چیزے دیگر ست وعموم خلافت چیزی دیگر۔ توضیحش ایں ست کہ "کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ"۔ (حدیث)

پس بیعت ہر رای مستلزم انعقاد بیعت در حق رعیت اوست وہمین ست معنی وجوب ولزوم بیعت اہل حل وعقد۔ پس بیعت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مثلاً مستلزم وجوب اطاعت در حق حشم وخدم واتباع اوشاں ست از ملازمین وموالی واولاد وغیرہم، نہ در حق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ واتباع اوشاں وانکہ گفتہ اند کہ عدد معین در بارۂ اہل حل وعقد مشروط نیست بنایش برین ست کہ وجود اہل حل وعقد را قاعدہ معین نیست۔ باعتبار اتفاق کلمہ وتفرق کلمہ اہل حل وعقد قلیل وکثیر می شوند۔ نہ آنکہ برای عموم انعقاد کیف ما اتفق بیعۃ یک دوکس از اہل حل وعقد کافی ست۔

مثلاً در زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلافۃ خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم مصداق اہل حل وعقد یک کس بیش نبود۔ مرادم اینست کہ صلح و جنگ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، صلح و جنگ ہمہ اہل اسلام بود و ہمچنیں صلح و جنگ خلفاء بعد اتفاق مردم بر خلافت اوشاں صلح و جنگ جملہ رعیت بود و پس ازاں کہ ایں اتحاد مبدل بافتراق شد و جماعت ہائے جدا جدا پیدا شدند اہل حل وعقد کثیر شدند۔ سر حلقہ ہر جماعتی مصداق مفہوم اہل حل وعقد بود۔ دریں وقت بیعت یک کس از اہل حل وعقد موجب انعقاد مطلق خلافت خواہد بود۔ کسانیکہ از اتباع آنکس اند اتباع خلیفہ بروشاں لازم ست اما دیگراں و اتباع دیگراں یا کسانیکہ نہ در عیر کسی اند و نہ در نفیر کسی ازیں لزوم و وجوب مرفوع القلم اند۔ ہاں اگر ہمہ اہل حل وعقد دست ارادت و کف بیعت بدست یکی از اہل اسلام دہند ہمہ کس را از اہل اسلام خواہ از تباع کسی باشند یا فی اطاعۃ آن کس لازم وواجب خواہد بود۔

واگر قدری چشم پوشیم زیادہ ازیں مجال گفتن نیست کہ بی سیران خود سر روان بی سرور را غاشیہ بردار یش وحلقہ بگوشیش در گوش لازم آید، اما باقیاں از اہل حل وعقد ہر گونہ ازیں اطاعۃ در کنار اند۔ آری اگر شخصے نکتہ دنیوی چناں داشتہ باشد کہ لشکری تابع فرمان ہمعناں دارد اما در علم وعمل ہم سنگ دیگراں نیست و دیگراں کہ از علم وعمل بہرہ وافر دارند ہمہ یک جان و یکعنان شوند و دست بدست کسی نہند، آں وقت شخص مذکور و اتباعش رانیز اتباع و اقتدار اوشاں لازم خواہد افتاد۔ چہ اوشاں حسب اشارات ربانی وہم کنایات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاطاعۃ اند و اہل حل وعقد در حق او آیۃ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ O وہم جملہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ"۔ اگر انصاف باشد وجوب اطاعۃ اینچنیں کساں دلالۃ واضحہ دارد۔

اگر ضیق وقت مانع وخروج ایں بحث از مبحث مزاحم حال نبودی دریں بارہ تفتیشہا میکردم باینہمہ اَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ اینقدر کہ گفتہ شد بہر رہنمائی کافی ست۔ و ایں نکتۂ اخیرہ دفع دخل مقدر ست کہ شاید بر زبان کسے آید۔ بالجملہ مطلق انعقاد بیعت یکدو کس حاصل مے شود و عموم شمول انعقاد بی اتفاق جملہ اہل حل وعقد متصور نیست۔ ہاں اگر حل وعقد در یک کس منحصر گردد آں وقت عموم خلافت بیک کس نیز حاصل میتواں شد۔

وآنچہ در شرح مقاصد ست

"وتنعقد الامامة بطرائق احدها بيعة اهل الحل والعقد الى ان قال بل لو تعلق الحل والعقد بواحد مطاع كفت بيعته۔"

بعد ازاں گفتہ

"والثانی استخلاف الامام الخ" اگر طرق مطلق انعقاد باشد معنی آنست کہ برای مطلق انعقاد بیعۃ یک دو کس وہم استخلاف وہم قروشوکۃ کافی ست لیکن در مطلق انعقاد عموم انعقاد لازم نمی آید تا حضرت امام را اطاعۃ یزید لازم وخروج بر آں حرام گردد۔ واگر طرق انعقاد مطلق اعنی عموم وشمول خلافت اندو صحیح ہمیں ست ومعنی آں ست کہ اہل حل وعقد در یک دو کس منحصر ست اوشاں کافی اند۔ زیرا کہ عددی برائے اہلِ حل وعقد معین نیست۔ لیکن اندریں صورت ہم حضرت امام را اطاعتِ یزید ضرور نیست زیرا کہ خلافۃ بی اجتماع جملہ اہل حل وعقد متصور نیست۔ چوں حضرت امام بیعۃ نکردند اتفاق جملہ میسر نیامد۔ بالجملہ اندریں صورت ہمہ اہل حل وعقد پابند دو باشند یا چار۔ ہاں عددی برای اوشاں معین نیست۔

مقدمہ ششم

ششم آنکہ خروج چیزی دیگر ست وخلع بیعت چیزی دیگر۔ چنانچہ نقض عہد چیزے دیگر ست ومنابذۃ عہد چیزی دیگر۔ اوّل بحکم "وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا"۔ "وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" ممنوع ست وثانی بارشاد "وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ" مباح۔ ہمچنیں خروج بر امام بعد بیعت ممنوع بالذات ست۔ وخلع بیعت وقتِ ضرورۃ بذاتِ خود مباح۔ اگر فاسقی سریر آرائے خلافت باشد تعطل حقوق وصدورِ مظالم وتوانی عوام در احکام وشیوع بدعات در جاہلاں مظنون بلکہ ضروری الوقوع ست۔ دریں وقت ضرورۃ اگر صاحب ہمتی برخیزد دوست بداماں خلیفہ آویزد واز سریر خلافتش برکشد ودست بدست عادلی زند، عاقلی رانمید انم کہ روئرش کند وچیں برجبیں افگند وآواز انکار بریں کار برآرد۔ ہاں اگر دریں عزل ونصب فتنہ برخیزد وآبروئے دین واہلِ دیں ریزد البتہ ممانعت عرضی عارض حال ایں فعال خواہد شد۔ پس بقدر مفاسد، انکار واز جار ضروری ست۔ اگر برہمی دین بنظر آید یا پریشانی اہلِ دین مظنون بود نشاید کہ

پیرامون ایں کار گردند۔ و اگر فقط صدمۂ برجان و مالِ خود یا اتباع یک جان خود افتادہ بینند ایں خود از عزائم ست۔ منشاء ایں عزیمت ہماں ست، کہ از اعظم شہادۃ کلمۂ حق عند سلطان جائر او کما قال فہمید باشی۔ مگر دانی کہ اندیشۂ فتنہ وفساد چنانچہ باعتبار وقائع مختلف است تجنیں باعتبار اندیشہ کناں مختلف است یکی را در یک واقعہ اندیشہا بر روئے کار می آیند و ہمت رامی گزایند و یکے را اُمید ہا کارے فرمایند و ہمتش رامی افزایند۔ پس اگر شخصے از اقامۃ فائتے از مسندِ خلافت از فقہا بترسد و دیگرے امید دریں عزل ونصب دارد آں را ممنوع وایں را مباح خواہد بود۔ باقی ایں قصہ را خدا داند کہ رائے کدام بر صواب ست و کدام بر خطا"۔ المجتہد یخطی ویصیب۔

در اہلیت ولیاقتِ خلافت

ہفتم اینکہ اہلیۃ ولیاقت خلافت بدو گونہ ست۔

(۱) یکے آنکہ تفویض خلافۃ باُو روا بود و بس ایں قدر لیاقت فقط با سلام وقریشیۃ ہم میرسد وصلاح وتقویٰ در ینقدر کار نیست۔

(۲) دویم آنکہ خلعتِ خلافت بر بالای حال اوراست اید۔ اعنی متمکین دین از دست او مظنون بود۔ ایں قسم لیاقت بے علمِ وافر وعملِ صالح وحُسنِ تدبیر وہمتہ بلند وترکِ دنیا میسر نمی تواں شد۔ پس آنچہ در احادیث نبائی مروی ست کہ:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی الیسر والعسر والمنشط والمکرہ وان لا ننازع الامر اھلہ و ان نقول او نقوم بالحق حیث ما کنا لا نخاف لومۃ لائم۔

نظر بر ہمیں اہلیۃ ثانیہ ست کہ از منازعۃ اَمر باوجود آں اہلیۃ منع فرمودہ اند۔

دلیل اوّل

ودلیلش اوّل ہمیں حدیث ست چہ جملہ اخیرہ اعنی ان نقول او نقوم بالحق الخ خود بریں قدر دلالۃ واضحہ دارد کہ اگر خلیفۂ وقت فاسق بود داد حق باید داد۔ وایں امر بدرجۂ اتم ہماں وقت ظہور کند کہ خلعِ بیعت تواں کرد۔

دلیل دوم

دوم آنکہ در اقامۃ فاسق از مسندِ خلافت ونشاندن عادل بجائش ہیچ محذوری مکنون و لازم ذات نیست کہ احتراز ازاں قابل اہتمام باشد۔ باقی ماند آنکہ اندیشۂ فتنہ وفساد موجب نہی باشد۔ اگر عقل باشد دریں جا معقول نیست۔ چہ اوّل علی الاطلاق ایں طور منع نمی فرمودند۔ بلکہ بشرط اندیشہ مذکور منع مے فرمودند واگر بلحاظ اکثریۃ وقوع فساد در تخییں وقائع تجۃ کردہ آید قطع نظر از آنکہ مارا کہ مجتہیم احتمال ہم کافی ست۔ بجز تعنت ایں را چہ جواب ست کہ قرینہ عطف جملہ لاحقہ اعنی ''وَاَنْ نَقُوْلَ اَوْ نَقُوْمَ بِالْحَقِّ'' مصحح اوّل ست نہ ثانی اعنی آنکہ مراد از اہلیۃ اتصاف بہ علم وتقویٰ وزہد وقوۃ وہمۃ وحُسنِ تدبیر ہست نہ فقط اسلام وقریشیۃ۔

(۷) ہفتم آنکہ انعقادِ خلافت بوجہ استیلاء وقہر وغلبہ بحکم ضرورۃ ست وخروج اندریں صورت باندیشہ فتنہ وفساد نہ آنکہ بذاتہ خود ممنوع ست۔ پس اگر کسے بزور وغلبہ متسلط شود ودیگراں را لائق خلافت نماید اگر امید غلبہ دارند رواست کہ سر برآرند ودست از اطاعتش بدارند۔ آئندہ خدا داند کہ ایں ظنِ اوشاں راست خواہد آمد یا نی۔ واللہ اعلم!

(۸) ہشتم آنکہ اتباع واطاعۃ ائمہ وخلفاء وجوب آں مشروط بشرط بقاء امامت است وخلافت مثل اتباع رسل تا وقتیکہ نبوۃ کسی بحال خود باقی ست، اعنی منسوخ بنبوۃ دیگرے نگردیدہ اتباع اوامر ونواہی شاں ضرورۃ ست وزمانیکہ اوشاں از عہدۂ نبوۃ خود برآیند اعنی نبوۃ شان منسوخ گردد۔ آندم اتباع اوشاں ضرور نیست، خواہ اوشاں زندہ باشند مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا مردہ بموت مخصوص خود۔ ہمچیں خلفاء را باید پنداشت۔ پس اگر خلیفہ را بوجہی معزول کنند یا خلافت او قبول نکنند اتباع اوامر ونواہی او لازم نخواہد بود۔ غایۃ مافی الباب ایں عزل وعدم قبول نازیبا ومکروہ ممنوع بود۔ غرض تاکیدات نبوی بنسبۃ اطاعۃ اُولی الامر نہ علی العموم ست بلکہ تا وقت بقاء خلافت وامامت شان ست۔

(۹) نہم آنکہ اگر افراد کثیرہ در لیاقت بمعنی ثانی شریک باشند فرق اگر باشد در شدۃ وضعف وزیادۃ وقلت باشد۔ آں وقت افضل آنست کہ افضل را خلیفہ گردانند نہ آنکہ واجب است۔ چنانچہ ظاہر ست وہم از قصۂ بیعۃ خلیفۂ اوّل با مرچہ بعد وفات سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اوّل انصار را داعیہ امارت بسر افتاد۔ اگر افضلیۃ در امام ضروری

بودے ایں خیال محال بود۔ چہ افضلیۃ مہاجرین وآنہم چار یار وبقیہ عشرہ مبشرہ دراں زمانہ ہم حکم بدیہیات داشت۔ خصوصاً افضلیۃ خلیفۂ اوّل۔ واگر گفتہ شود کہ تا آں وقت ضرورت افضلیۃ مثل ضرورت قریشیت معلوم نباشد۔

جوابش این است کہ ضرورت قریشیت محض شرعی است وعقل را دراں مجال مداخلت نیست آری افضلیت بمثابہ است کہ اگر ضروری باشد اغنی بدیہی بود وازیں ہم واگذاشتیم، پس از آنکہ: "الائمۃ من قریش"

خواندہ شدہ آں وقت کہ خلیفۂ اوّل حوالہ بر حضرت عمر وحضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کردند چنانکہ یاد باشد، خود دلیل کامل است بریں مدعا۔ چہ اگر بہ نسبت خود دیگراں را افضل میدانستند باری تفاوت مراتب دیگراں بالیقین معلوم بود۔ ہرکرا افضل میدانستند بہ بیعۃ ہماں کس ارشاد منعقد مودند۔

شُبہ

واگر گفتہ شود کہ ہر دور ابیک مرتبہ دانستہ باشند ہرچند ایں قسم بیہودہ خیالات تحت محض ست ومکابرہ سخت دریں امر چہ عذر خواہند آورد کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت باامیر معاویہ رضی اللہ عنہ سپردند۔ شیعہ اگر چشم حق بیں بستۂ یا شکستہ عذر تقیہ کند سُنیاں چہ خواہند گفت ہرچند ایں عذر شیعیاں نیز دریں واقعہ تحت ومکابرہ است چہ باایں افواج کثیرہ کہ بودند وآں انکار کہ لشکریاں کہ نمودند ایں عذر پوچ بنرخ گوز شترے ارزد۔

اما کلام بر اُصول سُنیاں است اوشاں را بجز تسلیم آنکہ خود تسلیم کردند ہیچ چارہ نیست وبعد ایں ہمہ چنیں وچناں ایں قدر بدیہی است کہ افضلیت کسے، موجب افضلیت استخلاف اولیٰ تواں شد، سبب وجوب استخلاف اوتواں شد۔

(۱۰) دہم آنکہ حال درمعرض تحول می باشد ہمیں است کہ حال نام کردند پس ممکن بلکہ ہزار ہا رامی ہیچم کہ وقتی تقویٰ است وطہارت وزہد است وعبادت وسجادۂ طاعت بردوش وحلقۂ اطاعت خداوندی در گوشہا زپس از چندی مسخرہ شیطان مے شوند وبرعکس رہ اوّل میروند۔ درحال اوّل لیاقت خلافت بمعنی ثانی دارند نہ درحال ثانی۔

(۱۱) یازدہم آنکہ اوامر ونواہی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ فقط برائے ایجاب وتحریم

می باشند بہر استحباب وغیرہ اُمورِ معلومہ نیز می باشند۔ آری تمیز اینکہ ایں امر و نہی برائے ایجاب وتحریم است و ایں امر و نہی برائے استحباب وغیرہ ہر کس را میسّر نیست آنکہ فرق مراتب موجبات امر و نہی وعلل غائیہ آں را می شناسد، ایں را می داند۔ چوں بحث دریں امر خاص است رمزی از منقسم باید گفت۔ اگر خلیفۂ وقت اہلیۃ ثانیہ داشتہ باشد قتال وجدال او حرام قطعی است چہ مضرۃ دینی ودنیوی بے شائبہ منفعت دینی پیش خواہد آمد۔ وایں قدر کیست کہ نمی داند کہ ایں قسم اُمور حرام مطلق می باشند۔ واگر از اہلیۃ ثانیہ بہرۂ ندارد، فقط باہلیت اولیٰ سریر خلافت را زیر پا گرفتہ و برمسندِ امامت وحکومت اہلاں نشستہ می باید دید کہ در تقدیر عزلِ آں ونصبِ دیگراں اگر فقط اتلاف جان و مال خویشتن است وبس امید غلبۂ درجاء شوکت نیست نہی از قتال وجدال او نہی شفقت خواہد بود، واگر اندیشۂ تمادی واستطارۃ فتنہ باشد اغنی بداند کہ ایں آتش در عرض وطول خود کردہ و ناکردہ را فرا خواہد گرفت فقط سرو کار با اہلِ پیکار نخواہد ماند، آں وقت نباید کہ دست قتال کشاید مگر اکثر ہمیں است کہ ایں تخمِ بے حقیقت شاخ و برگ خود دُور دُور می رساند وچوں نرساند کینہ از سینۂ سلاطین دریں چنیں اوقات سرمیزند وحب مال وجاہ کینہ کش بدخواہ خود می شود۔ بایں ہمہ آں طرف مال و دولت در دست وخشم وخدم سرپرست، قہر واستیلا حاصل، مخالف ومزاحم متاصل وایں طرف بجز موشک دوانی واُمیدِ پنہانی چیست کہ اُمید بستہ آید وقوتِ دشمن شکستہ اید۔ لیکن تا ہم کار پردازی غیب گاہی درکار بے سروساماناں می شود واقبال ونصرت مددگار بے خانماناں میگردد۔ انقلاب دولتِ بنی اُمیّہ از دستِ عباسیاں شنیدہ باشی وترقی دولتہ تیموریہ در کتب دیدہ باشی۔ پس اگر اُمید غلبہ ورجاء شوکت باشد، درمحاربہ ومجادلہ چہ باک۔

(۱۲) دوازدہم آنکہ در احادیث کتب صحیحہ مثل مسلم از عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ مروی ست کہ: "دعانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعنا فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا و مکرھنا و عسرنا و یسرنا و اثرۃ علینا ولا نتازع الامر اھلہ قال الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان۔"

ازیں روایت مثل آفتاب روشن است کہ اگر خلیفہ علی الاعلان مرتکب معصیت بینہ باشد واز اَمر معروف ونہی عن المنکر منزجر نشود منازعت با او جائز است چہ مراد از کفرِ بواحا

در بنجا معصیت است بقرینہ جملہ عندکم من اللہ فیہ برھان ورنہ کفر اصطلاحی محتاج ایں توصیف نبود چنانچہ ظاہر است۔ ہمچنیں جملہ لا ما اقاموا الصلوٰۃ کہ در بعض روایات صحیح مسلم بعد استفسار صحابہ رضی اللہ عنہم از منابذۃ امر فسقہ وارد است بریں امر دلالت دارد کہ اگر کسی ارکانِ ضروریہ دینیہ را ترک دہد دست اطاعت از دست او باید کشید۔

(۱۳) سیزدہم آنکہ فسق را مدارج کثیرہ است وحکم ہر درجہ جدا۔ ہمہ را بیک نرخ نباید گرفت۔ شرب خمر وامثالِ او نیز فسق است وترک صوم وصلوٰۃ وحج وزکوٰۃ ہم فسق است۔ باز اخفاء آں نیز فسق است واعلان آں نیز فسق است وتنہا کردن ایں کارہا نیز فسق است تحریص دیگراں ہم فسق است۔ ہم چنیں ارتکاب اُمور محرمہ ہم فسق است واعتقاد اُمور مبتدعہ ہم فسق است پس جائیکہ تحذیر از خروج بر فساق فرمودہ اند مراد ازاں مطلق فسق داشتہ اند مرادم ایں است کہ نفسِ فسق مِنْ حَیْثُ ھُوَ یعنی وماہیت ومصداق فسق بے اعتبار اُمور زائدہ موجب عزل وانعزال نیست۔ ورنہ ہر نوع فسق کہ باشد اگرچہ کفر بواح باشد وترک صلوٰۃ بود، موجب عزل نتواند شد۔

غرض ازیں گفتن کہ بر فاسق خروج نباید کرد لازم نمی آید کہ بر اعلانِ فسق ظاہر و ترک ضروریاتِ دین وبدعت ہم خروج نباید کرد۔ بالجملہ فسق کلی مشکک است نہ ہر فردِ او موجب خروج، ونہ ہر مرتبہ او مانع ازاں۔ بالجملہ قدر مشترک فیما بین مدارجِ فسق موجب خروج نیست وہمیں است معنی لایخلع ولا یجوز الخروج علیہ۔

(۱۴) چہاردہم آنکہ عقائد اہلِ سنت دو قسم است۔

(۱) یکے متفق علیہا جملہ اہل سنت بیک عقیدہ دل دادہ اند مخالفتِ ایں قسم عقائد چنانکہ شیعہ وخوارج ونواصب ومعتزلہ ومرجئہ کردہ اند موجب تفسیق وتبدیع می شود۔

(۲) دوم عقائد مختلف فیہا کہ اکابر اہل سنت دراں مختلف شدہ اند مثل اختلاف در تکوین وحسن وقبح۔ ایں قسم اختلاف را مثل اختلاف در شرائط جمعہ باید پنداشت۔ اگر فرق است ہمیں قدر است کہ آنرا در کتبِ کلامیہ آوردہ اند۔ وایں را در کتبِ فقہیہ سپردند مگر ایں قدر فرق نزد اہل عقل قابلِ التفات نیست وبا بے عقلاں کلام نیست پس چنانکہ شافعیہ، حنفیہ را اگر در دیہات جمعہ نخوانند ودر آنجا، جمعہ را واجب ندانند کافر وفاسق نخوانند۔ علی ہذا القیاس حنفیہ، شافعیہ را اگر باوجود سہ کس جمعہ را واجب ندانند کافر وفاسق ندانند۔

(۱۵) پانزدہم آنکہ استخلاف خلیفہ کسی را موجب عموم انعقاد است اگر شخص مستخلف لیاقت ثانیہ داشتہ باشد و وجہ عموم انعقاد ظاہر است چہ اطاعت اُولوالامر واجب است۔ ہر چہ فرماید، فرمان باید پذیرفت۔ مگر چوں بناء ایں قسم استخلاف بر اطاعت اُولوالامر است، ہمہ فوائد اطاعت قابل لحاظ خواہند بود پس اگر شخصے را خلیفہ وقت خلیفہ گردانند کہ لیاقت ثانیہ نداشتہ باشد بلکہ تارک صلوٰۃ و مبتدع بود، اطاعتش دریں امر لازم نخواہد بود چہ

''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ''

واگر بزعم خلیفہ او قابل خلافت بود و نزد دیگراں نبود تاہم اطاعتش ہمیں لازم نخواہد بود۔ البتہ خلیفہ وقت را ایں وقت بدنتواں گفت چہ بزعم خود او را قابل دانستہ، ولی عہد کردہ بود بزعم دیگراں اگر قابل نہ برآمد او چہ کند و ایں قسم اختلاف و تنازع خلیفہ و رعیت کہ خلیفہ اَمر مستحسن پندارد و رعیتش قبیش انگارد اکثر اتفاق افتادہ منجملہ مباحثہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و عمر فاروق رضی اللہ عنہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ در جمع قرآن نیز ہست و ہمچنیں دیگر وقائع بریں قدر دلالت دارند۔ پس ممکن کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید را لائق خلافت خود، چنانکہ مذکور خواہد شد، دیدند و بر خبث افعال او مطلع نشدہ باشند۔ و دیگراں او را قابل خلافت ندیدند یا دیدند و باز حال او متبدل شد۔ ازیں وجہ از بیعتش انکار کردند۔

چوں ایں مقدمات شانزدہ گانہ تمہید یافت اعتراض شیعیان خود پاش پاش شد۔ و بطور سئیاں در شہادۃ جگر گوشہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم امام الشہداء آنحضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و عن اولادہ جائے انگشت نہادن نماند و ہمچنیں در ولی عہد کردن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید را خدشہ موجب انکار نہ برآمد۔

بحث در ولی عہدی یزید

اَوّل اَز ولی عہدی یزید بحث مے کنم بعد ازاں در شہادت حضرت سیّد الشہداء علیہ وعلیٰ آبائہ السّلام حرف مے زنم۔ تا وقتیکہ امیر معاویہ یزید پلید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نبود۔ اگر چیزی کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را ازاں خبر نبود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از و مشہود شد مشہور است۔

خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در باب یزید و جہادش

در بیت اُم ملحان رضی اللہ عنہا کہ حضرت محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین یک بار دو بار خفتند و بیدار شدند و ہر بار خندیدند و در وجہ خندہ فرمودند (کہ) جماعتی از اُمتیاں خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد میکنند و در شان اوشان فرمودہ اند۔

''ملوک علی الاسرۃ {اسرہ بمعنی قبائل وخاندان مطلب یہ ہے کہ قبائلی بادشاہوں کی طرح وہ جماعت تھی خلیفہ کے طور پر نہ تھی۔ مترجم} او مثل الملوک علی الأسِرَّۃ''

مصداق خواب ثانی ہمیں یزید و ہمرا ہیانش برآمدند چنانچہ بر تاریخ داناں و حدیث خواناں پوشیدہ نیست۔ غایۃ مافی الباب بہ سبب خرابیہائی پنہانی کہ داشت ہمچو منافقاں کہ در بیعت الرضوان شریک بودند و بوجہ نفاق، رضوان اللہ نصیب اوشاں نشد، یزید ہم از فضائلِ ایں بشارت محروم شد۔

مذہب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ در بارۂ خلافت

واین طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ در بارہ خلافت آں بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد گو افضل از و باشند افضل است از دیگراں۔ نظر بریں اورا افضل از دیگراں دانستند، واگر افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند، چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استحقاق افضل، افضل است نہ، واجب۔ لیکن ایں قدر را گناہ متواں گفت، کہ بست وشتم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیش آئیم واین طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلۂ صحابہؓ نمی شماریم کہ نیست ترکہ افضل واولیٰ ہم دریں چنیں امور معذرۃ نمائیم

حال یزید پس از وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

ہاں پس از انتقالِ اوشاں یزید پای خود از شکم برآورد و دل بکام و دست بجام سپرد۔ اعلان فسق نمود و ترکِ صلوٰۃ داد۔ بحکم بعض مقدماتِ سابقہ قابلِ عزل گردید و ایں قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است محال نیست۔ مگر دریں وقت رای اہلِ رائے و تدبیر مختلف افتاد۔ کسی را کہ اندیشۂ فتنہ وفساد غالب افتاد ناچار دست بہ بیعتش بکشاد و احتراز اً عن المعصیۃ

شرط اتباع معروف درمیان نہاد وآں را کہ بوعدہ یک جماعت کثیرہ مثلاً امید غلبہ ورجاء شوکت بنظر آمد حسبۃً للہ برخاست وتہیہ کارزار ساخت۔ پس ہر چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و امثالِ اوشاں کردند بجا کردند وآنچہ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ نمودند عین حق وصواب نمودند۔ بناء ایں اختلاف بر اختلاف اُمید است نہ بر اختلاف در جواز اَصل فعل وعدم جواز آں۔ مگر انجام کار بوجہ نقض عہد کوفیاں تدبیر حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ برنشانہ نشست و روز عاشورہ قیامت قبل از قیامت درمیدانِ کربلا برخاست۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''

حادثۂ کربلا چوں غزوۂ اُحد وحنین

وایں قسم برہمیں کار نہ فقط حضرت سید الشہداء رارضی اللہ عنہ پیش آمد در جہاد ایں چنیں اکثر پیش می آید۔ واقعہ اُحد وحنین نشنیدہ باشی۔ پس چنانکہ شہیدانِ اُحد وحنین بذروۂ شہادۃ رسیدہ اند۔ وازاں برہمی کار خللی در فضائل اوشاں راہ نیافت۔ ہمچیں شہیدانِ کربلا را باید شناخت۔ وایں وقتی است کہ بجز استخلاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا بیعت مردم یا تسلط اوخلافتش راعام وشامل شمارند واگر بایں قدر کہ بوقوع آمد، فقط بانعقاد مطلق خلافتِ او قائل شویم وعموم وشمول خلافتش راتسلیم نہ کنیم وگوئیم کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ واتباعِ اوشاں از ربقۂ اطاعتِ او ہنوز خارج بوند، حاجتِ عزل ہیچ نیست واوشاں رادر خروج برد معذوری نی وایں فرقِ انعقادِ {انعقادِ مطلق اور عموم انعقاد میں یہ فرق ہے کہ انعقادِ مطلق لیاقتِ اولیٰ یعنی قریشیت کی بناء پر بھی ہو جاتا ہے اور عموم انعقاد خلیفہ میں لیاقتِ ثانیہ یعنی قریشیت اور علم اور تقویٰ کی بناء پر ہوتا ہے۔ مترجم} مطلق وعمومِ انعقاد ہر چند امروز کم فہماں فہمند۔ مگر بہ تتبع معاملات سابقین واضح است کہ بیعت ہر کس را از اہل حل وعقد فقط موجب اطاعت درحق او و درحق خدمِ اومی شمردند۔ ورنہ حاجتِ بیعت حضرت علی واہتمام بداں بردست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما چہ بود وہمچیں یزید بعد بیعت اہلِ شام ودیگر اہل حل وعقد خواستگارِ بیعت از حضرت حسنین رضی اللہ عنہ وعبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ودیگر رضوان اللہ علیہم نشدی۔

مدارِ کار برنیّت

چوں ایں قدر دانستہ شد ودیگر معلوم باد کہ مدارِ کار برنیت است بشہادۃ:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ"

وحُسنِ نیت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قابلِ آں نیست کہ در آں تردد کردہ آید۔ اندریں صورت در شہادت حضرت ہمام علیہ السلام چہ تردد۔ نہ یزید در حقِ اوشاں خلیفہ بود، نہ خروج بر ممنوع۔ واگر خلیفہ بود تاہم خروج ممنوع نہ بود واگر خروج ممنوع بود، عزل ممنوع نہ بود۔ بالجملہ وجوہ ممانعت مفقود وموجبات جہاد موجود۔ در حُسنِ نیت کلام نیست۔ باز اگر اوشاں شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود۔

دیگر وجہ شہادت

وازیں ہم درگذشتیم۔ اگر موجبات جہاد نبودند اوشاں نیز از تصدی جہاد باز آمدہ مے خواستند، کہ براہ خود روند۔ لشکریانِ یزید پلید نگذاشتند ومحاصرہ کردند ظلماً شہید ساختند۔

"مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِہٖ وَمَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ"

اجماعِ بیعتِ یزید وجواب آں

باقی ماند کہ اوشاں مخالفتِ اجماع کردہ اند

جوابش انیست کہ اوّل اجماع مسلّم نیست اگر باشد عدمِ مخالفت باشد۔ بایں ہمہ اجماع بر عدمِ جواز خروج بر فساق است۔ ومعنی آں ہر چہ ہست عرض کردہ شد۔ از اجماع بر عدمِ جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید کہ خصوصیات زائدہ مراتب ایں کلی مشکک نیز موجبِ خروج تواں شد۔ بایں ہمہ اجماع غیر مسلّم وفتیکہ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہما و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ واہلِ مدینہ کاری کردہ باشند، مخالف آں را مجمع علیہ چگونہ تواں گفت واگر بالفرض اجماع اجماع را تسلیم کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیدہ بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ منعقد گردید۔ مخالفت ایں اجماع حضرات امام رضی اللہ عنہ راچہ مضر غایۃ مافی الباب امام ہمام رضی اللہ عنہ در زمانِ خود در یک مسئلہ مختلف فیہ خطا کردند ولا مخذور فیہ چنانچہ عرض کردہ شد۔

عبارت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

اکنوں وقت آن است کہ عبارت نووی رحمۃ اللہ علیہ دریں بارہ نقل کردہ شود تا

تفصیل اجمال وتصدیق ایں مقال بدست آید (امام نووی گوید)

"اجمع اهل السنة ان لا ينعزل السلطان بالفسق واما لوجه المذكور فى كتب الفقه لبعض اصحابنا انه ينعزل وحكى عن المعتزلة فغلط من قائله مخالف الاجماع۔ قال العلماء و سبب عدم انعزاله و تحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن و اراقة الدماء و فساد ذات البين فتكون المفسدة فى عزله اكثر منها فى بقائه۔"

قول العیاض

قال القاضى عياض رحمة الله عليه اجمع العلماء على ان الامامة لا تنعقد لاكافر و على انه لو طرء عليه الكفر انعزل۔ قال و كذالو ترك اقامة الصلوة والدعا عليها قال و كذلك عند جمهور هم البدعة قال وقال بعض البصريين تنعقد له و تستدام له لانه طارئ قال القاضى فلو طرأ عليه كفر و تغيير اللشرع او بدعة خرج عن حكم الولاية و سقطت طاعته و وجب على المسلمين القيام عليه و خلعه و نصب امام عادل ان امكنهم ذلك۔ فان لم يقع ذلك الا بطائفة وجبت عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب فى المبتدع الا اذا ظنوا القدرة عليه فان تحققوا العجز لم يجب القيام و يهاجر المسلم من ارضه الى غيرها و يفر بدينه قال ولا ينعقد للفاسق ابتداءً فلو طرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه الا ان يترتب عليه فتنة و حرب۔

قول جماہیر سنت از فقہاء ومحدثین ومتکلمین

قال جماهير اهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم و تعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه و تخويفه للاحاديث الواردة فى ذلك۔

قال القاضى و قد ادعى ابو بكر بن مجاهد فى هذا الاجماع و قد رد عليهم بقيام الحسين رضى الله عنه و ابن الزبير رضى الله عنه و اهل المدينة على بنى أمية و بقيام جماعة عظيمة من التابعين و صدر الاول على الحجاج مع ابن الاشعث و تاول هذا القائل قوله صلى الله عليه وسلم۔ ان لا ننازع الامر اهله

فی ائمة العدل و حجة الجمهور ان قیامهم علی الحجاج لیس بمجرد الفسق بل لما غیر الشرع و ظاهر من الکفر۔ قال القاضی و قیل ان هذا الخلاف کان اوّلا ثم حصل الاجماع علی منع الخروج علیهم واللہ اعلم انتهی بلفظه۔

پس از مطالعہ ایں عبارت تصدیق اکثر مقدمات مذکورہ حاصل مے شود۔ بالجملہ بر اُصول اہل سنّت حال یزید بہ نسبت سابق متبدل شد۔ نزدِ بعض کافر شد۔ ونزد بعض کفرِ او متحقق نگشت۔ اسلام سابق مخلوط بفسق لاحق شد۔ اگر حضرت امام کافرش پنداشتند درخروج براو چہ خطا کردند۔ امام احمد راہمیں رای پسند خاطر افتادمگر چنانکہ ممکن است کہ کفر کسی نزد یکی کسے متحقق شود ونزدِ دیگراں نشود۔ ہمچنیں خروج بر دو حق ایں وآں مختلف خواہد بود واتفاق در تکفیر و تفسیق وتعدیل وتجریح کسی از ضروریاتِ دینی یا از بدیہیاتِ عقلی نیست کہ حاجتِ معذرت افتد۔ و درصورتِ فسق آنچہ پیش کردہ ام یاد خواہد بود۔ تاہم ہیچ صعوبتی بر اُصول اہل سنّت نیست۔ چہ یزید اندریں صورت یا فاسق معلن بود، تارک صلوٰۃ وغیرہ یا مبتدع بود چہ از روئے سامی نواصب است بایں ہمہ عموم خلافتش غیر مسلّم۔

نظر بریں وجوہ بیاد ملفوظاتِ سابقہ درخروج بر وہیچ قباحتی نے۔ بایں ہمہ خروج ہرچنیں کساں تا حال نزد ہمہ جائز، واگر نزدِ ہمہ جائز نیست نزدِ بعض جائز۔ چنانچہ از مشاہدۂ عبارتِ نووی واضح است ودر مسائل مختلفہ خلاف یکی مر دیگراں را موجبِ تفسیق اوشاں، آں را، بطلانِ اعمال او، عنداللہ نے تواں شد۔ چنانچہ واستہ شد۔ واگر فرض کنیم بر عدمِ جواز خروج برچنیں کساں اجماع است، اجماع حادث است، اجماعِ قدیم نیست تا، اصولِ اہل سنت در شہادتِ امام ہمام تردّدی اہ یابد۔ زیادہ از زیادہ اگر کسی گوید ای بگوید کہ حضرت امام دریں مسئلہ خطا کردند لیکن چہ حرج المجتہد یخطی ویصیب بنای ثواب بر نیت خطای اجتہادی دریں بارہ مزاحمِ حال نے شود۔ چنانچہ در اصولِ اہل سنت۔ چہ اگر بظن غروب روزہ افطار کرد وتا نماز مغرب بخواند وہنوز آفتاب غروب نشدہ بود، ایں کس را تا آخر عمر بر خطای خود اطلاع نشد ہرگز عاقلی تجویز نے تواں کرد کہ از ثواب محروم ماند ورنہ تکلیف مالایطاق لازم خواہد آمد وہو محال

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

آرے برطبق اُصولِ شیعہ شہادت حضرت امام الشہداء رضی اللہ عنہ درکنار دین و ایمان شان ہم از دست مے رود۔ نعوذ باللہ منہا۔ اگر باور نیا شد بنگر کہ در کافی کلینی روایات دریں باب کہ ہر کرا تقیہ نیست دین وایمان ندارد وارد شدہ اند، مع سند نقل مے کنم۔

(۱) اوّل: عن ابن عمر عن ہشام بن سالم عن ابن ابی بکر الاعجمی قال قال ابو عبداللہ یا ابا عمر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ و لا دین لمن لا تقیۃ لہ و التقیۃ فی کل شئ حتی فی المسح علی الخفین۔

(۲) روایت دیگر: عن محمد بن یحیٰی عن احمد بن محمد بن عمر بن خلاد قال سالت ابا الحسن علیہ السلام عن القیام للولاۃ فقال ابو جعفر التقیۃ دینی و دین ابائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔

ازیں دو روایت مثل آفتاب روشن می برآید کہ ہر کہ تقیہ نکند، بے دین وایمان است

اکنوں از حضرات شیعہ التماس است کہ اگر ہمیں تقیہ است حُسنِ خاتمہ حضرت امام الشہداء معلوم، چہ جائیکہ شہادت۔ وظاہر است کہ دریں دو روایت ہیچ گونہ گنجائشِ تاویل یا تخصیص نیست۔ اگر تاویل فرمایند یا تخصیص بعدد وشخصی نمایند، مسموع نخواہد بود۔ اکنوں ازیں چارہ نیست کہ مذہب اہل سنّت اختیار کنند۔ واگر از اتباع حق عار وانکار است لاجرم از ائمہ دوازدہ گانہ کُل یازدہ باقی خواہند ماند۔ اندریں صورت انکار از حق و اصرار بر مذہب باطل لاجرم خواہد آمد۔ چہ حضرت امام را دریں ضیق وناچاری کہ قابلِ سی ہزار فوج جرار چند معدود بودند وآنہم یکی بعد دیگرے شربتِ شہادت چشیدند تقیہ لازم بود۔ اگر اوّل اُمرِ اُمید بود در آخر وقت کہ ہیچ کس نماند تقیہ لازم افتادہ بود۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال و جواب دیگر ان شاء اللہ تعالیٰ بشرطِ فرصت عنقریب بہ نظر سامی خواہد گزشت لَا تَقْنَطُوْا۔ ایں دو آیت کہ نقل کردہ شد اگر احتمالی دروغ باشد برطابق نمایند۔ اگر نزد شما کافی کلینی نباشد نسخۂ مطبوعہ نہران نزد ما موجود است، ملاحظہ نمایند۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔ فقط۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ: تمام تعریفیں جہانوں کے پروردگار کے لئے ہیں اور درود و سلام رسولوں کے سردار ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد اور اصحاب سب پر ہو۔ اللہ کی تعریف اور رسول پر درود کے بعد، پہلے میں چند تمہیدیں لکھتا ہوں کہ مدعا کا ثبوت اور اس کی وضاحت ان تمہیدوں کے بغیر مشکل ہے اور وہ مقدمات یہ ہیں:

پہلا مقدمہ

ترجمہ: ''اوّل یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہلِ بیت کے امام، اللہ کی ان سب پر رضامندی ہو، اہل سنّت کے نزدیک دوسرے مجتہد اماموں (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) کی طرح امام اور مجتہد ہیں کہ اجتہادی غلطی ان سے ممکن ہے۔ ہمارا عقیدہ شیعوں کی طرح یہ نہیں ہے کہ امام سے بالکل چوک محال اور غلطی ناممکن ہے ہر چند کہ اس مقام پر اسی قدر لکھنا کافی ہے کیونکہ یہ مقام، جواب کا مقام ہے۔ اپنے اُصول کا لکھ دینا کافی ہے دلیل کا پیش کر دینا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اعتراض شیعوں کی طرف سے ہے اور کسی پر اعتراض یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے مذہب اور اُصولِ مذہب کے خلاف کسی بات کو پیش کر دیا جائے، جو اس کے معارض ہو۔ پس اگر ہم کہیں کہ ہمارا مذہب یہ نہیں ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب اور ہے تو اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ اس مقام پر دلیل کا لانا ضروری نہ ہوگا۔

تاہم اِجمالی اشارہ اس طرف بھی کر کے میں آگے روانہ ہوتا ہوں تاکہ غور و فکر کرنے والے حق کے طلب گار مناظر کو ہماری طرف سے کوئی ہدایت حاصل ہو جائے اور متعصب پر اعتراض اور الزام عائد ہو جائے۔

بدر کے قیدیوں کے قصے میں معلوم ہونا چاہئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کیا تھا اور حضرتِ خدا {غزوہ بدر ۲ ہجری میں ستر کافر پکڑے ہوئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ بعض نے قتل کا مشورہ دیا۔ بعض نے کچھ مال لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رحم دلی کی وجہ سے اسی رائے کو پسند فرمایا۔

چنانچہ عقبہ، نضر اور طعمہ تو قتل کئے گئے۔ باقی سب قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ البتہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو کچھ لئے بغیر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سے چھوڑ دیا گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ط تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ط وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ یعنی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کرلیں۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں اور اللہ غالب حکمت والے ہیں۔ (سورۂ الانفال، رکوع ۹، پارہ ۱۰)} کی طرف سے کیا فرمایا گیا اور بکریوں کے جھگڑے میں {ایک کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں جا پہنچیں اور اُنہوں نے کھیت کھالیا۔ داؤد علیہ السلام نے کھیت کی لاگت اور بکریوں کی قیمت کو برابر پا کر بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ کردیا جو شرع کے مطابق تھا لیکن چونکہ اس میں بکریوں والوں کا بالکل ہی نقصان تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے دونوں کی رضامندی سے یہ فیصلہ کردیا کہ چند روز کے لئے بکریاں کھیت والوں کو دی جائیں کہ گزارہ کریں اور بکریوں والوں کے کھیت سپرد کیا کہ آب پاشی کریں۔ جب کھیت پہلی حالت کو آ گیا، تو بکریاں مالکوں کو واپس ہوئیں اور کھیت والے کو کھیت دے دیا۔" وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ○ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ" (سورۂ انبیاء، آیات، ۷۸، ۷۹)} معلوم ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی رائے کیا تھی اور "ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا" میں کیا حکم فرمایا۔ پس جب انبیاء علیہم السلام کا حال اجتہاد میں یہ ہے تو دوسرے مجتہدوں کا کیا ہوگا۔ اس لئے کیوں نہ یہ کہیں کہ "مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور ٹھیک فیصلہ بھی کرتا ہے۔"

دوسرا مقدمہ

ترجمہ: "دوسری بات یہ ہے کہ مجتہد ائمہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے پر حکم دیئے گئے ہیں۔ ان کے لئے دوسرے اماموں کی پیروی درست نہیں ہے، ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ دوسروں کی پیروی ضروری نہیں ہے۔

تیسرا مقدمہ.....اجتماع کے متعلق

ترجمہ: تیسری بات یہ ہے کہ اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ ایک دَور یا زیادہ کے تمام اہل رائے کسی معاملے میں اس طرح رائے دیں کہ یہ اَمر فلاں فلاں دلائل کی بناء پر اس

طرح یا اُس طرح ہے۔ صرف مخالفت نہ کرنا اجماع نہیں کہلا سکتا۔ چنانچہ یہ جملہ کہ:

''جس اَمر کو مؤمنین اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔''

جو اجماع کے حجت ہونے کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے وہ بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس جملہ میں دیکھنے سے دل کا دیکھنا مراد ہے نہ کہ آنکھ کا دیکھنا اور دل کا دیکھنا اسی طریقے سے ہوتا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔

پس اگر صاحب رائے علماء میں سے ایک دو عالم کسی بات کی طرف گئے اور دوسروں نے سُستی اختیار کی اور خود بھی اس کے بغیر کہ اس معاملے میں مذکورہ طریقے سے غور کریں، ان کا اتباع اختیار کیا یا خود صاحب رائے نہ تھے اور تقلیدی طور پر ان کے پیرو بن گئے تو اس کو اجماع نہ کہنا چاہئے اور اسی طرح اگر کسی شخص یا کسی جماعت نے کسی اَمر میں حلال اور حرام ہونے کی وجوہات کی تنقیح کئے بغیر اصطلاح بنالی جیسا کہ (شادی بیاہ کی) رسموں میں ہوتا ہے تو وہ اجماع نہ ہوگا۔

چوتھا مقدمہ

ترجمہ: چوتھا مقدمہ یہ کہ اجماع مذکور کی پیروی اجماع کے ثابت ہوجانے کے بعد ہی ضروری ہے۔ اگر کوئی مسئلہ اجماع کے تحقق اور منعقد ہونے سے پہلے اختلافی ہوگا، تو وہ لوگ جنہوں نے اجماع کے منعقد ہونے سے پہلے، بعد میں منعقد ہونے والے اجماع کے خلاف کام کیا ہے تو وہ لوگ اجماع کی مخالفت کے طعنے میں نہیں آئیں گے۔

پانچواں مقدمہ

پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ مطلق خلافت کا منعقد ہونا دوسری چیز ہے اور عام خلافت کا ہونا دوسری چیز۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ہے''۔

اس لئے ہر سردار کا بیعت کرنا، اسی کی رعایا کے حق میں بیعت منعقد ہوجانے کا موجب ہے، اور یہی معنی ہیں اہل حل وعقد کے بیعت کے واجب ہونے کے۔ پس مثال کے طور پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت کرنا ان کے نوکر چاکر اور ان کے متبعین کے حق میں بھی اطاعت کا موجب ہے۔ جن میں ملازمین، غلام اور اولاد وغیرہم شامل ہیں لیکن امام

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تابع لوگوں کے اُوپر واجب نہیں ہے اور علماء نے یہ جو کہا ہے کہ اہل حل وعقد کے بارے میں کسی معین عدد کی شرط نہیں ہے اس کی بنیاد اسی پر ہے کہ اہل حل وعقد کے وجود کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے بلکہ اتفاق اور اختلاف کلمہ کے اعتبار سے اہل حل وعقد میں سے کم اور زیادہ ہو سکتے ہیں اور یہ بات نہیں ہے کہ عام بیعت منعقد ہونے کیلئے حسب الاتفاق اہل حل وعقد میں سے ایک دو آدمیوں کی بیعت کر لینا کافی ہے۔

مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت کے زمانے میں اہل حل وعقد کا مصداق ایک شخص سے زیادہ نہ تھا میرا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح اور جنگ، تمام مسلمانوں کی صلح وجنگ تھی اور اسی طرح آپ کے خلفاء کی صلح وجنگ ان کی خلافت پر تمام کے متفق ہو جانے کے بعد، تمام رعایا کی صلح وجنگ تھی اور اس کے بعد کہ یہ اتحاد (چوتھے خلیفہ کے زمانے میں) نا اتفاقی میں بدل گیا اور جماعتیں جُدا جُدا پیدا ہو گئیں تو اہل حل و عقد بھی بہت ہو گئے۔ ہر جماعت کا سردار اہل حل وعقد کے مفہوم کا مصداق بن گیا۔

اس وقت اہلِ حل وعقد میں سے ایک شخص کی بیعت مطلق خلافت کے منعقد ہونے کا سبب ہوگی (نہ کہ عام خلافت کے منعقد ہونے کا) جو لوگ اس کے پیرو ہوئے خلیفہ کا اتباع ان پر لازم ہوگا لیکن دوسرے اہلِ حل وعقد اور ان کے پیرو یا وہ لوگ جو نہ کسی جماعت میں ہیں اور نہ کسی کی پارٹی میں ہیں، وہ لوگ اس بیعت کے لازم اور واجب ہونے سے آزاد ہوں گے۔ ہاں اگر تمام اہل حل وعقد بیعت اور ارادت کا ہاتھ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں دے دیں تو تمام مسلمانوں کو خواہ کسی کے تابع ہوں یا نہ ہوں۔ اس شخص کی فرماں برداری ضروری اور لازمی ہو جائے گی اور اگر ہم کچھ چشم پوشی کریں تو اس سے زیادہ کہنے کا موقع نہیں ہے کہ خود سر جن کا کوئی سردار نہ ہو اور بغیر سردار کے اپنی راہ چلنے والے لوگوں کو اس کی پیروی اور فرماں برداری ضروری ہوگی لیکن باقی اہل حل وعقد اس قسم کی ہر ایک اطاعت سے جُدا ہیں۔

ہاں اگر کوئی شخص ایسی دنیوی مرکزیت رکھتا ہو کہ وہ اپنے ساتھ کوئی وفادار لشکر رکھتا ہو لیکن علم وعمل میں دوسروں کے برابر نہیں ہے اور دوسرے جو کہ علم وعمل سے کافی حصہ رکھتے ہیں تمام کے تمام متفق ہو جائیں اور کسی کی امارت قبول کر لیں، اس وقت مذکورہ دنیوی شخص کو اور اس کے پیچھے چلنے والوں کو ان کی پیروی ضروری ہو جائے گی کیونکہ وہ لوگ اللہ کے احکام

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق واجب الاطاعت ہیں اور اہل حل وعقد اس کے حق میں۔ آیت: ''اُن میں {فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ الخ۔ پارہ نمبر ۱۱، سورہ توبہ رکوع نمبر ۱۵، آیت ۱۲۲ر میں ہے۔ مترجم} سے ہر جماعت میں سے ایک گروہ کیوں نہیں سفر کرتا تا کہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو جب اُن کی طرف واپس آئیں۔ ڈرائیں، تا کہ وہ حذر کریں اور نیز پوری آیت اس طرح ہے {''يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' (پارہ نمبر ۵، سورۂ نساء، رکوع نمبر ۸، آیت نمبر ۵۹)} ''اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور تم میں سے جو حاکم ہوں''۔ اس طرح کے لوگوں کی اطاعت پر واضح دلالت کرتی ہے بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے۔

اگر وقت کی تنگی مانع نہ ہوتی اور اس بحث کا موضوع سے نکل جانے کا معاملہ موجودہ حالت کے درمیان رکاوٹ نہ بنتا تو اس بارے میں قلم سے پھول بوٹے نکالتا۔ اس کے باوجود ''عقل مند آدمی کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے'' کے مطابق جو کچھ کہ کہا گیا رہنمائی کے لئے کافی ہے اور یہ آخری نکتہ ایک پیدا ہونے والے اعتراض کی پہلے ہی سے پیش بندی کے لئے ہے کہ شاید کسی کی زبان پر یہ بات آجائے۔ بالجملہ بیعت کا مطلق انعقاد تو ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور عام انعقاد تمام اہل حل وعقد کے متفق ہوئے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر اہل حل وعقد کی اہلیت ایک ہی شخص میں منحصر ہو جائے تو اس وقت خلافت کا عام ہونا ایک شخص کے ذریعہ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

اور وہ جو کہ شرح مقاصد میں ہے (کہ): ''اور امامت کئی طریقوں سے منعقد ہو جاتی ہے ان میں سے ایک طریقہ اہل حل وعقد کی بیعت کر لینا ہے یہاں تک کہ پھر مصنف شرح مقاصد نے کہا'' بلکہ اگر کسی ایک ہی واجب الاطاعت سے حل وعقد وابستہ ہو جائے تو اسی ایک کی بیعت کر لینا کافی ہے۔''

اس کے بعد صاحب شرح مقاصد نے کہا:

''اور دوسرا طریقہ انعقادِ امامت کا استخلاف امام ہے الخ۔''

اگر یہ طریقے مطلق انعقادِ امامت کے طریقے ہوں تو یہ معنی ہیں کہ مطلق انعقاد کے لئے ایک دو آدمیوں کی بیعت اور نیز استخلاف اور غلبہ اور شوکت کافی ہے لیکن مطلق انعقاد سے انعقاد کا عام ہونا لازم نہیں آتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی اطاعت لازم ہو،

اور اس کے خلاف اُٹھنا حرام ہو، اور اگر یہ طریقے کامل انعقاد یعنی خلافت کے عام اور شامل ہونے کے طریقے ہیں اور صحیح بھی یہی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ اگر اہل حل وعقد فقط ایک دو شخص ہیں تو وہی کافی ہیں کیونکہ اہل حل وعقد کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں ہے لیکن اس صورت میں بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی اطاعت ضروری نہیں ہو جاتی کیونکہ عام خلافت تمام اہل حل وعقد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی، اس لئے سب اہل حل وعقد کا متفق ہونا حاصل نہ ہوسکا۔ اس لئے اس صورت میں تمام اہل حل و عقد دو کے پابند ہوں گے یا چار کے ہاں ان کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں ہے۔

چھٹا مقدمہ

ترجمہ: چھٹے یہ کہ کسی خلیفہ کے خلاف بغاوت اور چیز ہے اور بیعت توڑ دینا دوسری بات ہے۔ چنانچہ عہد شکنی کرنا دوسری چیز ہے اور معاہدے کو ختم کر دینا اور بات ہے اوّل یعنی عہد توڑنا تو وہ عہد {''وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا'' (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۵، رکوع ۸)} کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

اور قسموں {''وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا'' (سورۃ النحل، آیت ۹۱، رکوع ۱۳)} کو ان کی تاکید کے بعد مت توڑو'' کے حکم کے مطابق ناجائز ہے۔

اور ''عہد کو حتہ {پوری آیت یہ ہے: ''وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ'' اور اگر آپ کو کسی قوم سے دغا کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں، ایسی طرح کہ تم اور وہ برابر ہو جائیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قوم میں ایسے آثار پائے جائیں، کہ وہ عہد شکنی پر آمادہ ہیں تو آپ کو اجازت ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو اُن کا عہد واپس کر دیں اور معاہدے کی دست برداری سے ان کو مطلع کر دیں۔ تاکہ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ ہو جائیں۔ (سورہ الانفال، آیت ۵۸، رکوع ۷، پارہ نمبر ۱۰)} پر مارنا۔ تو برابری کے طور پر ان کی طرف عہد کو پھینک دو'' کے ارشاد باری کے مطابق مباح ہے۔

اسی طرح امام کے خلاف بغاوت بیعت کرنے کے بعد از خود ناجائز ہے اور بیعت سے ضرورت کے وقت بُری ہو جانا اپنی جگہ مباح ہے۔ اگر کوئی فاسق خلافت کے تخت پر چڑھ بیٹھے گا تو حقوق کا ضائع ہونا، مظالم کا صادر ہونا، عوام کا احکام الٰہی میں سُست پڑ جانا۔ جاہلوں

میں بدعت کا شائع ہو جانا گمان کیا جا سکتا ہے بلکہ ان اُمور کا واقع ہونا لازمی بات ہے۔ اس وقت ضرورت کی وجہ سے اگر کوئی ہمت والا شخص اُٹھ کھڑا ہو اور خلیفہ کے دامن کو پکڑے جو اس کو خلافت کے تخت سے اُتار پھینکے اور کسی منصف آدمی کے ہاتھ پر بیعت کرے تو میں کسی عقل مند کو ایسا نہیں پاتا کہ وہ ترش رو ہو اور اس کی پیشانی پر بل پڑ جائیں اور ایسا کرنے پر مخالفت کی آواز بلند کرے۔ ہاں اگر اس فاسق خلیفہ کے اُتارنے اور دوسرے کو مقرر کرنے میں فتنہ پیدا ہو جائے، اور دین اور اہلِ دین کی بے آبروئی ہو، تو عارضی طور پر ایسا کرنے والے کے لئے ممانعت پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے فسادات کی مقدار کے مطابق تنبیہ اور زجر ضروری ہے۔ اگر دین کا شیرازہ منتشر ہوتا نظر آئے یا اہلِ دین کی پریشانی کا گمان غالب ہو تو اس کے خلاف اُٹھنا لائق نہیں کہ اس کام کے قریب بھی پھٹکیں اور اگر کوئی صدمہ اپنی جان یا مال یا اپنے موافقین فرماں برداروں پر واقع ہوتا دیکھیں تو یہ ہمت کا کام ہے۔

اس اُولوالعزمی کا مقصد وہی ہے جیسا کہ جابر بادشاہ {"وَاَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" (حدیث) (ترجمہ: افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے} کے سامنے حق کا کلمہ کہنا بڑی شہادت ہے کی حدیث سے تم نے سمجھا ہوگا مگر تمہیں معلوم ہے کہ فتنہ وفساد کا اندیشہ جیسا کہ واقعات کے اعتبار سے مختلف ہے اسی طرح اندیشہ کرنے والوں کے اعتبار سے بھی مختلف ہوا کرتا ہے۔ ایک شخص کو ایک واقعے میں کتنے ہی خطرے محسوس ہوتے ہیں اور ہمت کو توڑ دیتے ہیں اور ایک شخص کے لئے اُمید افزا ہوتے ہیں اور اس کی ہمت کو بڑھاتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص کسی فاسق کو تخت سے اُتارنے میں فتنوں سے ڈرتا ہے اور دوسرا اس کو اُتارنے اور دوسرے کو خلیفہ بنانے میں اُمید رکھتا ہے، تو ڈرنے والے کے لئے ممنوع اور نہ ڈرنے والے کے لئے مباح ہوگا۔ باقی اس قصے کو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی رائے ٹھیک ہے اور کس کی غلط کیونکہ مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی۔

خلافت کی لیاقت اور اہلیت کے بارے میں

ساتویں بات یہ ہے کہ خلافت کی لیاقت واہلیت دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) اوّل یہ کہ خلافت کی سپردگی اس شخص کیلئے فقط جائز ہو۔ اتنی لیاقت صرف اسلام اور قریشیت سے حاصل ہو جاتی ہے اور نیکی اور پرہیزگاری کی اس میں چنداں ضرورت نہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ خلافت کا لباس اس کے قد پر فٹ آجائے۔ میرا مطلب ہے کہ دین کا اقتدار اس کے ہاتھوں اغلب ہو تو اس قسم کی لیاقت کثرتِ علم، عملِ صالح اور حُسنِ تدبیر، ہمت بلند اور ترک دنیا کے بغیر میسّر نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے جو کچھ نسائی کی حدیثوں میں روایت کیا گیا ہے کہ:

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگی اور فراخی، سُکھ اور دُکھ میں مطیع و فرماں بردار رہنے کی بیعت کی اور یہ کہ ہم اہلِ اَمر سے کسی اَمر میں جھگڑا نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم حق کہیں گے، اور حق پر قائم رہیں گے۔ ہم جس حال میں بھی ہوں گے ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

اسی دوسری اہلیتِ خلافت پر نظر رکھتے ہوئے ہے کہ کسی اَمر میں جھگڑے اس کی اہلیت کے باوجود منع فرمایا ہے۔

دلیل اوّل

ترجمہ: اور اس کی دلیل اوّل تو یہی حدیث ہے کیونکہ آخری جملہ میری مراد ہے ''ان نقول او نقوم بالحق الخ'' خود اتنی بات پر واضح دلیل ہے کہ اگر خلیفۂ وقت بدکار ہو تو حق بات کا اعلان کرنا چاہئے اور یہ اَمر بدرجہ اتم اس وقت ہی ظاہر ہوگا جب کہ اس فاسق خلیفہ کی بیعت کو گلے سے نکال پھینکے۔

دلیل دوم

دوسرے یہ کہ مسندِ خلافت سے فاسق کو اُتار دینے اور اس کی جگہ انصاف پرست کو بٹھانے پر کوئی ایسا نقصان پوشیدہ نہیں ہے اور نہ لازم آتا ہے کہ اس سے بچنا ضروری ہو۔ باقی رہا یہ کہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ممانعت کا سبب ہو، تو اگر کوئی عقل والا ہو تو اس کے لئے یہاں معقول نہیں ہے کیونکہ اوّل تو مطلقاً اس طور پر منع نہیں فرماتے تھے بلکہ مذکور اندیشے کی شرط پر منع فرماتے تھے اور اگر اکثریت کے لحاظ سے فساد کا واقع ہونا اس جیسے مواقع پر حجت میں لایا جائے تو قطع نظر اس کے کہ ہم جواب دینے والے ہیں اس کا احتمال بھی کافی ہے۔ سوائے دھینگا دھانگی کے اس کا کیا جواب ہے کہ جملہ لاحقہ کے عطف کا قرینہ میری مراد ''وَ اَنْ نَقُوْلَ اَوْ نَقُوْمَ بِالْحَقِّ'' اوّل کی تصحیح کر رہا ہے نہ کہ دوسرے کی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اہلیت

سے مراد علم، پرہیز گاری، زُہد اور ہمت کی قوت اور حُسنِ تدبیر ہے۔ صرف مسلمان اور قریشی ہونا کافی نہیں ہے۔

ترجمہ: ساتویں یہ کہ خلافت کا انعقاد، غلبہ، زور اور زبردستی کی وجہ سے ضرورت کے سبب سے ہے اور اس صورت میں اطاعت سے نکل جانا فتنہ وفساد کے اندیشے سے منع ہے نہ یہ کہ بذاتِ خود خروج ناجائز ہے پس اگر کوئی غلبہ اور طاقت سے قابض ہو جائے اور دوسروں کو خلافت کے لائق نہ دکھائی دے تو اگر غلبہ کی اُمید رکھتے ہوں تو درست ہے کہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور اس کی اطاعت سے ہاتھ اُٹھالیں۔ آئندہ خدا جانتا ہے کہ اُن کا یہ گمان درست ہوگا یا نہیں۔ واللہ اعلم!

ترجمہ: آٹھویں یہ کہ خلفاء اور اِماموں کی اطاعت اور پیروی کا واجب ہونا۔ ان کی امامت کے باقی رہنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ رسولوں کی پیروی ان کی رسالت کی بقاء کی شرط کے ساتھ مشروط ہوا کرتی ہے جب تک کہ کسی نبی کی نبوت اپنی حالت پر باقی ہے یعنی دوسرے نبی کی نبوت سے منسوخ نہیں ہوتی تو اس کے احکامات کی پیروی ضروری ہے اور جب انبیاء اپنی نبوت سے عہدہ برآ ہو جائیں یعنی ان کی نبوت منسوخ ہو جائے تو اس وقت ان کی پیروی ضروری نہیں ہے۔ وہ خواہ زندہ ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام یا اپنی امتیازی موت کے ساتھ دنیا سے تشریف لے گئے ہوں اسی طرح خلفاء کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ پس اگر کسی وجہ سے خلیفہ کو معزول کردیں یا اس کی خلافت کو لوگ قبول نہ کریں تو اس خلیفہ کے احکام اور نواہی کی تعمیل ضروری نہ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ خلیفہ کا معزول کردینا اور قبول نہ کرنا (بعض حالات میں) نامناسب (بعض میں) مکروہ اور (بعض میں) ممنوع ہوگا۔ غرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُولی الامر کی اطاعت کے متعلق تاکیدیں عام طور پر نہیں ہیں بلکہ ان کی امامت اور خلافت کے باقی رہنے کے وقت تک ہیں۔

ترجمہ: نویں یہ کہ اگر بہت سے آدمی لیاقت بمعنی ثانی (یعنی قریشی، متقی اور عالم وغیرہ) میں شریک ہوں اور اگر ان میں کوئی فرق ہو تو شدت اور ضعف اور زیادتی وقلت میں ہو تو اس وقت افضل یہ ہے کہ سب سے زیادہ اچھے آدمی کو خلیفہ بنائیں۔ البتہ یہ واجب نہیں ہے (اولیٰ یہ ہے کہ افضل کو بنائیں) جیسا کہ ظاہر ہے چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، خلیفۂ اوّل کی بیعت کے قصہ میں اوّل انصار کے دماغ میں خلافت کا جو جذبہ

پیدا ہوا، تو اگر امامت میں افضلیت (واجب ہوتی تو پھر) انصار کا داعیہ ایک خیال محال ہوتا۔ کیونکہ مہاجرین صحابہ کی اور ان میں بھی چار یاروں اور باقی عشرہ مبشرہ کی افضلیت اس زمانے میں بدیہی طور پر مسلم تھی۔ خاص طور پر خلیفۂ اوّل کی افضلیت، اور اگر کہا جائے کہ اس وقت تک خلیفہ کا افضل ہونا قریشی ہونے کی ضرورت کی طرح ضروری نہ تھا۔

ترجمہ: اس کا جواب یہ ہے کہ قریشی ہونے کی ضرورت صرف شرعی ہے عقل کو اس میں دخل دینے کی مجال نہیں ہے۔ ہاں افضلیت اس درجہ پر ہے کہ اگر ضروری ہو یعنی واضح ہو، اور چلئے ہم اس کو بھی چھوڑتے ہیں اور اس کے بعد (کہ حدیث کے مطابق کہ)

"خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔"

سنائی گئی تو اس وقت خلیفۂ اوّل نے خلافت کو حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کے حوالے کیا جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا۔ یہ بات اس مدعا پر مکمل دلیل ہے۔ کیونکہ اپنے مقابلے میں اگر دوسروں کو افضل جانتے اور یقیناً دوسروں کے مرتبوں کا فرق ان کو معلوم تھا تو جس کسی کو وہ افضل سمجھتے، اسی کی بیعت کرنے کیلئے ارشاد فرماتے۔

شبہ

ترجمہ: اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کو ایک ہی مرتبہ کا سمجھا ہوگا تو ہر چند کہ یہ خیال بے ہودہ اور دھینگا مشتی ہے، اور سخت زبردستی ہے تو پھر اس بات کا کیا عذر پیش کریں گے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی تھی۔ شیعہ لوگ اگر نظر حق بیں بند کر کے یا پھوڑ کر تقیہ کا عذر کریں گے۔ مگر سنی کیا کہہ سکیں گے۔ ہر چند شیعوں کا تقیہ کا عذر بھی اس واقعے میں دھینگا مشتی ہے کیونکہ اتنی کثیر التعداد فوج جو اُن کے پاس تھی اور فوج بھی انکار کر رہی تھی یہ تقیہ کا عذر گوشتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

لیکن بحث تو سُنیوں کے اُصول پر ہو رہی ہے لیکن چونکہ سُنی پہلے تسلیم کر چکے ہیں اس لئے انہیں تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور اس قدر بحثوں کے بعد یہ بات کھل کر آ گئی ہے کہ کسی کا افضل ہونا خلیفہ نامزد کرنے کے لئے صرف افضلیت کا موجب ہو سکتا ہے اس کی نامزدگی کے واجب ہونے کا سبب نہیں ہو سکتا۔

ترجمہ: دسویں بات یہ ہے کہ انسان کی حالت بدلتی رہتی ہے اسی وجہ سے تو اس

کا نام حال رکھا ہے پس ممکن ہے بلکہ ہزاروں کو میں دیکھتا ہوں کہ ایک وقت تقویٰ، طہارت اور دنیا سے بے رغبتی ان کو ہوتی ہے اور عبادت اور اطاعت کا مصلّٰی کندھے پر ہے اور اطاعتِ خداوندی کا حلقہ کان میں ہے لیکن پھر کچھ عرصے کے بعد شیطان کا کھلونا بن جاتے ہیں اور پہلی راہِ ہدایت کے برخلاف چلنے لگتے ہیں۔ پہلی حالت میں تو وہ دوسرے معنی میں خلافت کی لیاقت رکھتے ہیں لیکن دوسری حالت میں نہیں۔

ترجمہ: گیارہواں اُصول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَوامر ونواہی صرف کسی چیز کو واجب اور حرام کرنے کے لئے ہی نہیں ہوتے بلکہ اُمورِ معلومہ استحباب و اباحت وغیرہ کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ البتہ یہ تمیز کرنا کہ کون سا اَمر اور نہی ایجاب وتحریم کے لئے ہے اور کون سا استحباب واباحت کے لئے ہے ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے۔ ہاں وہ شخص جو کہ اَمر ونہی کے مقتضاء کے مراتب اور ان کے اغراضِ اصلیہ کا فرق پہچانتا ہے وہی اس فرق کو سمجھ سکتا ہے چونکہ ہم اس خاص مسئلے میں بحث کر رہے ہیں تو کچھ اشارہ اس طرف بھی کر دینا چاہئے۔ اگر خلیفۂ وقت خلافت کی دوسری قسم {یعنی قریشیت کے ساتھ صاحب علم و تقویٰ بھی ہو۔ مترجم} کی اہلیت رکھتا ہو (کہ وہ پرہیز گار ہے) تو اس وقت اس کے ساتھ جنگ وجدال کرنا قطعی حرام ہے کیونکہ اس صورت میں کسی دینی نفع کے شائبہ کے بغیر {یعنی نقصان دینی اور دنیوی دونوں قسم کا ہوگا اور کوئی دینی فائدہ نہ ہوگا۔ مترجم} دینی اور دنیوی نقصان پیش آئے گا اور اتنی بات کو کون ہے جو نہیں جانتا ہے کہ اس قسم کے اُمور بالکل حرام ہوتے ہیں اور اگر اہلیت ثانیہ سے وہ بہرہ وَر نہیں ہے صرف پہلی اہلیت کی وجہ سے تخت خلافت کو اپنے پاؤں کے نیچے دبائے بیٹھا ہے اور اس نے خلافت کے اہل لوگوں کی جگہ گھیری ہوئی ہے، تو پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کو تخت سے ہٹانے اور دوسروں کو بٹھانے میں اگر صرف اپنی جان و مال کا کھونا ہے اور فتح کی اُمید اور شوکت کی صورت نہیں ہے۔ تو اس کو ایسے خلیفہ سے جنگ وجدال کرنے سے منع کرنا صرف شفقت کے طور پر ہوگا اور اگر فتنہ کے بھڑکنے اور تمادی کا اندیشہ ہو، میرا مطلب ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ آگ اپنے عرض وطول میں کرنے والے اور نہ کرنے والے کو گھیر لے گی۔ صرف اہلِ پیکار تک ہی محدود نہ رہے گی تو اس وقت جنگ وجدال کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہئے مگر اکثر یہی ہے کہ یہ معمولی سا بیج اپنی شاخیں اور پتے دُور دُور تک پہنچاتا ہے اور کیوں نہ پہنچائے کہ اس قسم کے حالات میں سلاطین اپنا انتقام

لیتے ہیں اور مال وجاہ کی محبت اپنے دشمن سے کینہ پر مجبور کرتی ہے۔ اس کے باوجود اس طرف ہاتھ میں مال ودولت ہوتے ہیں، اور نوکر چاکر اور لشکر مددگار ہوتا ہے۔ غلبہ اور تسلط حاصل اور مخالف ومزاحم کی جڑیں کھوکھلی، اور اس طرف شوشے چھوڑنے اور دَر پردہ اُمیدیں باندھنے کے سوا کیا رکھا ہے کہ اُمید پوری ہوجائے اور دشمن کی قوت ٹوٹ جائے لیکن پھر بھی کبھی غیبی نصرت بے سروسامان لوگوں کی کامیابی کا سامان پیدا کردیتی ہے اور بے خانماں لوگوں کی مددگار بن جاتی ہے۔ عباسیوں کے ہاتھوں بنی اُمیّہ کی حکومت کا انقلاب تم نے سُنا ہی ہوگا، اور حکومتِ تیموری کی ترقی کا حال کتابوں میں دیکھا ہوگا۔ پس اگر غلبے کی اُمید اور شوکت کی توقع ہوتو پھر جنگ وجدل میں کیا مضائقہ ہے۔

الحاصل درصورتِ فسق خلیفہ موازنہ درمنافع ومضار خلع بیعت باید کرد ہرچہ راجح نماید بداں کار بند باید شد وایں مضمونیست کہ دراشاراتِ آیت:

''قُلْ فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا'' (بقرہ:۲۱۹)

حاصل یہ ہے کہ خلیفہ کے بدکار ہونے کی صورت میں اس کی بیعت توڑنے کے نفع ونقصان کا اندازہ کرنا چاہئے جوصورت {یعنی اگر جنگ میں فائدہ ہوتو جنگ کرے اور اگر ملکی نقصان کا اندیشہ ہے، تو پھر جنگ سے باز رہے۔ مترجم} راجح ہو اس پر عمل کرنا چاہئے اور یہی مضمون ہے جو کہ اس آیت کے اشاروں میں پنہاں ہے۔

کہہ دیجئے {اس آیت میں شراب اور جوئے کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں گناہ بڑا اور کچھ منافع بھی ہیں۔ لیکن گناہ ان دونوں کے منافع سے زیادہ ہیں۔ اس لئے جب گناہ غالب ہوتو اس کا اعتبار کر کے ان کو حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح خلیفہ کے فاسق ہونے میں اگر نقصانات غالب ہوں اور فسادات اور تباہی بھی غالب نہ ہوتو چاہئے کہ ایسے خلیفہ کو معزول کردیا جائے۔ مترجم} کہ ان دونوں یعنی (یعنی شراب اور جوئے) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں لیکن ان کے نفع سے نقصان زیادہ ہیں۔

ترجمہ: بارہویں یہ کہ احادیث کی صحیح کتابوں میں جیسی مسلم، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی۔ پس ہم نے بیعت کی پس جن باتوں کیلئے ہم سے بیعت لی، یہ تھیں کہ ہم بیعت کریں اطاعت وفرماں برداری پر اپنی خوشی اور ناخوشی میں، اپنی تنگی اور فراخی میں، اور اُولوالامر سے ہم جھگڑا نہ

کریں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں اگر تم کھلا کفر دیکھو کہ اس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے برہان موجود ہو (تب اُولوالامر سے نزاع کر سکتے ہو)"۔

اس روایت سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ اگر خلیفہ علی الاعلان کھلے گناہ کا مرتکب ہو، اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اثر قبول نہ کرے تو اس کے ساتھ نزاع جائز ہے۔ کیونکہ کفرا بواحا سے یہاں مراد گناہ ہے عندکم من اللہ فیہ برھان کے قرینے سے۔ ورنہ اصطلاحی کفر اس صفت بیان کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے ایسی طرح جملہ لا ما { اُولوالامر سے نزاع نہ کرو جب تک کہ وہ نماز قائم کرتے رہیں۔ انوار} اقاموا الصلوۃ کہ صحیح مسلم کی بعض روایات میں صحابہ کے پوچھنے کے بعد حکم وقع ہوا ہے جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بدکار حاکموں کی نافرمانی کے متعلق سوال کیا تھا یہ جملہ اس بات پر دلالت رکھتا ہے کہ اگر کوئی حاکم دین کے ضروری ارکان کو چھوڑ دے تو اس کی فرماں برداری سے ہاتھ کھینچ دینا چاہئے۔

ترجمہ: تیرہویں یہ کہ فسق کے بہت سے درجے ہیں اور ہر درجے کا حکم بھی جُدا ہے۔ سب کو ایک ہی بھاؤ نہ سمجھنا چاہئے۔ شراب کا پینا اور اسی طرح کے گناہ (جوا وغیرہ) بھی فسق ہے اور روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ کا چھوڑ دینا بھی فسق ہے۔ پھر فسق کا چھپانا بھی فسق ہے اور فسق کا اعلان کرنا بھی فسق ہے اور ان کاموں کو تنہائی میں کرنا بھی فسق ہے اور دوسروں کو رغبت دینا بھی فسق ہے۔ اسی طرح حرام کاموں کا کرنا بھی فسق ہے اور بدعت کے کاموں کا اعتقاد کرنا بھی فسق ہے۔ پس جہاں فاسق خلفاء کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے سے ڈرایا گیا ہے اس سے مراد مطلق فسق رکھا ہے میرا مطلب یہ ہے کہ فسق صرف فسق ہونے کی حیثیت سے یعنی اس کی ماہیت اور مصداق اُمورِ زائدہ کا اعتبار کئے بغیر خلیفہ کے خود معزول ہو جانے یا معزول کر دینے کا موجب نہیں ہے۔ ورنہ ہر قسم کا جو فسق بھی ہو اگرچہ کفر بواح ہو اور یا ترک نماز ہی کیوں نہ ہو، عزل کا سبب نہ ہو سکتا۔

غرض اس کہنے سے کہ فاسق کے خلاف خروج نہیں کرنا چاہئے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ فسق ظاہر کے اعلان کرنے اور دین کی ضروریات ترک کرنے اور بدعت کا ارتکاب کرنے پر بھی خروج نہیں کرنا چاہئے۔

نتیجہ یہ ہے کہ فسق کلی مشکک { مسئلہ تشکیک منطقیوں میں ایک معرکہ آراء مسئلہ

ہے۔ یہاں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ افراد میں صفت کے اعتبار سے کمی اور زیادتی اور درجہ بہ درجہ اوّلیت اور اولویت، زیادہ شدت اور زیادہ تخفیف جو پیدا ہوتی ہے اس کا نام تشکیک ہے۔ مثلاً ایک وجود کی ماہیت میں دوسرے کی بہ نسبت زیادہ کمال ہو۔ لہٰذا کلی مشکک وہ کلی ہے جو اپنے مصداق کے درجات کے اعتبار سے مختلف ہو۔ مترجم} ہے نہ اس کا ہر فرد خروج کو واجب کرتا ہے، اور نہ اس کا ہر مرتبہ خروج کو مانع ہے۔ مختصر یہ کہ فسق کے درجوں کے درمیان قدر مشترک خروج کو واجب نہیں کرتی اور یہی مطلب ہے اس کا ''نہ تو بیعت کو توڑے اور نہ اس کے برخلاف خروج جائز ہے۔''

ترجمہ: چودھویں یہ کہ اہلِ سنت کے عقائد دو قسم کے ہیں۔ (۱) ایک تو وہ عقائد ہیں جن پر تمام اہل سُنّت بیک خیال متفق ہیں اور جان دیتے ہیں۔ اس قسم کے عقائد کی مخالفت کرنا جیسا کہ شیعہ {شیعہ وہ فرقہ کہلاتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلافصل خلافت کا قائل ہے اور ان کو سب سے افضل سمجھتا ہے اور اہلِ بیت کی محبت کا دَم بھرتا ہے۔ مترجم} خارجی {خارجی وہ گروہ تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا منکر بلکہ ان کے کفر تک کا قائل تھا}، نواصب {نواصب: یہ لوگ ظاہر میں بڑے عابد زاہد تھے لیکن اہل سُنّت والجماعت کے نزدیک یہ فرقہ نجاتِ آخرت سے محروم ہے۔ مترجم} معتزلہ {معتزلہ مسلمانوں کے فرقوں میں وہ ایک فرقہ تھا جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو نہ مسلمان کہتے ہیں اور نہ کافر۔ اس فرقے کا امام ابوعلی جبائی تھا۔ جس نے یہ عقیدہ پیش کیا تھا۔ جس پر امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اعتزل عنا۔ وہ ہم سے صحیح العقیدتی میں جُدا ہوگیا۔ اسی اعتزال کی وجہ سے اس فرقے کو معتزلہ کہا جانے لگا۔ مترجم} اور مرجئہ {مرجئہ وہ فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ مضر نہیں جیسا کہ کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں۔ مترجم} نے کی ہے تفسیق اور تبدیع کی موجب ہوتی ہے۔

دوسرے وہ عقائد جن میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اہل سُنّت کے بڑے بڑے علماء ان میں مختلف ہوگئے ہیں۔ مثلاً کسی چیز کے ہونے اور اچھے بُرے ہونے میں اختلاف۔ اس قسم کے اختلاف کو جمعہ کی شرطوں میں اختلاف کی مانند سمجھنا چاہئے۔ اگر کوئی فرق ہے تو اس قدر ہے کہ اس کو علمِ کلام کی کتابوں میں لائے ہیں اور اس کو فقہ کی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ مگر اتنا فرق اہلِ عقل کے نزدیک توجہ کے قابل نہیں ہے اور بے عقلوں سے ہمارا سروکار نہیں

ہے۔ پس جیسا کہ شافعیہ حنفیہ کو اگر حنفیہ دیہات میں جمعہ نہیں پڑھتے ہیں اور وہاں جمعہ کو واجب نہیں جانتے ہیں، کافر اور فاسق نہیں کہتے، اسی پر قیاس کر کے حنفیہ شافعیہ کو جو تین آدمیوں کے ہوتے ہوئے بھی جمعہ کو واجب نہیں جانتے، کافر و فاسق نہیں جانتے۔

ترجمہ: پندرہویں یہ کہ خلیفۂ برحق کا کسی کو اپنا قائم مقام نامزد کر دینا عام خلافت کے انعقاد کا موجب ہے بشرطیکہ جس شخص کو خلیفہ نامزد کیا جا رہا ہے وہ خلافت کی دوسری {یعنی نامزد شخص میں قریشیت، تقویٰ اور علم وغیرہ صفات ہوں جو کہ قابلیت کی دوسری قسم ہے جبکہ پہلی شرط صرف یہ ہے کہ وہ قریشی ہو۔ جیسا کہ الائمۃ من القریش سے واضح ہے مترجم} قابلیت رکھتا ہو (جو خلیفہ میں ہونی چاہئے) اور عام خلافت کے منعقد ہونے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ صاحب اَمر {یعنی جس خلیفۂ برحق نے اپنا قائم مقام نامزد کر دیا، تو چونکہ اُولوالامر نے ایسا کیا ہے، لہٰذا اس کی اطاعت ضروری ہوئی، اور نامزد خلیفہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہوا، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا تھا۔ مترجم} کی اطاعت ضروری ہے۔ وہ جو حکم دے قبول کرنا چاہئے لیکن چونکہ اس قسم کے خلیفہ بنانے کی بنیاد اُولوالامر کی فرماں برداری پر ہے تو اطاعت کے مجموعی فوائد پیش نظر رکھنے ہوں گے۔ پس اگر خلیفۂ وقت ایسے شخص کو خلیفہ بنائے جو لیاقتِ ثانیہ نہ رکھتا ہو بلکہ تارکِ نماز یا بدعتی ہو، تو اس صورت میں خلیفہ کی اطاعت ضروری نہ ہوگی۔ کیونکہ:

''اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے''۔

الغرض استخلافِ خلیفہ موجب عموم انعقاد است۔ اما بشرطیکہ در نظرِ رعیت اُمور قادحہ در خلافت ولی عہد یافتہ نہ شوند۔ {دراصل یہ لفظ یافتہ نشوند ہے۔ کاتب سے پرانے نسخے میں غلطی ہوگئی ہے کہ اس نے یافتہ شوند لکھ دیا ہے۔ مترجم}

اور اگر خلیفہ کے گمان میں وہ خلافت کے قابل ہو اور دوسروں کے نزدیک نہ ہو پھر بھی اس خلیفہ کی اطاعت اتنی بات پر ضروری نہ ہوگی۔ البتہ خلیفۂ وقت کو اس وقت بُرا بھلا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اُس نے اپنے گمان میں اس کو قابل جان کر ولی عہد بنایا تھا۔ اگر وہ دوسروں کے خیال میں قابل نہ نکلا تو وہ کیا کرے اور خلیفہ اور رعیت میں اس قسم کا اختلاف اور باہمی جھگڑا کہ خلیفہ تو اس کو اچھا سمجھتا ہے اور خلیفہ کی رعایا اس کام کو بُرا خیال کرتی ہے اس قسم کی باتیں اکثر واقع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور زید بن

ثابت (رضی اللہ عنہم) کے درمیان {حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمع قرآن کے لئے فرمایا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اختلاف فرمایا۔ مگر پھر حق واضح ہونے پر انہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتفاق کیا۔ مترجم} قرآن کو یک جا جمع کرنے کے بارے میں بحث ومباحثہ ہے اور اسی قسم کے دوسرے واقعات اتنی بات پر دلالت کرتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنی جگہ خلافت کے لائق دیکھا جیسا کہ ذکر آئے گا اور یزید کے بُرے افعال کی اُنہیں خبر نہ ہو اور دوسروں نے اس کو خلافت کے قابل نہ پایا۔ یا پایا اور بعد ازاں اس کی حالت بدل گئی ہو، اس وجہ سے اُنہوں نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔

غرض یہ ہے کہ خلیفہ کا کسی کو اپنے قائم مقام خلیفہ بنانا عام انعقاد کو واجب کرتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ رعایا کی نظر میں ولی عہد کے خلیفہ بنانے میں ایسے اُمور نہ پائے جاتے ہوں جو قابلِ اعتراض ہوں (تو عموم انعقاد واجب نہ ہوگا)۔

جب یہ سولہ مقدمات تمہید کے طور پر بیان ہو گئے تو شیعوں کے اعتراض کی دھجیاں بکھر گئیں اور سُنیوں کے طرزِ فکر کے مطابق رسول انس وجن صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ، شہداء کے امام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وعن اولادہ کی شہادت پر اُنگلی اُٹھانے کی گنجائش نہ رہی، اور اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید پلید کو ولی عہد بنانے میں بھی کوئی خدشہ موجبِ انکار نہ نکلا۔

یزید کی ولی عہدی پر بحث

اوّل میں یزید کی ولی عہدی پر بحث کرتا ہوں۔ اس کے بعد سید الشہداء اُن پر اور اُن کے آباء پر سلام ہو، کی شہادت پر کلام کرتا ہوں۔ جس وقت کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو وہ علانیہ فاسق نہ تھا۔ اگر اُس نے کچھ کیا ہوگا تو در پردہ کیا ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں یزید کا حُسنِ تدبر جیسا کہ اس سے دیکھا گیا، مشہور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب یزید اور اسکے رفقاء کے بارے میں

اُم ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ

اجمعین ایک مرتبہ دو دفعہ سوئے اور جاگے اور ہر مرتبہ ہنسے، اور ہنسی کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی اُمت کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ دریا میں جہاد کر رہے ہیں اور ان کی شان میں (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا ہے کہ:

''وہ تخت نشین بادشاہ ہیں یا تخت نشین بادشاہوں کی طرح ہیں''۔

دوسرے خواب کا مصداق یہی یزید اور اس کے ساتھی ظہور میں آئے۔ چنانچہ تاریخ جاننے والوں اور حدیث پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس بارے میں، پوشیدہ خرابیوں کے باعث کہ یزید رکھتا تھا، منافقوں کی طرح جو کہ بیعت رضوان میں شریک تھے، اور نفاق کی وجہ سے ''اللہ کی خوشنودی'' ان کو نصیب نہ ہوئی، یزید بھی اس بشارت کی فضیلتوں سے محروم رہا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت کے بارے میں نظریہ

اور اس طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔ اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو اُنہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا۔

جیسا کہ گزشتہ مقدمات {یعنی افضل کو قائم مقام نامزد کرنا زیادہ اچھا ہے، واجب نہیں ہے، مترجم} میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔

لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر {یعنی چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح کے ایسے صحابہ میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر اُن کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں۔ مترجم} صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کی حالت

ہاں ان کے انتقال کے بعد یزید نے پر پُرزے نکالنے شروع کئے اور دل کو خواہشِ نفس اور ہاتھ کو جامِ شراب پر لے گیا۔ فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔ بعض سابقہ تمہیدوں کی بناء پر معزول کر دینے کے قابل ہو گیا اور یزید کے اس قسم کے حالات کی تبدیلی کا بیان کرتا آیا ہوں کیونکہ ممکن ہے محال نہیں۔ مگر اس وقت اہل رائے اور اہل تدبیر کی رائے مختلف ہو گئی۔

جس کسی کو فتنہ وفساد کا اندیشہ غالب آیا اُس نے مجبوراً بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور معصیت سے بچنے کے لئے نیکی کی پیروی کرنے کی شرط کو درمیان میں رکھا لیکن جس شخص یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بڑی جماعت {یعنی اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور یزید کے خلاف لڑنے کا پیغام بھیجا تھا۔ مترجم} کے وعدے پر غلبہ اور شوکت کی اُمید نظر آئی وہ اللہ کے لئے کھڑا ہو گیا اور جنگ کا عزم کر لیا۔ پس جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ حضرت سید الشہداء (امام حسین رضی اللہ عنہ) نے کیا وہ بالکل حق اور صواب کیا۔

اس اختلاف کی بنیاد اُمید غلبہ وعدم غلبہ کے اختلاف پر ہے، نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے کے اختلاف پر، مگر انجام کار کوفیوں کی وعدہ خلافی کی وجہ سے حضرت سید الشہداء (امام حسین) رضی اللہ عنہ کی تدبیر فیل ہو گئی، اور ۱۰ محرم الحرام کو قیامت سے پہلے میدانِ کربلا میں قیامت برپا ہو گئی۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''

کربلا کا حادثہ اور غزوۂ اُحد وحنین

اور اس قسم کی صورت حال نہ صرف سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کو پیش آئی بلکہ جہاد میں اس طرح کی صورت اکثر پیش آتی ہے۔ اُحد اور حنین کا واقعہ تم نے کیا نہ سنا ہوگا۔ پس جس طرح کہ اُحد {غزوۂ اُحد ۳ ہجری میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پچاس تیراندازوں کو ایک دَرّے پر کھڑا کر دیا اور فرمایا تم کسی صورت میں بھی یہاں سے نہ ٹلنا۔ جنگ شروع ہوئی مسلمان کامیاب ہوئے اور کفارِ مکہ بھاگنے لگے۔ اکثر تیراندازوں نے یہ سمجھ کر کہ اب تو فتح ہو گئی، وہاں سے ہٹ گئے۔ خالد بن ولید کفار مکہ کے کمانڈر تھے جو

ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے دَرّے کو خالی دیکھا تو لوٹ کر حملہ کیا۔ ستر (۷۰) مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے۔ دندانِ مبارک شہید ہو گئے، شہرت کر دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے حواس بجا نہ رہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا میں یہاں ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہوش آیا۔ پھر منظم ہو کر لڑے اور فتح ہوئی۔ کفار بھاگ گئے۔ مترجم} اور حُنین {غزوۂ حُنین ۸ ہجری میں مکہ فتح ہونے کے بعد ہوا۔ ہوازن۔ ثقیف کے دو مشرک قبیلوں نے مضر اور بنی ہلال کو ساتھ ملا کر چار ہزار بہادروں کے ساتھ وادی حنین میں مکے کے مشرق میں پڑاؤ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر مکے سے آگے بڑھے۔ جن میں دس ہزار مدینے کے مجاہد اور دو ہزار مکے کے نومسلم اور اُسّی معاہد مشرک تھے۔ مسلمانوں کے دِلوں میں اپنی کثرت پر ناز پیدا ہو گیا۔ دشمن گھات میں چُھپے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ اُسّی (۸۰) معاہد مشرکوں اور نومسلموں میں بھگدڑ مچ گئی۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار اور مہاجرین کو پکارا، اور جمع ہو کر حملہ کیا۔ دشمنوں کے ستر (۷۰) آدمی مارے گئے اور مسلمان صرف چار شہید ہوئے۔ غرض اَبتری کے بعد فتح ہوئی۔ مترجم} کے شہداء شہادت کی چوٹی پر پہنچ چکے ہیں اور اس سے ان شہداء کے فضائل میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ اسی طرح کربلا کے شہیدوں کو پہچاننا چاہئے اور یہ اُس وقت ہے جب کہ محض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کو خلیفہ بنانے یا لوگوں کی بیعت یا یزید کے تسلط کے وقت اس کی خلافت کو عام اور شامل سمجھیں، اور اگر اسی قدر سے جو کہ ظہور میں آیا فقط اس کی مطلق خلافت کے منعقد ہو جانے کے ہم قائل ہو جائیں اور اس کی خلافت کے عام ہونے اور سب لوگوں پر شامل ہونے کو تسلیم نہ کریں اور کہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس کی اطاعت کے دائرے سے اَبھی تک خارج تھے تو پھر یزید کو معزول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے خلاف اُٹھنے پر کوئی دغدغہ نہیں اور یہ انعقادِ مطلق اور عموم انعقاد کے فرق کو اس زمانے میں کم فہم لوگ ہر چند نہ سمجھیں گے۔ لیکن اگلے لوگوں کے معاملات کی تحقیق سے، واضح ہے کہ اہل حل وعقد میں سے ہر شخص کی بیعت کو اس کے اور اس کے نوکر چاکر کے حق میں بیعت خیال کرتے تھے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

بیعت کی ضرورت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر اس بیعت کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی اور اسی طرح یزید اہلِ شام کی بیعت اور دوسرے اہل حل وعقد کی بیعت کے بعد حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیعت کا طالب نہ ہوتا۔

نیت پر دارومدار

جب اتنی بات معلوم ہوگئی تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کسی کام کا ہونا نیت پر موقوف ہے جس کی شہادت میں حدیث ہے کہ: ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے'' اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ''حُسنِ نیت'' اس قابل نہیں ہے کہ اس میں شبہ کیا جائے۔ اس صورت میں حضرت ہمام رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کیا تردّد ہوسکتا ہے۔ نہ تو یزید {یعنی یزید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نظر میں خلیفہ نہ تھا۔ مترجم} ان کے حق میں خلیفہ تھا، نہ اس کے خلاف اُٹھنا ناجائز تھا، اور اگر خلیفہ بھی ہوتا تو پھر بھی خروج {چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، یزید کو خلیفہ ہی نہیں مانتے تھے، لہٰذا ان کے خلاف جہاد کرنا ممنوع نہ تھا۔ مترجم} ناجائز نہ تھا اور اگر خروج کرنا ممنوع بھی ہوتا تو معزول کرنا ممنوع نہ تھا۔ الحاصل ممانعت کی وجوہات تو موجود نہیں اور موجباتِ جہاد موجود ہیں اور (امام حسین رضی اللہ عنہ) کی نیت کی اچھائی میں شبہ نہیں ہے۔ پھر اگر وہی شہید نہ قرار دیئے جائیں۔ تو پھر اور کون شہید کہلائے گا۔

شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کی دوسری وجہ

چلو اس دلیل کو بھی جانے دو۔ اگر موجباتِ جہاد موجود نہ تھے تو امام حسین رضی اللہ عنہ بھی جہاد کے معاملے سے دستکش ہو کر چاہتے تھے کہ وہ اپنی راہ لیں۔ لیکن یزید پلید کے سپاہیوں نے انہیں نہیں چھوڑا اور گھیر کر ظلم کے طور پر شہید کر دیا (اور وہ حدیث کے مطابق شہید ہوئے) ''جو شخص اپنی عزت اور مال کی حفاظت میں مارا جائے تو وہ شہید ہے۔''

یزید کی بیعت پر اجماع اور اس کا جواب

باقی رہی یہ بات کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت کر کے اجماع کی مخالفت کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ہمیں اجماع ہی تسلیم نہیں۔ اگر کچھ ہے، تو وہ

(صحابہ رضی اللہ عنہم کی) عدم مخالفت ہے۔ اس کے باوجود ''فاسق خلفاء کے خلاف اُٹھنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے''۔ اس کے معنی جو کچھ ہیں عرض کر دیئے گئے ہیں۔ نفسِ فسق کے خلاف خروج کے ناجائز ہونے پر اجماع سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کلی مشکک کے درجات کی خصوصیات زائدہ بھی خروج کا موجب نہیں ہوسکتیں۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی اجماع مسلّم نہیں۔

جس وقت حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ نے کوئی کام کیا ہو اس کام کے مخالف کو مجمع علیہ کس طرح کہہ سکتے ہیں اور اگر بالفرض ہم اجماع کو تسلیم کرلیں تو وہ اجماع اگر منعقد ہوا بھی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد منعقد ہوا۔ اس اجماع کی مخالفت، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معذر نہیں پڑتی۔ زیادہ سے زیادہ اس بارے میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں ایک اختلافی اجتہادی مسئلے میں خطا کھائی {حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرما کر کہ زیادہ سے زیادہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یزید کے خلاف اُٹھ کر اجتہادی غلطی کی، یہ بالفرض کہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اُنہوں نے اس کے خلاف جو کچھ کیا، وہ درست کیا، اور آخر مقام شہادت پایا۔ مترجم} اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا اجماعِ بیعت پر نظریہ

اب وہ مقام آ پہنچا ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس بارے میں نقل کر دی جائے تا کہ اس اجمال کی تفصیل اور اس قول کی تصدیق مل جائے۔ امام نووی لکھتے ہیں:

''اہل سنّت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ سلطان فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہو جاتا، اور اس کی وجہ بعض احناف کی کتب فقہ میں ذکر کی گئی ہے۔ وہ فاسق سلطان خود معزول {یعنی معزول نہ کرنے کے باوجود بھی وہ معزول سمجھا جائے۔ کیونکہ اس میں خلافت کی اہلیت کا فقدان ہے۔ مترجم} ہو جاتا ہے اور یہی بات معتزلہ کی طرف سے بیان کی گئی ہے تو یہ اس {یعنی خلیفہ جو پہلے ہدایت پر تھا اور عادل و متقی تھا، بعد ازاں اس پر فسق طاری ہو گیا تو وہ خلافت کے لئے نااہل نہیں ہوگا۔ لہٰذا جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ اجماع کے

خلاف کہتا ہے جیسا کہ بعض اصحاب حنفیہ نے کہا ہے۔ مترجم} قائل کی غلطی ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی حرمت کا سبب وہ فتنے، خونریزیاں اور باہمی فسادات ہیں جو اس پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے اس کے معزول کرنے میں اس کو باقی رکھنے کی بہ نسبت فساد زیادہ ہے۔''

قاضی عیاض کا قول

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر امام {یعنی اگر ابتداءً کوئی شخص کافر ہو تو اس کی خلافت منعقد نہیں ہوتی، اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر بعد میں کفر طاری ہو گیا تو وہ خود معزول ہو جائے گا۔ مترجم} نہیں ہو سکتا، اور اس بات پر کہ اگر اس پر کفر طاری ہو گیا، تو وہ معزول ہو جائے گا (پھر قاضی عیاض نے) کہا۔ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ خلیفہ نماز کی پابندی اور نماز کی دعوت چھوڑ دے۔ پھر کہا اور یہی حکم جمہور علماء کے نزدیک ارتکاب بدعت کا بھی ہے اور بقول قاضی عیاض بعض بصرے والوں نے کہا۔ اس کیلئے بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ بدعت {یعنی اگر وہ ابتداءً بدعتی ہے تو اس کی امامت منعقد نہیں ہوگی اور اگر بعد میں وہ بدعتی ہو گیا تو خود بخود معزول ہو جائے گا۔ لیکن بعض علمائے بصرہ کے خیال کے مطابق اس کی امامت منعقد بھی ہو جائے گی اور آئندہ بھی برقرار رہے گی۔ مترجم} بعد میں طاری ہوئی ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ اگر خلیفہ پر کفر طاری ہو جائے اور شریعت میں تبدیلی یا بدعت کا ارتکاب کرے تو امامت کے حکم سے خارج ہو جائے گا اور اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی اور مسلمانوں پر اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا ضروری اور اس کی خلافت کو گلے سے نکال پھینکنا اور عادل امام کو قائم کرنا، اگر یہ ان کے لئے ممکن ہو سکے واجب ہو جائے گا۔ پس اگر یہ واقع نہ ہو مگر ایک گروہ کے لئے تو ان پر کافر کی ولایت کو ہٹانے کے لئے کھڑا ہو جانا تو واجب ہے اور بدعتی کے بارے میں واجب نہیں ہے۔ مگر جب ان کو اس پر قدرت کا گمان {کافر کو تو ہٹانا ضروری ہے خواہ کچھ ہی ہو لیکن مبتدع کو ہٹانے کی قدرت کا ظن غالب ہو۔ مترجم} غالب ہو، اگر انہیں عجز کا یقین ہو تو اس کے معزول کرنے کے لئے کمر بستہ ہونا واجب نہیں اور مسلمانوں کو اس کی حکومت سے ہجرت کر جانی چاہئے اور اپنے دین کو بچا لینا چاہئے۔ قاضی نے کہا کہ فاسق کی خلافت ابتداء میں

منعقد نہیں ہوتی۔ ہاں بعد میں اگر خلیفہ پر فسق طاری ہو جائے تو بعض نے کہا۔ اس کو علیحدہ کر دینا واجب ہے۔ مگر اس صورت میں نہیں کہ فتنہ اور جنگ کا اندیشہ ہو۔

جماہیر سنّت فقہاء محدثین اور متکلمین کا قول

جمہور اہل سنّت فقہاء محدثین اور متکلمین نے کہا کہ فسق، ظلم، حقوق کے معطل کرنے کے باعث بھی معزول نہ ہوگا اور نہ ہی ہٹایا جائے اور اس کی وجہ سے اس کے مقابلے کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں۔ بلکہ اس کو نصیحت کرنا واجب ہے اور تنبیہ کرنا ضروری ہے ان احادیث کی روشنی میں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا کہ ابوبکر بن مجاہد نے اس بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کے بنی اُمیّہ کے خلاف کھڑے ہونے کا ان پر رد کیا ہے، اور تابعین کی ایک بڑی جماعت، اور صدرِ اوّل کے لوگوں کے حجاج کے مقابلے میں ابن اشعث کے ساتھ کھڑے ہونے کی بھی تردید کی ہے اور اس کہنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بھی تاویل کی ہے کہ ''ہم اہل اُمر سے کسی اُمر میں نزاع نہیں کریں گے۔''

(یعنی) عادِل اِماموں کے بارے میں نزاع نہیں کریں گے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حجاج کے خلاف کھڑا ہونا محض اس کے فسق کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے شرع کو بدل دیا تھا اور کفر کا مظاہرہ کیا تھا۔ قاضی نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف اوّل اوّل میں تھا۔ پھر ان کے خلاف خروج کی ممانعت پر اجماع حاصل ہو گیا واللہ اعلم۔ ان کا کلام بلغظہٖ ختم ہوا۔

اس عبارت کے مطالعہ کرنے کے بعد مذکورہ اکثر مقدمات کی تصدیق حاصل ہو جاتی ہے۔ بالجملہ اہل سنت کے اُصول پر، یزید کا حال پہلے کی بہ نسبت بدل گیا تھا۔ بعض کے نزدیک کافر ہو گیا اور بعض کے نزدیک اس کا کفر تحقیق میں نہیں آیا۔ سابق اسلام بعد میں آنے والے فسق کے ساتھ مل گیا اگر حضرت امام نے اُسے کافر جانا تو اُس کے خلاف اُٹھنے میں کیا خطا کی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہی رائے پسند آئی ہے۔ مگر جیسا کہ ممکن ہے کہ کسی شخص کا کفر ایک عالم کے نزدیک تو ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کے نزدیک نہیں ہوتا۔ اسی طرح

اس کے خلاف اُٹھنا۔ اِس کے اور اُس کے حق میں مختلف ہو جائے گا، اور کسی کی تکفیر و تفسیق اور تعدیل و تجریح میں اتفاق ہونا دینی ضروریات یا عقلی بدیہیات میں سے نہیں ہے کہ عذر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور فسق کی صورت میں جو کچھ کہ مَیں نے پیش کیا ہے تمہیں یاد ہوگا۔ تاہم اہل سنّت کے اُصول پر کوئی دُشواری باقی نہیں رہی ہے کیونکہ یزید اس صورت میں یا کھلم کھلا فاسق تھا نماز کا ترک کرنے والا وغیرہ یا بدعت کا مرتکب تھا کیونکہ وہ نواصب {نواصب وہ لوگ ہیں جو حرام چیزوں کو اپنے نفسانی دلائل کے باعث حلال سمجھتے تھے۔ جیسا کہ یزید بھی شراب پیتا تھا اور اس کو حلال سمجھتا ہوگا۔ آج کل کے شرابی بھی کہتے سُنے گئے ہیں کہ شراب کی حُرمت قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ رِجْس من عمل الشیطٰن سے حُرمت ثابت نہیں ہوتی۔ مترجم} کے سرداروں میں سے تھا۔ ان سب پہلوؤں کے پیش نظر اس کی عام خلافت کا ہونا مسلم نہیں۔

ان دلائل کے پیش نظر سابقہ مقدمات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یزید کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور ان سب باتوں کے باوجود ان جیسے لوگوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونا اب تک سب کے نزدیک جائز ہے اور اگر (اختلاف کی بناء پر) سب کے نزدیک جائز نہیں تو بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے مطالعہ سے واضح ہے اور اختلافی مسائل میں ایک شخص کا دوسرے سے اختلاف کرنا {اگر اکثر لوگوں کے اتفاق کے خلاف کسی مسئلے میں کسی ایک صاحب الرائے نے اختلاف کیا تو اکثریت سے اختلاف کرنے والے کو نہ فاسق کہا جاسکتا ہے اور نہ اللہ کے یہاں اس کا اجتہادی عمل بے کار جائے گا جیسا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے تنہا ہوتے ہوئے یزیدیوں کی مخالفت کی۔ مترجم} اس کا سبب نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسرے لوگ اس اختلاف کرنے والے کو فاسق قرار دیں اور اس کے اعمال کو عنداللہ باطل ٹھہرائیں جیسا کہ جانا گیا اور اگر ہم یہ بھی فرض کرلیں کہ اس جیسے لوگوں کے خلاف اُٹھنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے تو وہ اجماع بعد کا ہے قدیمی اجماع نہیں کہ اہل سنّت کے اُصول پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کوئی شک کی گنجائش ہوسکے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی کہہ سکتا ہے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں غلطی کی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی اس بارے میں خطائے اجتہادی کی نیت پر بھی

ثواب کا ملنا مزاجِ حال نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل سنّت کے اُصول میں تصریح موجود ہے اور یہ اَمر واضح بھی ہے۔ اس لئے کہ سورج غروب ہونے کے گمان میں اگر کسی نے روزہ افطار کرلیا یہاں تک کہ نماز مغرب بھی پڑھ لی، اور اَبھی تک سورج غروب نہیں ہوا تھا اور اس شخص کو عمر کے آخر حصے تک اپنی خطاء پر اطلاع نہیں ہوئی تو کوئی عقل مند یہ فتویٰ نہیں لگا سکتا کہ وہ ثواب سے محروم رہا۔ ورنہ ایسی تکلیف جس کی طاقت نہ ہو، لازم آئے گی، اور وہ محال ہے کیونکہ اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

ہاں! شیعہ صاحبان کے اُصول کے مطابق حضرت امام الشہداء رضی اللہ عنہ کی شہادت ان کے دین وایمان کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ نعوذ باللہ منہا اگر یقین نہ ہو تو دیکھ لو کہ کافی کلینی (شیعہ حضرات کی مشہور کتاب۔ مترجم) میں اس بارے میں روایات موجود ہیں کہ جو شخص تقیہ نہ رکھے اس کا دین وایمان نہیں ہے۔ میں ان روایات کو مع سند کے نقل کرتا ہوں۔

(۱) پہلی روایت: ابنِ عمر سے انہوں نے ہشام بن سالم سے، انہوں نے ابوبکر اعجمی سے روایت کی۔ ابوبکر نے کہا، کہ ابوعبداللہ نے کہا کہ اے ابا عمر! نوے فی صدی دین تقیہ میں ہے اور جس کا تقیہ نہیں، اس کا دین نہیں اور تقیہ ہر چیز میں ہے حتیٰ کہ چمڑے کی جرابوں پر مسح میں بھی ہے۔

(۲) دوسری روایت: محمد بن یحییٰ سے، انہوں نے احمد بن محمد بن عمر بن خلاد سے روایت کی، کہا۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حکام کے لئے اکراماً کھڑے ہونے کے بارے میں پوچھا تو ابوجعفر نے فرمایا: ''تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جس کا تقیہ پر اعتقاد نہیں، اُس کا ایمان نہیں۔

ان دو روایتوں سے آفتاب کی مانند روشن ہو جاتا ہے کہ جو شخص تقیہ نہ کرے، بے دین وایمان ہے۔

اب حضرات شیعہ سے گزارش ہے کہ اگر تقیہ یہی ہے تو پھر تو امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایمان پر خاتمہ معلوم ہے شہادت تو کہاں۔

اور ظاہر ہے کہ ان روایات میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر وہ تاویل کریں یا کسی شخص اور عدد کی تخصیص کریں تو قابلِ سماعت نہ

ہوگی۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ اہل سنّت کا مذہب اختیار کریں اور اگر حق کی پیروی سے انہیں شرم آتی ہے یا انکار ہے تو پھر تو یقیناً بارہ اماموں میں سے کُل گیارہ رہ جائیں گے۔

اور اس صورت میں حق سے انکار اور جھوٹے مذہب پر ضد لازم آئے گی۔ کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس تنگی اور مجبوری میں کہ تیس ہزار فوج کثیر کے مقابلے میں چند گنتی کے آدمی تھے، اور وہ بھی سب شہید ہو چکے تھے، تقیہ کرنا ضروری تھا۔ اگر شروع میں غلبہ کی اُمید تھی تو آخری وقت میں جب کوئی نہ رہا تھا، تقیہ کرنا ضروری تھا

جہاں تک تبلیغ کی شرط ہے میں تم سے کہتا ہوں تم خواہ میری بات سے نصیحت اختیار کرو یا رنج اور دوسرا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت عنقریب نظر گرامی سے گزرے گا، نا اُمید نہ ہوں۔

یہ دو (۲) روایتیں جو کہ نقل کی گئیں ہیں، اگر ان کے جھوٹ ہونے کا شک ہو تو مطابق کرلیں۔ اگر تمہارے پاس کافی کلینی نہ ہو تو نہران کا چھپا ہوا نسخہ ہمارے پاس موجود ہے، ملاحظہ کریں۔

''اے اللہ! ہمیں حق دکھا دے اور اس کے پیچھے چلنے کی توفیق عطا فرما اور جھوٹ کو جھوٹ کر کے دکھا دے اور اس سے بچنا نصیب فرما اور ہماری آخری دُعا یہ ہے کہ تمام تعریفیں رب العالمین کے لئے ہیں۔ **فقط**

نوٹ: اس مکتوب کا ترجمہ الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۷ ربیع الاوّل ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۴ رجون ۱۹۶۸ء مطابق ۱۲۰ اساڑھ ۲۰۲۵ بکرمی بروز پیر بوقت سوا گیارہ بجے صبح ختم ہوا اور اس مکتوب کے ترجمے کا آغاز ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۸۸ھ ۱۰ رجون ۱۹۶۸ء بروز دوشنبہ چھ بجے شام شروع ہوا تھا۔

والحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین۔

مترجم: محمد انوار الحسن شیرکوٹی

امہات المومنین
و
بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''امہات المؤمنینؓ اور بناتؓ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''بہشتی زیور'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات و بنات طیبات کا مختصر مگر جامع تذکرہ قلم بند کیا جو مستقل اہمیت کا حامل ہے۔ اسے ''مجموعہ کتب احتساب ناصیت'' میں نمبر چار پر شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امہات المؤمنینؓ

حضرت خدیجہؓ

حضرت خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی بی بی ہیں ان کی بڑی بڑی بزرگیاں ہیں۔ ایک دفعہ پیغمبر ﷺ نے ان سے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام خدائے تعالیٰ کا سلام تمہارے پاس لائے ہیں اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام دنیا کی بیبیوں میں سے اچھی چار بیبیاں ہیں: (۱) حضرت مریم علیہا السلام، (۲) آسیہ علیہا السلام فرعون کی بیوی، (۳) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، (۴) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

پیغمبر ﷺ کو جو کچھ کافروں کے برتاؤ سے پریشانی ہوتی آپ ان سے آکر فرماتے۔ یہ کوئی ایسی تسلی کی بات کہہ دیتیں کہ حضرت ﷺ کی پریشانی جاتی رہتی اور آپ کو ان کا خیال ایسا تھا کہ بعد ان کے انتقال کے بھی کوئی بکری وغیرہ ذبح کرتے تو حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھی ضرور گوشت بھیجتے۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے ان کا اور نکاح ہوا تھا ان کے پہلے شوہر کا نام ابو ہالہ تمیمی ہے۔

حضرت سودہؓ

حضرت سودہؓ ہمارے حضرت محمد ﷺ کی بی بی ہیں انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا اور حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھ کو یہ حرص نہیں ہوئی کہ میں بھی ویسی ہی ہوتی سوا حضرت سودہؓ کے ان کو دیکھ کر مجھ کو حرص ہوتی تھی کہ میں بھی ایسی ہی ہوتی جیسی یہ ہیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ

یہ ہمارے حضرت ﷺ کی بہت چہیتی بی بی ہیں۔ ان سے کنواری حالت میں آنحضرت ﷺ کا نکاح ہوا ہے۔

عالمہ اتنی بڑی تھیں کہ بڑے بڑے صحابہؓ ان سے مسئلے پوچھا کرتے تھے۔
ایک بار ایک صحابی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ آپ کو کس کے ساتھ محبت ہے؟ فرمایا: عائشہؓ کے ساتھ۔ انہوں نے پوچھا اور مردوں میں فرمایا ان کے باپ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ.....اور بھی ان کی بہت خوبیاں ذکر ہوئی ہیں۔

حضرت حفصہؓ

بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کی بی بی اور حضرت عمرؓ کی بیٹی ہیں۔ حضرت نے کسی بات پر ان کو ایک طلاق دے دی تھی پھر جبرائیل علیہ السلام کے کہنے پر آپ ﷺ نے رجوع کر لیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ آپ حفصہؓ سے رجوع کر لیجئے کیونکہ وہ دن کو روزہ بہت رکھتی ہیں راتوں کو جاگ کر عبادت بہت کرتی ہیں اور وہ بہشت میں آپ کی بی بی ہوں گی۔
انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ کو وصیت کی تھی کہ میرا مال خیرات کر دیجیو اور کوئی زمین بھی انہوں نے (راہ خدا میں) وقف کی تھی۔ اس کے بندوبست کے لئے بھی وصیت کی تھی۔ ان کے پہلے خاوند کا نام خنیس بن حذافہ تھا۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ

یہ بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کی بی بی ہیں اور یہ ایسی سخی تھیں کہ غریبوں کی ماں کے نام سے مشہور تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام عبداللہ بن جحش تھا۔

حضرت ام سلمہؓ

یہ بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کی بی بی ہیں۔ ایک بی بی قصہ بیان کرتی ہیں کہ میں ایک بار حضرت ام سلمہؓ کے پاس تھی، اتنے میں بہت سے محتاج آئے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں اور آ کر جم گئے سر ہو گئے، میں نے کہا چلو یہاں سے چلتے بنو۔ حضرت ام سلمہ بولیں ہم کو یہ حکم نہیں۔ اری چھوکری سب کو کچھ کچھ دے دے، چاہے ایک ایک چھوارا ہی ہو۔ ان کے پہلے شوہر کا نام حضرت ابوسلمہؓ ہے۔

حضرت زینب بنت جحشؓ

یہ بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کی بی بی ہیں۔ حضرت زیدؓ ایک صحابی ہیں آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا بیٹا بنایا تھا۔ پہلے بیٹے بنانا شرع میں درست تھا جب وہ جوان ہوئے حضرت کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ آپ نے انہی زینب کے لئے ان کے بھائی کو پیغام دیا۔ یہ دونوں بھائی بہن حسب نسب میں حضرت زید کو برابر کا نہ سمجھتے تھے۔ اس واسطے اوّل اوّل رکے مگر خدائے تعالیٰ نے آیت بھیج دی کہ پیغمبر کی تجویز کے بعد پھر مسلمان کو کوئی عذر نہ چاہئے دونوں نے منظور کر لیا اور نکاح ہو گیا، مگر کچھ میاں بی بی میں اچھی طرح نہ بنی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کا ارادہ کر لیا اور آنحضرت ﷺ سے آ کر صلاح کی۔

آنحضرت ﷺ نے روکا اور سمجھایا مگر انداز سے آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ بے طلاق دیئے رہیں گے نہیں۔ اس وقت آپ کو بہت سوچ ہوا کہ اوّل ہی ان دونوں بھائی بہنوں کا دل اس نکاح کو گوارا نہ کرتا تھا مگر ہمارے کہنے سے قبول کر لیا اب اگر طلاق ہو گئی تو اور بھی دونوں بھائی بہنوں کی بات ہلکی ہو گی اور بہت دل شکنی ہو گی ان کی دلجوئی کی کیا تدبیر کی جائے۔ آخر سوچنے سے یہ بات خیال میں آئی کہ اگر میں اپنے سے نکاح کر لوں تو بے شک ان کے آنسو پونچھ جاویں گے۔ ورنہ اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کی زبان کا یہ بھی خیال تھا کہ بے ایمان لوگ طعنے ضرور دیں گے کہ بیٹے کی بیوی کو گھر میں ڈال لیا۔ اگرچہ شرع سے منہ بولا بیٹا سچ مچ کا بیٹا نہیں ہو جاتا۔ مگر خلقت کی زبان کو کون پکڑے۔ پھر ان میں بھی بے ایمان لوگ جن کو طعنہ دینے کے واسطے ذرا سا نکتہ بہت ہے۔ آپ اس سوچ بچار ہی میں تھے ادھر حضرت زیدؓ نے طلاق بھی دے دی۔ عدت گزرنے کے بعد آپ کی زیادہ رائے اسی طرف ٹھہری کہ پیغام بھیجنا چاہئے۔

چنانچہ آپ نے پیغام دیا۔ انہوں نے کہا میں اپنے پروردگار سے کہہ لوں اپنی عقل سے کچھ نہیں کرتی ان کو جو منظور ہوگا آپ ہی سامان کردیں گے یہ کہہ کر وضو کر کے مصلے پر پہنچی نماز میں لگ گئیں اور نماز کے بعد دعا کی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر آیت نازل کردی کہ ہم نے ان کا نکاح آپ سے کردیا آپ ان کے پاس تشریف لے آئے اور آیت سنادی۔ وہ اور بیبیوں پر فخر کیا کرتیں کہ تمہارا نکاح تمہارے ماں باپ نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا اور پہلے پہل جو پردے کا حکم ہوا ہے، وہ ان ہی کی شادی میں ہوا۔ یہ بی بی بڑی سخی تھیں دستکار بھی تھیں۔ اپنی دستکاری کی آمدنی سے خیرات کیا کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سب بیبیوں نے مل کر ہمارے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ کے بعد سب سے پہلے کون بی بی دنیا سے جا کر آپ سے ملے گی؟ آپ نے فرمایا جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔

عربی بول چال میں لمبے ہاتھ والا کہتے ہیں سخی کو مگر بیبیوں کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ سمجھیں اسی ناپ کے لمبان کو، سب نے ایک لکڑی سے اپنے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے تو سب سے لمبے ہاتھ نکلے حضرت سودہؓ کے مگر مریں سب سے پہلے حضرت زینبؓ اس وقت سمجھ میں آیا کہ اوہو یہ مطلب تھا۔ غرض! ان کی سخاوت اللہ و رسول کے نزدیک بھی مانی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ میں نے حضرت زینبؓ سے اچھی کوئی عورت نہیں دیکھی، دین میں بڑی کامل، خدا سے بہت ڈرنے والی، بات کی بڑی سچی، رشتہ داروں سے بڑی سلوک کرنے والی، خیرات بہت کرنے والی، خیرات کرنے کے واسطے دستکاری میں بڑی محنتیں۔ ہمارے پیغمبر ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا کہ دل میں بہت عاجزی رکھنے والی، خدا کے سامنے گڑگڑانے والی۔

حضرت ام حبیبہؓ

یہ بھی ہمارے حضرت ﷺ کی بی بی ہیں۔ جب مکہ میں کافروں نے مسلمانوں کو ستایا اور مدینے جانے کا اس وقت تک حکم نہ ہوا تھا، اس وقت بہت سے

مسلمان حبشہ کے ملک کو چلے گئے تھے وہاں کا بادشاہ جس کو نجاشی کہتے ہیں نصرانی مذہب رکھتا تھا، مگر مسلمانوں کے جانے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ غرض جو حبشہ گئے تھے ان ہی میں حضرت ام حبیبہ بھی تھیں یہ بیوہ ہو گئیں تو نجاشی بادشاہ نے ایک خواص جس کا نام ابرہہ تھا۔ ان کے پاس بھیجی کہ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے لئے پیغام دیتا ہوں۔ انہوں نے منظور کیا اور انعام میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور کچھ انگوٹھی چھلے دیئے۔ ان کے پہلے شوہر کا نام عبید اللہ بن جحش تھا۔

حضرت جویریہؓ

یہ بھی ہمارے حضرت ﷺ کی بی بی ہیں۔ یہ ایک لڑائی میں جو بنی مصطلق کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے کافروں کے شہر سے قید ہو کر آئی تھیں اور ایک صحابی ثابت ابن قیس یا ان کے چچا زاد بھائی تھے، یہ ان کے حصے میں لگی تھیں۔ انہوں نے اپنے آقا سے کہا کہ میں تم کو اتنا روپیہ دوں اور تم مجھ کو غلامی سے آزاد کر دو۔ انہوں نے منظور کر لیا وہ حضرت ﷺ کے پاس آئیں کہ کچھ روپے کا سہارا لگا دیں۔ آپ ﷺ نے ان کی دینداری اور غریبی پر رحم کھایا اور فرمایا کہ اگر تم کہو تو روپیہ سب سے میں ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ انہوں نے جی جان سے قبول کر لیا۔ غرض نکاح ہو گیا۔ جب لوگوں کو نکاح کا حال معلوم ہوا تو ان کے کنبے کے اور بہت قیدی دوسرے مسلمانوں کے قبضے میں تھے۔ سب نے قیدیوں کو غلامی سے آزاد کر دیا کہ اب ان کا ہمارے حضرت ﷺ سے سسرالی رشتہ ہو گیا اب ان کو غلام بنانا بے ادبی ہے۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ ہم کو ایسی کوئی عورت معلوم نہیں ہوئی کہ جس سے اس کی برادری کو اتنا بڑا فائدہ پہنچا ہو۔ ان کے پہلے شوہر کا نام مسافع بن صفوان تھا۔

حضرت میمونہؓ

یہ بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کی بی بی ہیں۔ ایک بہت بڑے حدیث کے جاننے والے عالم یوں کہتے ہیں کہ ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے اس طرح ہوا ہے

کہ انہوں نے یوں عرض کیا تھا کہ میں اپنی جان آپ کو بخشتی ہوں۔ یعنی بدون مہر کے آپ کے نکاح میں آنا منظور کرتی ہوں اور آپ نے قبول فرمالیا تھا۔ اس طرح کا نکاح خاص ہمارے پیغمبر ﷺ کو درست تھا اور ایک بہت بڑے تفسیر کے جاننے والے عالم یوں کہتے ہیں کہ جس آیت میں ایسے نکاح کا حکم ہے وہ اوّل انہی بی بی کے لئے اتری ہے۔ ان کے پہلے شوہر کا نام حویطب تھا۔

حضرت صفیہؓ

یہ بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کی بی بی ہیں۔ خیبر ایک بستی ہے وہاں یہودیوں سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تھی۔ یہ بی بی اس لڑائی میں قید ہو کر آئی تھیں اور ایک صحابیؓ کے حصے میں لگ گئیں تھیں۔ حضرت پیغمبر ﷺ نے ان سے مول لے کر آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا۔ یہ بی بی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور نہایت بردبار عقلمند خوبیوں کی بھری ہیں۔ ان کی بردباری ایک قصہ سے معلوم ہوتی ہے کہ ان کی ایک لونڈی نے حضرت عمرؓ سے جھوٹ موٹ ان کی دو باتوں کی چغلی کھائی۔ ایک تو یہ کہ ان کو اب تک ہفتے کے دن سے محبت ہے۔ یہ دن یہودیوں میں بڑی تعظیم کا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ان میں مسلمان ہو کر بھی اپنے پہلے مذہب یہودی ہونے کا اثر باقی ہے تو یوں سمجھو کہ مسلمان پوری نہیں ہوئیں۔

دوسری بات یہ کہی کہ یہودیوں کو خوب دیتی لیتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت صفیہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلی بات تو بالکل جھوٹ ہے جب سے میں مسلمان ہوئی ہوں اور جمعہ کا دن خدائے تعالیٰ نے دیدیا ہے ہفتے سے دل کو لگاؤ بھی نہیں رہا۔ رہی دوسری بات وہ البتہ صحیح ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ میرے رشتہ دار ہیں اور رشتہ داروں سے سلوک کرنا شرع کے خلاف نہیں۔ پھر اس لونڈی سے پوچھا کہ تجھ کو جھوٹی چغلی کھانے کو کس نے کہا تھا۔ کہنے لگی شیطان نے۔ آپ نے فرمایا جا تجھ کو غلامی سے آزاد کیا۔ ان کے پہلے شوہر کا نام کنانہ بن ابی الحقیق تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں

سیدہ زینبؓ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی۔ ان کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ سے ہوا تھا۔ جب یہ مسلمان ہوگئیں اور خاوند نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو ان سے تعلق ختم کر کے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے آئیں۔ کچھ عرصے بعد شوہر بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہی کے ساتھ دوبارہ نکاح کر دیا۔

حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ بھی حضرت زینبؓ کی قدردانی فرماتے تھے۔ جب یہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلیں تو راستے میں دو کافر ملے، ان میں سے ایک بدبخت نے ان کو دھکا دیا۔ یہ ایک پتھر پر گر پڑیں، کچھ امید تھی وہ جاتی رہی اور اس قدر صدمہ پہنچا کہ آخر وقت تک صحت یاب نہ ہوئیں، آخر اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔ رضی اللہ عنہا!

حضرت رقیہؓ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی ہیں۔ ان کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا، دونوں باپ بیٹا مسلمان نہ ہوئے، اور بیٹے نے باپ کے کہنے پر ان کو چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ جب بدر کی لڑائی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو اس وقت یہ بیمار تھیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر گیری کے لئے حضرت عثمانؓ کو مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا کہ آپ کو بھی جہاد والوں کے برابر ثواب ملے گا، مال غنیمت میں بھی حضرت عثمانؓ کا حصہ مقرر فرمایا۔ بدر کی فتح کے بعد جس دن واپسی ہوئی اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہا!

حضرت ام کلثومؓ

یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی خوش نصیب صاحبزادی ہیں، ان کا پہلا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا، ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ حضور ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا، بیٹے نے باپ کے کہنے پر ان کو چھوڑ دیا۔ جب ان کی بہن رقیہؓ کا انتقال ہوا، تو ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوگیا۔

جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ادھر حضرت حفصہؓ بیوہ ہوگئیں، حضرت عمرؓ نے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت عثمانؓ کی کچھ رائے نہ بنی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''حفصہ کے لئے عثمانؓ سے اچھا خاوند بتلاتا ہوں اور عثمانؓ کے لئے حفصہؓ سے اچھی بیوی بتلاتا ہوں۔''

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا، اور حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے فرمادیا۔ رضی اللہ عنہا!

سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ

یہ عمر میں سب بہنوں سے چھوٹی اور رتبے میں سب سے بڑی اور حضور ﷺ کی سب سے زیادہ لاڈلی اور پیاری بیٹی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کو اپنی جان کا ٹکڑا اور ان کو سارے جہاں کی عورتوں کی سردار فرمایا ہے اور یوں بھی فرمایا ہے کہ جس بات سے فاطمہؓ کو رنج ہوتا ہے اس سے مجھے بھی رنج ہوتا ہے۔

آپؓ نے اپنے مرض وفات میں ان کو الگ سے اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر دی تھی جس پر یہ رونے لگی، آپ ﷺ نے پھر ان سے یہ فرمایا کہ پریشان نہ ہو تم سب سے پہلے میرے پاس آؤ گی اور جنت کی سب عورتوں کی سردار ہو گی۔ یہ سن کر مسکرانے لگیں۔ وفات کے بعد یہ بات سیدہؓ نے ازواج مطہرات کو بتلائی۔ ان کا نکاح حضرت علی المرتضیٰؓ سے ہوا۔ احادیث میں ان کے بہت سے فضائل بھی روایت کئے گئے ہیں۔ رضی اللہ عنہا!

اسوۂ حسینی

یعنی

شہید کربلا رضؓ

جگر گوشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ

اور ان کے اصحاب کا واقعہ شہادت اور مسلمانوں کے لئے

دعوت فکر و عمل

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اُسوۂ حُسینی

یعنی

شہیدِ کربلا رضؓ

جگر گوشۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ
اور اُن کے اصحاب کا واقعۂ شہادت اور مسلمانوں کے لئے

دعوتِ فکر و عمل

از افادات

حضرت مولانا مُفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

ناشر

دارُالاشاعت

مُقابِل مولوی مُسافِر خانہ کراچی ۱

فہرست

دعوت فکر و عمل	۲۸۶
شہید کربلاؓ	۲۸۸
اسلام پر بیعت یزید کا حادثہ	۲۸۹
حضرت معاویہؓ مدینہ میں	۲۹۰
اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے شکایت اور ان کی نصیحت	۲۹۰
حضرت معاویہؓ مکہ میں	۲۹۱
اجتماعی طور پر معاویہؓ کو صحیح مشورہ	۲۹۲
سادات اہل حجاز کا بیعت یزید سے انکار	۲۹۲
حضرت معاویہؓ کی وفات اور وصیت	۲۹۳
یزید کا خط ولید کے نام	۲۹۳
حضرت حسینؓ اور حضرت زبیرؓ مکہ چلے گئے	۲۹۴
گرفتاری کے لئے فوج کی روانگی	۲۹۵
اہل کوفہ کے خطوط	۲۹۶
مسلم بن عقیل نے حضرت حسینؓ کو کوفہ کے لئے دعوت دے دی	۲۹۷
حالات میں انقلاب	۲۹۷
کوفہ پر ابن زیاد کا تقرر، مسلم بن عقیل کے قتل کا حکم	۲۹۸
حضرت حسینؓ کا خط اہل بصرہ کے نام	۲۹۸
ابن زیاد کوفہ میں	۲۹۹
کوفہ میں ابن زیاد کی پہلی تقریر	۳۰۰
مسلم بن عقیل کے تاثرات	۳۰۰
مسلم کی گرفتاری کے لئے ابن زیاد کی چالاکی!	۳۰۱
ابن زیاد، ہانی بن عروہ کے گھر میں	۳۰۱
مسلم بن عقیلؓ کی انتہائی شرافت اور اتباع سنت	۳۰۲
اہل حق اور اہل باطل میں فرق	۳۰۳

ہانی بن عروہ کی گرفتاری	۳۰۳
ہانی کی شرافت: اپنے مہمان کو سپرد کرنے سے انکار	۳۰۴
ہانی ابن عروہ پر تشدد و مار پیٹ	۳۰۵
ہانی کی حمایت میں ابن زیاد کے خلاف ہنگامہ	۳۰۵
محاصرہ کرنے والوں کا فرار اور مسلم بن عقیلؓ کی بے کسی	۳۰۶
مسلم بن عقیلؓ کا ستر سپاہیوں سے تنہا مقابلہ	۳۰۷
مسلم بن عقیلؓ کی گرفتاری	۳۰۸
مسلم بن عقیلؓ کی حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے سے روکنے کی وصیت	۳۰۸
محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق حضرت حسینؓ کو روکنے کے لئے آدمی بھیجا	۳۰۹
مسلم بن عقیلؓ کی شہادت اور وصیت	۳۰۹
مسلم بن عقیلؓ اور ابن زیاد کا مکالمہ	۳۱۰
حضرت حسینؓ کا عزم کوفہ	۳۱۱
عمر بن عبدالرحمٰنؓ کا مشورہ	۳۱۱
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مشورہ	۳۱۱
ابن عباسؓ کا دوبارہ تشریف لانا	۳۱۲
حضرت حسینؓ کی کوفہ کے لئے روانگی	۳۱۲
فرزدق شاعر کی ملاقات اور حضرت حسینؓ کا ارشاد	۳۱۳
عبداللہ ابن جعفرؓ کا خط (واپسی کا مشورہ)	۳۱۳
حضرت حسینؓ کا خواب اور ان کے عزم مصمم کی ایک وجہ	۳۱۴
ابن زیاد حاکم کوفہ کی طرف سے حسینؓ کے مقابلہ کی تیاری	۳۱۵
کوفہ والوں کے نام حضرت حسینؓ کا خط اور قاصد کی دلیرانہ شہادت	۳۱۵
راہ میں عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات اور ان کا واپسی کے لئے اصرار	۳۱۵
مسلم بن عقیلؓ کے قتل کی خبر پا کر حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کا مشورہ	۳۱۶
مسلم بن عقیلؓ کے عزیزوں کا جوش انتقام	۳۱۶
حضرت حسینؓ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو واپسی کی اجازت	۳۱۷
ابن زیاد کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار لشکر لے کر پہنچ گئے	۳۱۷

دشمن کی فوج نے بھی حضرت حسینؓ کے پیچھے نماز ادا کی	۳۱۸
میدانِ جنگ میں حضرت حسینؓ کا دوسرا خطبہ	۳۱۸
حُر بن یزید کا اعترافِ حق	۳۱۹
حضرت حسینؓ کا تیسرا خطبہ	۳۲۰
طرماح بن عدی کا معرکہ میں پہنچنا	۳۲۱
طرماح بن عدی کا مشورہ	۳۲۲
حضرت حسینؓ کا خواب	۳۲۲
علی اکبرؓ کا مؤمنانہ ثباتِ قدم	۳۲۳
اصحابِ حسینؓ کا ارادۂ قتال اور حسینؓ کا جواب کہ میں قتال میں پہل نہ کروں گا	۳۲۳
عمر بن سعد چار ہزار کا مزید لشکر لے کر مقابلہ پر پہنچ گیا	۳۲۴
حضرت حسینؓ کا پانی بند کر دینے کا حکم	۳۲۴
حضرت حسینؓ اور عمر بن سعد کی ملاقات اور مکالمہ	۳۲۴
حضرت حسینؓ کا ارشاد کہ تین باتوں میں سے کوئی اختیار کر لو	۳۲۴
ابنِ زیاد کا ان شرطوں کو قبول کرنا اور شمر کی مخالفت	۳۲۵
ابنِ زیاد کا خط عمر بن سعد کے نام	۳۲۵
حضرت حسینؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا	۳۲۶
حضرت حسینؓ نے ایک رات عبادت گزاری کے لئے مہلت مانگی	۳۲۷
حضرت حسینؓ کی تقریر اہلِ بیت کے سامنے	۳۲۷
حضرت حسینؓ کی وصیت اپنی ہمشیرہ اور اہلِ بیت کو	۳۲۸
حُر بن یزید حضرت حسینؓ کے ساتھ	۳۲۸
دونوں لشکروں کا مقابلہ، حضرت حسینؓ کا لشکر کو خطاب	۳۲۹
بہنوں کی گریہ وزاری اور حضرت حسینؓ کا اس سے روکنا	۳۲۹
حضرت حسینؓ کا دردانگیز خطبہ	۳۳۰
گھمسان جنگ میں نمازِ ظہر کا وقت	۳۳۳
حضرت حسینؓ کی شہادت	۳۳۴
لاش کو روندا گیا	۳۳۵

مقتولین اور شہداء کی تعداد	۳۳۵
حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کے سر ابن زیاد کے دربار میں	۳۳۵
بقیہ اہلِ بیت کوکوفہ میں.....اور.....ابن زیاد سے مکالمہ	۳۳۶
حضرت حسینؓ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا گیا پھر یزید کے پاس شام بھیجا گیا	۳۳۷
یزید کے گھر میں ماتم	۳۳۸
یزید کے دربار میں زینبؓ کی دلیرانہ گفتگو	۳۳۹
اہلِ بیت کی عورتیں یزید کی عورتوں کے پاس	۳۳۹
علی بن حسینؓ یزید کے سامنے	۳۳۹
اہلِ بیتؓ کی مدینہ کو واپسی	۳۴۱
آپ کی زوجۂ محترمہ کا غم وصدمہ اور انتقال	۳۴۲
عبداللہ بن جعفرؓ کو ان کے دو بیٹوں کی تعزیت	۳۴۲
واقعۂ شہادت کا اثر فضائے آسمانی پر	۳۴۲
شہادت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا	۳۴۲
حضرت حسینؓ کے بعض حالات وفضائل	۳۴۳
حضرت حسینؓ کی زریں نصیحت	۳۴۴
قاتلانِ حسینؓ کا عبرتناک انجام	۳۴۵
قاتلِ حسینؓ اندھا ہوگیا	۳۴۵
منہ کالا ہوگیا	۳۴۶
آگ میں جل گیا	۳۴۶
تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرگیا	۳۴۶
ہلاکتِ یزید	۳۴۷
کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلانِ حسینؓ کی عبرتناک ہلاکت	۳۴۷
مرقعِ عبرت	۳۴۸
نتائج وعبر	۳۴۹
اُسوۂ حسینی	۳۵۰
حضرت حسینؓ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی؟	۳۵۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہید کربلاؓ

امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور مفتی، پاکستان کے پہلے مفتی اعظم، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ نے ۱۰ رمحرم ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۹ راگست ۱۹۵۵ء کو یہ رسالہ مکمل کیا۔ اسی زمانہ میں محمود عباسی کے پھیلائے ناصبیت کے جدید ایڈیشن کے ایمان کش زہریلے اثرات نے ملک میں ایک ہیجان برپا کر رکھا تھا۔ واقعہ کربلا کا وہ بھیانک نقشہ پیش کیا جارہا تھا کہ جس سے سیّدنا حسینؓ شہید کربلا کو مطعون اور یزید بے نصیب کو مصوّن ثابت کیا جارہا تھا۔ اس عنوان پر حضرت مفتیؒ نے ایک مضمون ''اسوۂ حسینی'' لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو محبت اہل بیتؓ کے صدقہ میں اس نے مستقل مقالہ کی شکل اختیار کر لی، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

محمود عباسی کا نام لئے بغیر آپ نے واقعات صحیحہ ثابتہ سے سیّدنا حسینؓ کی شہادت کے واقعہ کو ایسے بیان کر دیا ہے جو آپ ہی کا حصہ ہے۔ ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کی یہ پانچویں کتاب ہے۔

(ادارہ)

دعوتِ فکر و عمل

جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سید شبابِ اہل الجنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی درد ناک مظلومانہ شہادت پر تو زمین و آسمان روئے، جنات روئے، جنگل کے جانور متاثر ہوئے۔ انسان اور پھر مسلمان، تو ایسا کون ہے جو اس کا درد محسوس نہ کرے۔ یا کسی زمانہ میں بھول جائے، لیکن شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ کی روحِ مقدس درد و غم کا رسمی مظاہرہ کرنے والوں کی بجائے ان لوگوں کو ڈھونڈتی ہے جو ان کے درد کے شریک اور مقصد کے ساتھی ہوں، اُن کی خاموش مگر زندہ جاوید زبانِ مبارک مسلمانوں کو ہمیشہ اس مقصدِ عظیم کی دعوت دیتی رہتی ہے جس کے لئے حضرت حسینؓ بے چین ہو کر مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کوفہ جانے کے لئے مجبور تھے، اور جس کے لئے اپنے سامنے اپنی اولاد اور اپنے اہلِ بیت کو قربان کر کے خود قربان ہو گئے۔

واقعۂ شہادت کو اوّل سے آخر تک دیکھئے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خطوط اور خطبات کو غور سے پڑھئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ مقصد یہ تھا:

* کتاب و سنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دینا۔
* اسلام کے نظامِ عدل کو از سرِ نو قائم کرنا۔
* اسلام میں خلافتِ نبوت کے بجائے ملوکیت و آمریت کی بدعت کے مقابلہ میں مسلسل جہاد۔
* حق کے مقابلہ میں زور و زر کی نمائشوں سے مرعوب نہ ہونا۔
* حق کے لئے اپنا جان و مال اور اولاد سب قربان کر دینا۔
* خوف و ہراس اور مصیبت و مشقت میں نہ گھبرانا، اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور اسی پر توکل اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔

کوئی ہے جو جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کربلا شہید جور و جفا کی اس پکار کو سنے اور ان کے مشن کو ان کے نقشِ قدم پر انجام دینے کے لئے تیار ہو، ان کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرائے۔

یا اللہ! ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحاب کرامؓ اور اہل بیت اطہارؓ کی محبتِ کاملہ اور اتباعِ کامل نصیب فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ حَیًّا قَیُّوْمًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ الَّذِیْ اَرْسَلَهٗ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّسِرَاجًا مُّنِیْرًا، وَّعَلٰی نُجُوْمِ الْهُدٰی اَهْلِ بَیْتِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ نَوَّرُوْا تَنْوِیْرًا۔

سید شباب اہل الجنہ، ریحانۂ رسول اللہ ﷺ حضرت حسینؓ اور ان کے اصحاب کی مظلومانہ دردانگیز شہادت کا واقعہ کچھ ایسا نہیں جس کو بھلایا جا سکے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ہر انسان اس سے اپنے دل میں ایک درد محسوس کرنے پر مجبور ہے اور اس میں اہلِ نظر کے لئے بہت سی عبرتیں اور نصائح ہیں، اس لئے اس واقعہ کے بیان میں سیکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں مفصل و مختصر کتابیں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں، لیکن اُن میں بکثرت ایسے رسائل ہیں جن میں صحیح روایات اور مستند کتب سے مضامین لینے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس لئے زمانہ دراز سے بعض احباب کا تقاضا تھا کہ اس موضوع پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھا جائے، مگر مشاغل سے فرصت نہ تھی، اس وقت اتفاقاً ایک مختصر مضمون ''اُسوہ حسینی'' لکھنے کے قصد سے قلم اٹھایا، مگر واقعہ کے تسلسل نے بہت اختصار پر قائم نہ رہنے دیا اور یہ ایک مستقل رسالہ بن گیا جس میں ان حضرات کی خواہش کی بھی تکمیل ہوگئی، فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَهُوَ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بندہ محمد شفیع (عفا اللہ عنہ)

لیلۃ العاشوراء من ۱۳۷۵ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شہیدِ کربلاؓ

یوں تو دنیا کی تاریخ کا ہر ورق انسان کے لئے عبرتوں کا مرقع ہے، خصوصاً اس کے اہم واقعات تو انسان کے ہر شعبہ زندگی کے لئے ایسے اہم نتائج سامنے لاتے ہیں جو کسی دوسری تعلیم و تلقین سے حاصل نہیں ہو سکتے، اسی لئے قرآن کریم کا ایک بہت بڑا حصہ قصص اور تاریخ پر مشتمل ہے، قرآن مجید نے تاریخ کو تاریخ کی حیثیت یا کسی قصہ و افسانہ کی صورت سے مدون و مرتب شکل میں پیش نہیں کیا، اس میں یہی اشارہ ہے کہ تاریخ خود اپنی ذات میں کوئی مقصد نہیں، بلکہ وہ نتائج ہیں جو تاریخ اقوام اور ان میں پیش آنے والے واقعات سے حاصل ہوتے ہیں، اس لئے قرآن کریم نے قصص کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نتائج کے لئے پیش فرمائے ہیں۔

سیدنا و سید شباب اہل الجنۃ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ شہادت نہ صرف اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے، بلکہ پوری دنیا کی تاریخ میں بھی اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اس میں ایک طرف ظلم و جور اور سنگدلی اور بے حیائی و محسن کشی کے ایسے ہولناک اور حیرت انگیز واقعات ہیں کہ انسان کو ان کا تصور بھی دشوار ہے، اور دوسری طرف آلِ اطہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و چراغ اور ان کے ستر، بہتر متعلقین کی چھوٹی جماعت کا باطل کے مقابلہ پر جہاد اور اس پر ثابت قدمی اور قربانی اور جاں نثاری کے ایسے محیر العقول واقعات ہیں جن کی نظیر تاریخ میں ملنا مشکل ہے اور ان دونوں میں آنے والی نسلوں کے لئے ہزاروں عبرتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

واقعہ شہادت جب سے پیش آیا اس وقت سے لے کر آج تک اس پر علاوہ مفصل کتب تاریخ کے، مستقل کتابیں اور رسالے ہر زبان میں بے شمار لکھے گئے، لیکن ایسے وقائع جن سے عوام و خواص کا دلی تعلق ہو اس میں غلط سلط روایات کی آمیزش کچھ مستبعد نہیں، میں نے اس زیر نظر رسالہ میں اس کی کوشش کی ہے کہ غیر مستند (۱) روایت نہ آنے پائے۔

اس کا اصل متن تاریخ کامل ابن اثیر ہے جو عزالدین ابن اثیر جزری کی تصنیف اور کتب تاریخ میں ہر طبقہ میں مقبول و مستند مانی گئی ہے۔

---

(۱) لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخ کی مستند روایات بھی تاریخ ہی کی حیثیت رکھتی ہیں، مستند تاریخ کا بھی وہ درجہ نہیں ہوتا جو مستند و معتبر احادیث کا کہ ان پر احکام، عقائد اور حلال و حرام کی بنیاد ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ جیسے نقاد حدیث کی تاریخ کبیر و صغیر کا وہ درجہ نہیں جو صحیح بخاری کا ہے۔ محمد شفیع

دوسری کتب تاریخ طبری، تاریخ الخلفاء، اسعاف الراغبین وغیرہ اور عام کتبِ حدیث سے بھی اقتباسات لئے گئے ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ واقعات ایک دریائے خون ہے جس میں داخل ہونا آسان نہیں، ان واقعات کے لکھنے اور دیکھنے سننے کے لئے بھی جگر تھام کر بیٹھنا پڑتا ہے، میں مختصر طور پر ان کو پیش کر رہا ہوں۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ۔

خلافتِ اسلامیہ پر ایک حادثۂ عظیمہ

حضرت ذی النورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس میں منافقین کی سازشیں، بھولے بھالے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے واقعات پیش آتے ہیں، مسلمانوں کے آپس میں تلوار چلتی ہے، مسلمان بھی وہ جو خیر الخلائق بعد الانبیاء کہلانے کے مستحق ہیں۔

خلافت کا سلسلہ جب امیر معاویہؓ پر پہنچتا ہے تو حکومت میں خلافتِ راشدہ کا وہ مثالی رنگ نہیں رہتا جو خلفائے راشدینؓ کی حکومتوں کو حاصل تھا۔ معاویہؓ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ زمانہ سخت فتنہ کا ہے، آپ اپنے بعد کے لئے کوئی ایسا انتظام کریں کہ مسلمانوں میں پھر تلوار نہ نکلے، اور خلافتِ اسلامیہ پارہ پارہ ہونے سے بچ جائے، باقتضائے حالات یہاں تک کوئی نامعقول یا غیر شرعی بات بھی نہ تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے بیٹے یزید کا نام مابعد کی خلافت کے لئے پیش کیا جاتا ہے، کوفہ سے چالیس مسلمان خوشامد پسند آتے ہیں یا بھیجے جاتے ہیں کہ معاویہؓ سے اس کی درخواست کریں کہ آپ کے بعد آپ کے بیٹے یزید سے زیادہ کوئی قابل اور ملکی سیاست کا ماہر نظر نہیں آتا، اس کے لئے بیعتِ خلافت لی جائے، حضرت معاویہؓ کو شروع میں کچھ تامل بھی ہوتا ہے، اپنے مخصوصین سے مشورہ کرتے ہیں۔ ان میں اختلاف ہوتا ہے، کوئی موافقت میں رائے دیتا ہے کوئی مخالفت میں۔ یزید کا فسق و فجور بھی اس وقت تک کھلا نہیں تھا، بالآخر بیعتِ یزید کا قصد کر لیا جاتا ہے۔ بالآخر بیعت یزید کا قصد کر لیا جاتا ہے اور اسلام پر یہ پہلا حادثۂ عظیم ہے کہ خلافت نبوت ملوکیت میں منتقل ہوتی ہے۔

اسلام پر بیعتِ یزید کا حادثہ

شام و عراق میں معلوم نہیں کس کس طرح خوشامد پسند لوگوں نے یزید کے لئے بیعت کا چرچہ کیا اور یہ شہرت دی گئی کہ شام و عراق، کوفہ و بصرہ یزید کی بیعت پر متفق ہو گئے۔

اب حجاز کی طرف رخ کیا گیا۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے امیر مکہ و مدینہ کو اس کام کے لئے مامور کیا گیا، مدینہ کا عامل مروان تھا، اس نے خطبہ دیا اور لوگوں سے کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت کے مطابق یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کے لئے یزید کی خلافت پر بیعت لی جائے، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ غلط ہے، یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ و قیصر کی سنت ہے، ابوبکرؓ و عمرؓ نے خلافت اپنی اولاد میں منتقل نہیں کی اور نہ اپنے کنبہ و رشتہ میں۔

حجاز کے عام مسلمانوں کی نظریں اہل بیتِ اطہارؓ پر لگی ہوئی تھیں خصوصاً حضرت حسینؓ ابنِ علیؓ پر جن کو وہ بجا طور پر حضرت معاویہؓ کے بعد مستحقِ خلافت سمجھتے تھے، وہ اس میں حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ کی رائے کے منتظر تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

ان حضرات کے سامنے اوّل تو کتاب و سنت کا یہ اصول تھا کہ خلافتِ اسلامیہ خلافتِ نبوت ہے اس میں وراثت کا کچھ کام نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو، بلکہ ضروری ہے کہ آزادانہ انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کیا جائے۔

دوسرے یزید کے ذاتی حالات بھی اس کی اجازت نہ دیتے تھے کہ اس کو تمام ممالکِ اسلامیہ کا خلیفہ مان لیا جائے، ان حضرات نے اس سازش کی مخالفت کی اور ان میں سے اکثر آخر دم تک مخالفت پر ہی رہے، اسی حق گوئی اور حمایتِ حق کے نتیجہ میں مکہ و مدینہ میں دار و رسن اور کوفہ و کربلا میں قتلِ عام کے واقعات پیش آئے۔

حضرت معاویہؓ مدینہ میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود ۵۱ھ میں حجاز کا سفر کیا، مدینہ طیبہ تشریف لائے، ان سب حضرات سے نرم و گرم گفتگو ہوئی، سب نے کھلے طور پر مخالفت کی۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے شکایت اور ان کی نصیحت

امیر معاویہؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے یہ شکایت کی کہ یہ حضرات میری مخالفت کرتے ہیں، اُمّ المومنینؓ نے ان کو نصیحت کی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ان پر جبر کرتے ہیں اور قتل کی دھمکی دیتے ہیں، آپ کو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے،

حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، وہ حضرات میرے نزدیک واجب الاحترام ہیں، میں ایسا نہیں کرسکتا، لیکن بات یہ ہے کہ شام وعراق اور عام اسلامی شہروں کے باشندے یزید کی بیعت پر متفق ہو چکے ہیں، بیعت خلافت مکمل ہو چکی ہے، اب یہ چند حضرات مخالفت کررہے ہیں۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ مسلمانوں کا کلمہ ایک شخص پر متفق ہو چکا ہے اور ایک بیعت مکمل ہو چکی ہے، کیا میں اس بیعت کو مکمل ہونے کے بعد توڑ دوں؟ اُم المومنینؓ نے فرمایا یہ تو آپ کی رائے ہے آپ جانیں لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ ان حضرات پر تشدد نہ کیجئے، احترام ورفق کے ساتھ ان سے گفتگو کیجئے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ (ابن کثیر)

حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ حضرت معاویہؓ کے قیام مدینہ کے زمانہ میں یہ محسوس کرتے تھے کہ ہمیں مجبور کیا جائے گا، اس لئے مع اہل وعیال مکہ مکرمہ پہنچ گئے، عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔

حضرت معاویہؓ مکہ میں

مدینہ کے بعد حضرت معاویہؓ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے، یہاں اوّل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور فرمایا:

''اے ابنِ عمؓ! تم مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مجھے ایک رات ایسی گزارنا پسند نہیں جس میں میرا کوئی امیر نہ ہو، میں نے اس امر کے پیشِ نظر اپنے بعد کے لئے یزید کی خلافت پر بیعت لے لی ہے کہ میرے بعد مسلمانوں میں افراتفری نہ پھیلے، سب مسلمان اس پر متفق ہو گئے، تعجب ہے کہ آپ اختلاف کرتے ہیں، میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے جمع شدہ نظم کو مختل نہ کریں اور فساد نہ پھیلائیں۔''

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ:

''آپ سے پہلے بھی خلفاء تھے اور ان کے بھی اولاد تھی، آپ کا بیٹا کچھ ان کے بیٹوں سے بہتر نہیں ہے، مگر انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے وہ رائے قائم نہیں کی جو آپ اپنے بیٹے کے لئے کررہے ہیں بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھا۔ آپ مجھے تفریقِ ملت سے ڈراتے ہیں، سو آپ یاد رکھیں کہ میں تفرقہ بین المسلمین کا سبب ہرگز نہ بنوں گا، میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، اگر سب مسلمان کسی راہ پر پڑ گئے تو میں بھی ان میں شامل رہوں گا۔'' (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

اس کے بعد عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی، انہوں نے شدت سے انکار کیا کہ میں کبھی اس کو قبول نہیں کروں گا۔ پھر عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر خطاب کیا، انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔

اجتماعی طور پر معاویہؓ کو صحیح مشورہ

اس کے بعد حضرت حسینؓ بن علیؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ وغیرہ خود جا کر حضرت معاویہؓ سے ملے، اور ان سے کہا کہ آپ کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ آپ اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت پر اصرار کریں، ہم آپ کے سامنے تین صورتیں رکھتے ہیں، جو آپ کے پیشروؤں کی سنت ہے:

۱:۔ آپ وہ کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ اپنے بعد کے لئے کسی کو متعین نہیں فرمایا، بلکہ مسلمانوں کی رائے عامہ پر چھوڑ دیا۔

۲:۔ یا وہ کام کریں جو ابوبکرؓ نے کیا کہ ایک ایسے شخص کا نام پیش کیا جو نہ ان کے خاندان کا ہے، نہ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے، اور اس کی اہلیت پر بھی سب مسلمان متفق ہیں۔

۳:۔ یا وہ صورت اختیار کریں جو حضرت عمرؓ نے کی، کہ اپنے بعد کا معاملہ چھ آدمیوں پر دائر کر دیا۔

اس کے سوا ہم کوئی چوتھی صورت نہیں سمجھتے، نہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر حضرت معاویہؓ کو اپنی اس رائے پر اصرار رہا کہ اب تو یزید کے ہاتھ پر بیعت مکمل ہو چکی ہے، اس کی مخالفت آپ لوگوں کو جائز نہیں ہے۔

ساداتِ اہل حجاز کا بیعتِ یزید سے انکار

حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں تو یہ معاملہ یہیں تک رہا کہ شام و عراق کے تو عام لوگوں نے یزید کی بیعت کو قبول کر لیا، اور دوسرے حضرات نے جب یہ دیکھا کہ یزید پر مسلمانوں کی بڑی تعداد مجتمع ہو گئی، تو بحالتِ مجبوری انہوں نے بھی مسلمانوں کو انتشار اور تفرقہ سے بچانے کے لئے اس کی بیعت قبول کر لی، مگر اہلِ مدینہ اور خصوصاً حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بیعتِ یزید سے انکار پر ثابت قدم رہے اور کسی کی پروا

کئے بغیر حق بات کا اعلان کرتے رہے، کہ یزید ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو خلیفۃ المسلمین بنایا جائے، یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کی وفات ہوگئی، اور یزید بن معاویہ نے ان کی جگہ لے لی۔

حضرت معاویہؓ کی وفات اور وصیت

وفات سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو کچھ وصیتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ میرا اندازہ ہے کہ اہلِ عراق حسینؓ کو تمہارے مقابلہ پر آمادہ کردیں گے۔ اگر ایسا ہو اور مقابلہ میں تم کامیاب ہو جاؤ تو ان سے درگزر کرنا، اور ان کی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا احترام کرنا، ان کا سب مسلمانوں پر بڑا حق ہے۔ (تاریخ کامل ابنِ اثیر صفحہ ۹ جلد ۴)

یزید کا خط ولید کے نام

یزید نے تختِ خلافت پر آتے ہی والیٔ مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ کو بیعتِ خلافت پر مجبور کرے، اور ان کو اس معاملہ میں مہلت نہ دے۔ ولید کے پاس جب یہ خط پہنچا تو فکر میں پڑ گیا کہ اس حکم کی تعمیل کس طرح کرے، مروان بن حکم جو اُن سے پہلے والیٔ مدینہ رہ چکا تھا اس کو مشورے کے لئے بلایا، اس نے مشورہ دیا کہ ابھی تک حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر مدینہ میں شائع نہیں ہوئی، مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو فوراً بلا لیا جائے، اگر وہ یزید کے لئے بیعت کرلیں تو مقصد حاصل ہے، ورنہ سب کو وہیں قتل کردیا جائے۔

ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس بلانے کے لئے بھیجا، اس نے ان دونوں حضرات کو مسجد میں پایا اور امیر مدینہ ولید کا حکم پہنچا دیا، دونوں نے کہا تم جاؤ ہم آتے ہیں، اس کے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت حسینؓ سے کہا کہ یہ وقت امیر کی مجلس کا نہیں ہے، اس وقت ہمیں بلانے میں کوئی خاص راز ہے، حضرت حسینؓ اپنی ذکاوت سے پوری بات سمجھ گئے تھے، فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ کا انتقال ہوگیا ہے، اور اب وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں ان کے انتقال کی خبر مشہور ہونے سے پہلے وہ ہمیں یزید کی بیعت پر مجبور کریں، عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ پھر اب کیا رائے ہے؟

حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں جا کر اپنے نوجوانوں کو جمع کر لیتا ہوں، اور پھر ان کو ساتھ لے کر ولید کے پاس پہنچتا ہوں، میں اندر جاؤں گا، اور نوجوانوں کو دروازے پر چھوڑ جاؤں گا، کہ کوئی ضرورت پڑے تو میں ان کی امداد حاصل کر سکوں۔ اس قرارداد کے مطابق حضرت حسینؓ ولید کے پاس پہنچے، وہاں مروان بھی موجود تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سلام کے بعد اوّل تو ولید اور مروان کو نصیحت کی کہ تم دونوں میں پہلے کشیدگی تھی، اب میں آپ دونوں کو مجتمع دیکھ کر خوش ہوا، اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار رکھے۔

اس کے بعد ولید نے یزید کا خط حضرت حسینؓ کے سامنے رکھ دیا، جس میں حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر اور اپنی بیعت کا تقاضا تھا، حضرت حسینؓ نے معاویہؓ کی وفات پر اظہار غم وافسوس کیا اور بیعت کے متعلق یہ فرمایا کہ میرے جیسے آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ خلوت میں پوشیدہ طور پر بیعت کر لوں، مناسب یہ ہے کہ آپ سب کو جمع کریں، اور بیعت خلافت کا معاملہ سب کے سامنے رکھیں، اس وقت میں حاضر ہوں گا جو کچھ ہوگا سب کے سامنے ہو جائے گا۔ ولید ایک عافیت پسند انسان تھا، اس بات کو قبول کر کے حضرت حسینؓ کو واپسی کی اجازت دے دی، مگر مروان نے ان کے سامنے ہی کہا کہ اگر حسینؓ اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر کبھی تمہیں ان پر قدرت نہ ہوگی، میرا خیال یہ ہے کہ آپ ان کو روک لیں اور جب تک بیعت نہ کریں جانے نہ دیں، ورنہ قتل کر دیں۔ حضرت حسینؓ نے مروان کو سخت جواب دیا کہ تو کون ہوتا ہے جو ہمیں قتل کرائے، اور یہ فرما کر وہاں سے نکل آئے۔

مروان نے ولید کو ملامت کی کہ تو نے موقع ضائع کر دیا، ولید نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے ساری دنیا کی سلطنت اور دولت بھی اگر اس کے بدلے میں ملے کہ میں حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کروں تو میں اس کے لئے تیار نہیں، قیامت کے روز حسینؓ کے خون کا مطالبہ جس کی گردن پر ہو وہ نجات نہیں پا سکتا۔

حضرت حسینؓ اور حضرت زبیرؓ مکہ چلے گئے

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے بھائی جعفرؓ کو ساتھ لے کر راتوں رات مدینہ سے نکل گئے، جب وہ تلاش کرنے پر ہاتھ نہ آئے تو حضرت حسینؓ کا تعاقب کیا، حضرت حسینؓ نے بھی یہی صورت اختیار کی کہ اپنی اولاد اور متعلقین کو لے کر مدینہ سے نکل گئے، اور دونوں مکہ مکرمہ پہنچ

کر پناہ گزیں ہو گئے، یزید کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ولید بن عتبہ کی سستی پر محمول کر کے ان کو معزول کر دیا، ان کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو امیر مدینہ بنایا اور ان کی پولیس کا افسر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی عمرو کو بنایا۔ کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ان دونوں بھائیوں میں شدید اختلاف ہے، عمرو بن زبیر، عبداللہ بن زبیرؓ کی گرفتاری میں کوتاہی نہ کرے گا۔

گرفتاری کے لئے فوج کی روانگی

عمرو بن زبیر نے پہلے تو رؤسا مدینہ میں جو لوگ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامی تھے ان سب کو بلا کر سخت تشدد کیا، اور مار پیٹ کے ذریعے ان پر رعب جمانا چاہا، اس کے بعد بمشورۂ عمرو بن سعید دو ہزار جوانوں کا لشکر لے کر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی گرفتاری کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ ابوشریح خزاعی نے عمرو بن سعید کو اس حرکت سے روکا کہ مکہ مکرمہ میں قتل وقتال جائز نہیں، جو لوگ حرم مکہ میں پناہ گزیں ہیں ان کو گرفتاری کے لئے بھیجنا خدائے تعالیٰ کی حدود کو توڑنا ہے، مگر عمرو بن سعید نے ان کی بات نہ مانی اور حدیث میں تاویلیں کرنے لگا۔ (صحیح بخاری)

عمرو بن زبیر دو ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گیا، اور مکہ سے باہر قیام کر کے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آدمی بھیجے کہ مجھے یزید کا یہ حکم ہے کہ تمہیں گرفتار کروں، میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مکہ مکرمہ کے اندر قتال ہو، اس لئے تم خود کو میرے حوالے کر دو۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے چند نوجوانوں کو اس کے مقابلے کے لئے بھیج دیا جنہوں نے اس کو شکست دی اور عمرو بن زبیر نے ابن علقمہ کے گھر میں پناہ لی۔

دوسری طرف جب حضرت حسینؓ مدینہ سے نکلے تو راستے میں عبداللہ بن مطیع ملے، دریافت کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا اس وقت تو مکہ مکرمہ کا قصد ہے، اس کے بعد میں استخارہ کروں گا کہ کہاں جاؤں۔ عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ میں ایک خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مکہ ہی میں رہیں، خدا کے لئے آپ کوفہ کا رخ نہ کریں۔ وہ بڑا منحوس شہر ہے، اس میں آپ کے والد ماجد قتل کئے گئے، اور آپ کے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ حضرت حسینؓ مکہ میں پہنچ کر مقیم ہو گئے اور اطراف کے مسلمان ان کی خدمت میں آنے جانے لگے۔

اہلِ کوفہ کے خطوط

اُدھر جب اہلِ کوفہ کو حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر ملی اور یہ کہ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے بیعتِ یزید سے انکار کر دیا، تو کچھ حضرات شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے اور حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ ہم بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار نہیں، آپ فوراً کوفہ آجایئے، ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، یزید کی طرف سے کوفہ کے امیر جو حضرت نعمان بن بشیرؓ ہیں ان کو یہاں سے نکال دیں گے۔

اس کے دو روز بعد اسی مضمون کا ایک اور خط لکھا، اور دوسرے خطوط حضرت حسینؓ کے پاس بھیجے جس میں یزید کی شکایات اور اس کے خلاف اپنی نصرت و تعاون اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا یقین دلایا گیا، اور چند وفود بھی حضرت حسینؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت حسینؓ ان وفود اور خطوط سے متاثر ہوئے، مگر حکمت و دانشمندی سے یہ کیا کہ بجائے خود جانے کے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، اور ان کے ہاتھ یہ خط لکھ بھیجا کہ:

''بعد سلام مسنون، مجھے آپ لوگوں کے خط ملے اور حالات کا اندازہ ہوا۔ میں اپنے معتمد چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں تاکہ وہ حالات کا جائزہ لے کر مجھے خط لکھے، اگر وہ حالات کی تحقیق کرنے کے بعد مجھے خط لکھیں گے تو میں فوراً کوفہ پہنچ جاؤں گا۔''

مسلم بن عقیل کوفہ جانے سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچے، اور مسجدِ نبویؐ میں نماز ادا کی، اور اپنے اہل و عیال سے رخصت ہوئے۔ کوفہ پہنچ کر مختار کے گھر میں مقیم ہوئے، یہاں کے حضرات ان کے پاس آنے جانے لگے، جب کوئی نیا آدمی آتا تو مسلم بن عقیل اس کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پڑھ کر سناتے تھے جس کو سن کر سب پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

مسلم بن عقیل نے چند روز کے قیام سے یہ اندازہ لگالیا کہ یہاں کے عام مسلمان یزید کی بیعت سے متنفر اور حضرت امام حسینؓ کی بیعت کے لئے بے چین ہیں، آپ نے یہ دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعتِ خلافت لینی شروع کر دی، چند روز میں صرف کوفہ سے اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے حضرت حسینؓ کے لئے بیعت کر لی، اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔

مسلم بن عقیل نے حضرت حسینؓ کو کوفہ کے لئے دعوت دے دی

اس وقت مسلم بن عقیل کو یہ اطمینان ہوگیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائیں تو بے شک پورا عراق ان کی بیعت میں آجائے گا، حجاز کے لوگ ان کے پہلے ہی تابع اور دلدادہ ہیں، اس لئے ملت اسلام کے سر سے باآسانی یزید کی مصیبت ٹل جائے گی اور ایک صحیح معیاری خلافت قائم ہوجائے گی، انہوں نے ہدایت کے موافق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دے دی۔ (کامل ابن اثیر)

حالات میں انقلاب

مگر یہ خط لکھنے کے بعد بحکم قضاء قدر اس طرف حالات بدلنا شروع ہوگئے۔ یزید کی طرف سے نعمان بن بشیرؓ کوفہ کے حاکم تھے، ان کو جب یہ اطلاع ملی کہ مسلم بن عقیل حضرت حسینؓ کے لئے بیعت خلافت لے رہے ہیں، لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں کہا کہ:

''ہم کسی سے لڑنے کے لئے تیار نہیں، اور نہ محض شبہ یا تہمت پر کسی کو پکڑتے ہیں، لیکن اگر تم نے سرکشی اختیار کی اور اپنے امام (یزید) کی بیعت توڑی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں تلوار سے تم لوگوں کو سیدھا کردوں گا، جب تک کہ تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں قائم رہے گا۔'' (کامل ابن اثیر، ص ۹ ج ۴)

عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی جو بنی امیہ کا حلیف تھا، یہ خطبہ سن کر کھڑا ہوا اور بولا کہ جو حالات آپ کے سامنے ہیں ان کی اصلاح بغیر تشدد کے نہیں ہوسکتی، اور جو رائے آپ نے اختیار کی ہے، یہ کمزور اور بزدلوں کی رائے ہے۔ نعمان بن بشیرؓ نے جواب دیا کہ:

''میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کمزور دل سمجھا جاؤں، یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کی معصیت میں دلیر و بہادر کہلاؤں۔'' (ابن اثیر)

یہ دیکھ کر خود عبداللہ بن مسلم نے براہ راست ایک خط یزید کو بھیج دیا جس میں مسلم بن عقیل کے آنے اور حضرت حسینؓ کے لئے بیعت لینے کا واقعہ ذکر کر کے لکھا کہ:

''اگر تمہیں کوفہ کی کچھ ضرورت ہے اور اس کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہو تو یہاں کے لئے کسی قوی آدمی کو فوراً بھیجئے جو آپ کے احکام کو قوت کے ساتھ نافذ کرسکے، موجودہ حاکم نعمان بن بشیرؓ یا تو کمزور ہیں، یا قصداً کمزوری کا معاملہ کر رہے ہیں۔''

اسی کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں نے بھی اسی مضمون کے خط یزید کو لکھے جن میں عمارہ ابن الولید اور عمرو بن سعد بن ابی وقاص وغیرہ شامل تھے۔ یزید کے پاس یہ خطوط پہنچے تو اپنے والد حضرت معاویہؓ کے مشیر خاص سرجون کو بلا کر مشورہ کیا کہ کوفہ کی حکومت کس کو سپرد کرے، اس کی رائے یہ ہوئی کہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا عامل بنایا جائے، لیکن یزید کے تعلقات اس کے ساتھ اچھے نہ تھے، اس لئے سرجون نے کہا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ اگر آج حضرت معاویہؓ زندہ ہو جائیں اور وہ آپ کو کوئی مشورہ دیں تو آپ قبول کریں گے؟ یزید نے کہا بے شک، اس وقت سرجون نے حضرت امیر معاویہؓ کا ایک فرمان نکالا، جس میں کوفہ کی امارت پر عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا گیا تھا۔

کوفہ پر ابنِ زیاد کا تقرر، مسلم بن عقیل کے قتل کا حکم

یزید نے اس کے مشورے کو قبول کر کے عبید اللہ ابنِ زیاد کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا حاکم بنا دیا، اور اس کو ایک خط لکھا کہ فوراً کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو گرفتار کرے اور قتل کر دے، یا کوفہ سے نکال دے۔ ابنِ زیاد کو یہ خط ملا تو فوراً کوفہ جانے کا عزم کر لیا۔

حضرت حسینؓ کا خط اہلِ بصرہ کے نام

اُدھر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت حسینؓ کا ایک خط اَشرافِ اہلِ بصرہ کے نام پہنچا، جس کا مضمون یہ تھا:

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مٹ رہی ہے، اور بدعات پھیلائی جا رہی ہیں، میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی حفاظت کرو اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لئے کوشش کرو۔''

(کامل ابنِ اثیر، ص ۹ ج ۴)

یہ خط خفیہ بھیجا گیا تھا، اور تو سب نے اس خط کو راز میں رکھا، لیکن منذر بن جارود کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خط لانے والا خود ابنِ زیاد کا جاسوس ہو، اس لئے اس نے یہ خط ابنِ زیاد کو پہنچا دیا، اور جو شخص یہ خط لے کر آیا تھا اس کو بھی ابنِ زیاد کے سامنے پیش کر دیا، ابنِ زیاد نے اس قاصد کو قتل کر ڈالا، اور اس کے بعد اہلِ بصرہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں کہا کہ:

''جو شخص میری مخالفت کرے میں اس کے لئے ایک عذاب الیم ہوں، اور جو موافقت کرے اس کے لئے راحت ہوں، مجھے امیر المومنین نے کوفہ جانے کا حکم دیا ہے، میں صبح وہاں جا رہا ہوں، اور اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام بناتا ہوں، میں تمہیں متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کے حکم کی مخالفت کا دھیان کبھی دل میں نہ لانا، اور اگر مجھے کسی شخص کے متعلق خلاف کی خبر ملی تو میں اس کو بھی قتل کر دوں گا اور اس کے ولی کو بھی، اور اس کے خاندان کے عریف (لیڈر) کو بھی، تم مجھے جانتے ہو کہ میں ابنِ زیاد ہوں۔'' (کامل ابنِ اثیر)

ابنِ زیاد کوفہ میں

اس کے بعد ابنِ زیاد اپنے ساتھ مسلم بن عمر باہلی اور شریک ابنِ اعور کو ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا، کوفہ کے لوگ پہلے سے حضرت حسینؓ کی آمد آمد کے منتظر تھے، اور ان میں بہت سے لوگ حضرت حسینؓ کو پہچانتے بھی نہ تھے، جب ابنِ زیاد کوفہ میں پہنچا، تو ان لوگوں نے سمجھا کہ یہی حسینؓ ہیں، وہ جس مجلس سے گزرتا سب یہ کہہ کر اس کا استقبال کرتے تھے کہ: مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ ابنِ زیاد یہ منظر خاموشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا، اور دل میں کڑھتا تھا کہ کوفہ پر تو حضرت حسینؓ کا پورا تسلط ہو چکا ہے۔

اب پورے شہر کوفہ میں حضرت حسینؓ کے آنے کی خبر مشہور ہو گئی، لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے، اُدھر نعمان بن بشیرؓ والیٔ کوفہ کو یہ خبر ملی تو باوجود یزید کا ملازم ہونے کے اہلِ بیت کا احترام دل میں رکھتے تھے، اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے، ابنِ زیاد ان کے دروازے پر پہنچا، لوگوں کا ایک ہجوم اس کو حضرت حسینؓ سمجھ کر ساتھ تھا، جن کا شور و شغب اور ہنگامہ نعمان ابنِ بشیرؓ نے اندر سے سنا، تو وہیں سے آواز دی کہ:

''جو امانت یعنی ولایت کوفہ میرے سپرد ہے وہ میں آپ کے حوالہ نہ کروں گا، اس کے علاوہ میں آپ سے لڑنا نہیں چاہتا۔''

ابنِ زیاد خاموشی کے ساتھ یہ سب مظاہرے اور والیٔ کوفہ کا معاملہ دیکھ رہا ہے، اب اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر نعمان کو آواز دی کہ دروازہ کھولو، میں ابنِ زیاد ہوں، یزید کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں، اس وقت دروازہ کھولا گیا اور اندر جانے کے بعد پھر بند کر لیا گیا۔

کوفہ میں ابنِ زیاد کی پہلی تقریر

اگلے روز صبح ہی ابنِ زیاد نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی، جس میں کہا کہ امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنایا ہے، اور یہ حکم دیا ہے کہ تم میں جو شخص مظلوم ہو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے، اور جو اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہے اس کو اس کا حق دیا جائے، اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، اور جو سرکشی اور نافرمانی کرے یا جس کی حالت اس معاملہ میں مشتبہ ہو اس پر تشدد کیا جائے، خوب سمجھ لو کہ میں امیر المومنین کا تابع فرمان رہ کر ان کے احکام کو ضرور نافذ کروں گا، میں نیک چلن لوگوں کے لئے مہربان باپ اور اطاعت کرنے والوں کے لئے حقیقی بھائی ہوں، اور میرا کوڑا اور میری تلوار صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو میری اطاعت سے بغاوت کریں، اور میرے احکام کی مخالفت کریں، اب آپ لوگ اپنی جانوں پر رحم کھائیں اور بغاوت سے باز آئیں۔

اس کے بعد شہر کے تمام عرفاء، نمائندوں اور لیڈروں کو خطاب کر کے حکم دیا کہ تمہارے شہر میں جتنے آدمی باہر کے پردیسی ٹھہرے ہوئے ہیں یا یزید کے مخالف ہیں ان سب کی تفصیلات فوراً میرے پاس پہنچا دو، جو شخص ایسے لوگوں کی رپورٹ ہمیں دے دے گا، وہ بری سمجھا جائے گا، اور جو نہ دے گا وہ اپنے پورے حلقہ اثر کا ضامن و ذمہ دار ہوگا کہ اس میں کوئی شخص بھی ہماری مخالفت نہ کرے گا، اور جو ایسا نہ کرے گا اس سے ہمارا ذمہ بری ہے، ہم اس کو قتل کر دیں گے، اور جس شخص کے حلقہ اثر میں خلیفہ وقت یزید کا کوئی مخالف پایا جائے گا اس کو اسی کے دروازے پر سولی پر چڑھا دیا جائے گا، اور اس کا حق نمائندگی سلب کر لیا جائے گا۔

مسلم بن عقیل کے تاثرات

اُدھر مسلم بن عقیل جو مختار ابنِ ابی عبید کے گھر میں مقیم تھے، اور حضرت حسینؓ کے لئے بیعت خلافت لے رہے تھے، ان کو جب ابنِ زیاد کی اس تقریر کا علم ہوا تو یہ خطرہ ہوا کہ اب ان کی مخبری کر دی جائے گی، اس لئے مختار کا گھر چھوڑ کر ہانی ابنِ عروہ مرادی کے مکان پر گئے، دروازے پر پہنچ کر ہانی ابن عروہ کو بلایا، وہ باہر آئے، اور مسلم بن عقیل کو اپنے دروازے پر دیکھ کر پریشان ہو گئے، مسلم نے کہا کہ میں تمہارے پاس پناہ لینے کے لئے آیا ہوں، ہانی

ابنِ عروہ نے جواب دیا کہ آپ مجھ پر بڑی مصیبت ڈال رہے ہیں، اور اگر آپ میرے گھر کے اندر نہ آ گئے ہوتے تو میں یہی پسند کرتا کہ آپ لوٹ جائیں، اب کہ آپ داخل ہو چکے ہیں میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہوں، اچھا آ جایئے، مسلم ان کے مکان میں روپوش ہو گئے، کوفہ کے مسلمان ان کی خدمت میں خفیہ آتے جاتے رہے۔

مسلم کی گرفتاری کے لئے ابنِ زیاد کی چالاکی!

اُدھر ابنِ زیاد نے اپنے ایک خاص دوست کو بلا کر تین ہزار درہم دیئے اور اس کام پر مامور کیا کہ مسلم بن عقیل کا پتہ لگائے، یہ شخص مسجد میں مسلم بن عوسجہ اسدی کے پاس پہنچا، جن کے متعلق کچھ لوگوں سے سنا تھا کہ وہ مسلم ابنِ عقیلؓ کے رازدار ہیں، وہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے علیحدہ لے جا کر ان سے کہا کہ میں شام کا باشندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام فرمایا ہے کہ مجھے اہلِ بیتِ نبی کریم ﷺ کی محبت عطا فرمائی، یہ تین ہزار درہم میں اس لئے لایا ہوں کہ اس شخص کے سپرد کر دوں جو حضرت حسینؓ کے لئے بیعت لے رہا ہے، مجھے لوگوں سے یہ پتہ چلا ہے کہ آپ کو اس شخص کا علم ہے، اس لئے یہ روپیہ آپ مجھ سے لے لیں، اور مجھے وہاں پہنچا دیں، تاکہ میں بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں، اور اگر آپ نہ چاہیں تو مجھ سے آپ ہی ان کے لئے بیعت لے لیجئے، مسلم بن عوسجہ نے کہا کہ مجھے آپ کی ملاقات سے خوشی ہوئی، آپ کی مراد ان شاء اللہ پوری ہوگی، اور شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اہلِ بیتِ اطہارؓ کی مدد فرمائے، مگر مجھے اس سے بڑا خطرہ ہو گیا کہ لوگوں میں میرا نام ابھی سے مشہور ہو گیا، بہرحال مسلم ابنِ عوسجہ نے اس شخص سے حلف اور عہد لیا کہ راز فاش نہ کرے گا، یہ شخص چند روز تک ان کے پاس انتظار میں آتا جاتا رہا کہ وہ اس کو مسلم بن عقیل سے ملا دیں گے۔

ابنِ زیاد، ہانی بن عروہ کے گھر میں

اتفاقاً جس گھر میں مسلم بن عقیلؓ روپوش تھے، ہانی بن عروہ بیمار ہو گئے، ابنِ زیاد بیمار کی خبر پا کر عیادت کے لئے ان کے گھر پہنچا، اس وقت عمارہ بن عبدِ سلولیؓ نے ان سے کہا کہ یہ موقع غنیمت ہے، اس وقت دشمن (ابنِ زیاد) تمہارے قابو میں ہے قتل کرا دو، ہانی ابنِ عروہ نے کہا کہ شرافت کے خلاف ہے کہ اس کو اپنے گھر میں قتل کروں، یہ موقع نکل گیا، مگر اتفاقاً ایسا ہی

ایک اور موقع پیش آیا کہ شریک ابنِ اعور، جو کہ ابنِ زیاد کے ساتھ کوفہ میں آیا تھا مگر اہلِ بیت سے محبت رکھنے کے سبب ابنِ زیاد سے جدا ہو کر ہانی بن عروہ کا مہمان اور ہمراز ہو گیا تھا، یہ بیمار پڑا تو پھر ابنِ زیاد نے خبر بھیجی کہ آج شام کو میں شریک ابنِ اعور کی عیادت کے لئے آؤں گا۔

مسلم بن عقیلؓ کی انتہائی شرافت اور اتباعِ سنت

شریک ابنِ اعور نے بھی اس موقع کو غنیمت جان کر مسلم ابنِ عقیلؓ سے کہا یہ فاجر آج شام کو میری عیادت کے لئے آنے والا ہے، جب یہ آ کر بیٹھے تو آپ یکبارگی اس پر حملہ کر کے قتل کر دیں، پھر آپ مطمئن ہو کر قصرِ امارت میں بیٹھیں، اگر میں تندرست ہو گیا تو بصرہ پہنچ کر وہاں کا انتظام میں آپ کے حق میں درست کر دوں گا، شام ہوئی اور ابنِ زیاد کے آنے کا وقت ہوا تو مسلم بن عقیلؓ اندر جانے لگے، اس وقت شریک نے ان سے کہا کہ آج موقع کو ہاتھ سے نہ دینا، جب وہ بیٹھ جائے تو فوراً قتل کر دینا، مگر اس وقت بھی ان کے میزبان ہانی بن عروہ نے کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ میرے گھر میں مارا جائے، یہاں تک کہ ابنِ زیاد آ گیا، اور شریک کی مزاج پرسی شروع کی، شریک نے قصداً بات کو طول دیا، اور جب دیکھا کہ مسلم بن عقیلؓ باہر نہیں آتے تو ایک شعر پڑھا: مَا تَنْظُرُوْنَ بِسَلْمٰی لَا تُحَیُّوْنَا۔ یعنی تم سلمٰی کے متعلق کیا انتظار کرتے ہو اس کو سلام کیوں نہیں کرتے، اور بار بار یہ شعر پڑھنے لگے، ابنِ زیاد نے سمجھا کہ بیماری کی وجہ سے ان کے حواس میں اختلال ہے کہ بے جوڑ باتیں کر رہے ہیں، ہانی بن عروہ سے پوچھا، انہوں نے کہا جی ہاں اس بیماری میں ان کا یہی حال ہے، کبھی کبھی ہذیان کی باتیں کرنے لگتے ہیں، ابنِ زیاد کے ساتھ مہران بھی آیا تھا، وہ تاڑ گیا، اور ابنِ زیاد کو اشارہ کیا، یہ فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔

اس کے جانے کے بعد مسلم بن عقیلؓ باہر آئے تو شریک نے پوچھا آپ نے یہ موقع کیوں گنوا دیا، اور اس شخص کے قتل کے لئے آپ کے لئے کیا مانع تھا؟ مسلم بن عقیلؓ نے فرمایا دو خصلتیں مانع ہو گئیں، اوّل تو یہ کہ میں جس شخص کے گھر میں مہمان ہوں اور پناہ گزین ہوں وہ اس کو پسند نہیں کرتے، دوسرے ایک حدیث جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجھے سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان حیلہ کے ساتھ اچانک قتل کرنے سے منع فرماتا ہے، کسی مومن کو جائز نہیں کہ کسی کو حیلہ کر کے اچانک قتل کرے۔

اہلِ حق اور اہلِ باطل میں فرق

یہاں یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ مسلم بن عقیلؓ کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی ہے، اور نہ صرف اپنی موت بلکہ اپنے پورے خاندانِ اہلِ بیت کی موت اور اس کے ساتھ ایک صحیح اسلامی مقصد کی ناکامی دیکھ رہے ہیں، اور جس شخص کے ہاتھوں یہ سب کچھ ہونے والا ہے وہ اس طرح ان کے قابو میں ہے کہ بیٹھے بیٹھے اسے ختم کر سکتے ہیں، مگر اہلِ حق اور خصوصاً اہلِ بیت اطہار کا جوہرِ شرافت اور تقاضائے اتباعِ سنت دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس وقت بھی ان کا ہاتھ نہیں اٹھتا، یہی اہلِ حق کی علامت ہے کہ وہ اپنی ہر حرکت وسکون اور ہر قدم پر سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک ہمارا یہ قدم صحیح ہے یا نہیں، اور اگر کتاب وسنت سے یا تقاضائے شرافت سے اس کی اجازت نظر نہیں آتی تو اپنا سب کچھ قربان کرنے اور مقصد کو نظر انداز کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد شریک تو اسی بیماری میں تین روز کے بعد انتقال کر گئے، اب جس شخص کو ابنِ زیاد نے تین ہزار روپے دے کر مسلم بن عقیلؓ کے پیچھے لگایا تھا، اور وہ مسلم بن عوسجہ کے پاس برابر آمد ورفت رکھتا تھا، بالآخر ایک روز مسلم بن عوسجہ نے اس کو مسلم بن عقیلؓ سے ملا دیا، اس نے جا کر مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کے لئے بیعت کی، اور تین ہزار درہم ان کو دے دیئے اور اب روزانہ ان کے پاس آنے جانے لگا اور اس راستہ سے مسلم بن عقیلؓ کی ہر نقل وحرکت اور تمام راز ابنِ زیاد کے پاس پہنچنے لگے۔

ہانی بن عروہ کی گرفتاری

اب جب کہ ابنِ زیاد پر پوری طرح راز فاش ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ ہانی بن عروہ نے مسلم کو پناہ دے رکھی ہے تو اس کو ہانی کی فکر ہوئی، لوگوں سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ بہت دنوں سے ہانی بن عروہ ہم سے نہیں ملے، لوگوں نے بیماری کا عذر بتایا، مگر اس کو تو گھر کے بھیدی نے سب کچھ بتا رکھا تھا، اس نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے، وہ مرض سے اچھے ہو چکے ہیں، گھر کے دروازے پر پہرہ کے لئے بیٹھے رہتے ہیں، آپ لوگ جاؤ اور اس کو سمجھاؤ کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ہمارے پاس آئیں۔

یہ لوگ ہانی کے پاس پہنچے، حالات کی نزاکت بتلا کر کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چلئے، ہانی نے اپنے آپ کو مجبور پایا، ان کے ساتھ چلنے کے لئے سوار ہو گئے۔ جب قصرِ امارت کے قریب پہنچے تو ان کو احساس ہوا کہ آج میرے لئے خیر نہیں، آنے والوں میں ان کے عزیز حسان بن اسماء بھی تھے، ان سے کہا کہ مجھے اپنے بارے میں خطرہ ہے، حسان نے جواب دیا کہ آپ بالکل فکر نہ کریں، میں تو کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا، وجہ یہ تھی کہ حسان ان واقعات سے بالکل بے خبر تھے۔

یہ لوگ ہانی کو ساتھ لئے ہوئے قصرِ امارت میں داخل ہوئے تو ابنِ زیاد نے قاضیٔ کوفہ شریح سے کہا کہ ایک خائن کو خود اس کے پاؤں نے یہاں تک پہنچا دیا، جب قریب آئے تو ابنِ زیاد نے شعر پڑھا:

"أُرِيْدُ حَيَاتَهٗ وَيُرِيْدُ قَتْلِيْ"

یعنی میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کے درپے ہے۔

ہانی نے کہا یہ کیا بات ہے؟ ابنِ زیاد نے کہا کہ کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ ہم ان سازشوں سے بے خبر ہیں جو امیر المومنین کے خلاف آپ کے گھر میں ہو رہی ہیں؟ آپ نے مسلم بن عقیلؓ کو اپنے گھر میں ٹھہرایا ہوا ہے، اور اس کے واسطے اسلحہ اور رضا کار جمع کر رہے ہیں۔ ہانی نے انکار کیا اور گفتگو طویل ہوئی، تو ابنِ زیاد نے اس اپنے جاسوس کو سامنے کر دیا جس کے ذریعہ خبریں پہنچی تھیں، یہ ماجرا دیکھ کر ایک دفعہ تو ہانی ششدر رہ گئے، مگر پھر ذرا سنبھل کر بولے۔

ہانی کی شرافت: اپنے مہمان کو سپرد کرنے سے انکار

میری بات سنئے! اور اس کو سچ مانیے، میں واللہ آپ سے جھوٹ نہ بولوں گا، واقعہ یہ ہے کہ بخدا نہ میں نے مسلم بن عقیلؓ کو بلایا ہے، نہ مجھے ان کے معاملہ کی کوئی خبر تھی، اچانک ان کو اپنے دروازے پر بیٹھا ہوا دیکھا، انہوں نے مجھ سے میرے گھر میں مہمان ہونے کے لئے کہا، مجھے ان کی بات رد کرنے سے حیا مانع ہوئی، اور اس کی وجہ سے مجھ پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہو گئیں، میں نے مجبور ہو کر انہیں اپنے گھر میں داخل کیا اور مہمان بنا لیا، اور اگر اب آپ مجھ پر اطمینان کریں تو میں اپنے گھر جاؤں اور ان کو اپنے گھر سے نکال دوں، اور پھر آپ کے پاس آ جاؤں۔ ابنِ زیاد نے کہا کہ خدا کی قسم! آپ مجھ سے اس وقت تک جدا نہیں ہو سکتے جب تک مسلم بن عقیلؓ کو میرے سپرد نہ کر دیں، ہانی نے کہا میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کہ اپنے

مہمان کو تمہارے سپرد کردوں اور تم اسے قتل کردو۔

حاضرِ مجلس مسلم بن عمرو باہلی نے ابنِ زیاد سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے میں انہیں سمجھاتا ہوں، علیحدہ لے گئے اور کہا کہ کیوں اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہو؟ مسلم کو ان کے سپرد کردو، یہ لوگ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے سے نمٹ لیں گے، قتل نہ کریں گے اور نہ کوئی نقصان پہنچائیں گے، اس معاملہ میں نہ آپ کی کوئی رسوائی ہے نہ عار۔ ہانی نے کہا اس سے زیادہ کیا رسوائی ہوسکتی ہے کہ میں اپنے مہمان کو اس کے دشمن کے حوالہ کردوں، بخدا! اگر کوئی میرا یار و مددگار بھی نہ ہوتا اور میں تنہا ہوتا جب بھی اپنے مہمان کو اپنی زندگی میں اس کے دشمن کے سپرد نہ کرتا۔

ہانی ابن عروہ پر تشدد و مار پیٹ

جب ہانی کی یہ پختگی دیکھی تو ابنِ زیاد اور اس کے مصاحب خاص مہران نے ہانی کے بال پکڑ کر ان کو مارنا شروع کیا، یہاتک کہ ان کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا، اور کہا کہ اب بھی تم مسلم کو ہمارے حوالے کردو ورنہ تمہیں قتل کردیں گے، ہانی نے کہا میرا قتل کردینا تیرے لئے آسان نہیں، اگر ایسا کرو گے تو تمہارے قصرِ امارت کو تلواریں گھیر لیں گی، اس پر ابن زیاد اور برافروختہ ہوا اور مار پیٹ شدید کردی۔

اسماء بن خارجہ جو ہانی کو گھر سے بلا کر لائے تھے، اور ان کو اطمینان دلایا تھا کہ آپ کوئی فکر نہ کریں، وہ اس وقت کھڑے ہوئے اور سختی سے ابن زیاد کو کہا کہ اے غدار! تو نے ہمیں ایک شخص کو لانے کے لئے کہا جب ہم اسے لے آئے تو تو نے ان کا یہ حال کردیا، اس پر ابن زیاد نے ہاتھ روکا۔

ہانی کی حمایت میں ابن زیاد کے خلاف ہنگامہ

اُدھر شہر میں یہ مشہور ہوگیا کہ ہانی بن عروہ قتل کردیئے گئے، جب یہ خبر عمرو بن حجاج کو پہنچی تو وہ قبیلۂ مذحج کے بہت سے نوجوانوں کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچے، اور ابن زیاد کے مکان کا محاصرہ کیا، اب تو ابن زیاد کو فکر پڑ گئی، قاضی شریح کو کہا کہ آپ باہر جا کر لوگوں کو بتلائیں کہ ہانی بن عروہ صحیح سالم ہیں، قتل نہیں کئے گئے۔ میں خود ان کو دیکھ کر آیا ہوں، اور شریح کے ساتھ ایک اپنا آدمی بطور جاسوس لگا دیا کہ وہ ابنِ زیاد کے کہنے کے خلاف کوئی بات نہ

کریں، قاضی شریح کا یہ قول سن کر عمرو بن حجاج نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ اب اطمینان ہے، تم واپس چلے جاؤ۔

ہانی بن عروہ کے متعلق شہادت کی خبر اور اس کے خلاف قبیلۂ مذحج کے ہنگامے اور ابن زیاد کے قصر کے محاصرہ کی اطلاع جب مسلم بن عقیلؓ کو ملی تو وہ بھی مقابلے کے لئے تیار ہو کر نکلے، اور جن اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کو جمع کیا، چار ہزار آدمی جمع ہو گئے اور جمع ہوتے جا رہے تھے۔ یہ لشکر ابن زیاد کے قصرِ امارت کی طرف بڑھا تو ابن زیاد نے قصر کے دروازوں کو مقفل کر دیا۔ مسلمؓ اور ان کے ساتھیوں نے قصر کا محاصرہ کر لیا۔ مسجد اور بازار ان لوگوں سے بھر گیا جو ابن زیاد کے مقابلے پر آئے تھے، اور شام تک اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

ابن زیاد کے ساتھ قصرِ امارت میں صرف تیس سپاہی اور کچھ خاندان کے سادات تھے، ابن زیاد نے ان لوگوں میں سے چند ایسے لوگوں کو منتخب کیا جن کا اثر و رسوخ ان قبائل پر تھا جو مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے تھے، اور ان کو کہا کہ تم باہر جا کر اپنے اپنے حلقۂ اثر کے لوگوں کو مسلم بن عقیلؓ کا ساتھ دینے سے روکو، مال و حکومت کا لالچ دلا کر یا حکومت کی سزا کا خوف دلا کر جس طرح بھی ممکن ہو ان کو مسلم سے جدا کر دو۔

اِدھر سادات و شیعہ کو حکم دیا کہ تم لوگ قصر کی چھت پر چڑھ کر لوگوں کو اس بغاوت سے روکو اور اسی خوف و طمع کے ذریعے ان کو محاصرہ سے واپس جانے کی تلقین کرو۔

محاصرہ کرنے والوں کا فرار اور مسلم بن عقیلؓ کی بے کسی

جب لوگوں نے اپنے سادات و شیعہ کی زبانی یہ باتیں سنیں تو متفرق ہونا شروع ہو گئے، عورتیں اپنے بیٹوں، بھائیوں کو محاذ سے واپس بلانے کے لئے آنے لگیں، یہاں تک کہ مسجد میں ابن عقیلؓ کے ساتھ صرف تیس آدمی باقی رہ گئے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مسلمؓ بھی یہاں سے واپس ابواب کندہ کی طرف چلے، جب وہ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ رہا تھا۔

مسلم بن عقیلؓ تن تنہا کوفہ کے گلی کوچوں میں سراسیمہ پھرتے تھے کہ اب کہاں جائیں، بالآخر کندہ کی عورت طوعہ کے گھر پہنچے۔ ان کے لڑکے بلال اسی ہنگامہ میں باہر گئے

ہوئے تھے، وہ دروازے پر واپسی کا انتظار کر رہی تھی کہ مسلمؓ نے اس سے پانی مانگا، پانی پی کر وہیں بیٹھ گئے۔ عورت نے کہا کہ آپ پانی پی چکے، اب اپنے گھر جایئے، مسلم خاموش رہے۔ اسی طرح تین مرتبہ یہی کہا اور مسلم خاموش رہے، تو پھر اس نے ذرا سختی سے کہا کہ میں آپ کو دروازے پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دوں گی، آپ اپنے گھر جایئے!

اس وقت مسلمؓ نے مجبور ہو کر کہا کہ اس شہر میں نہ میرا کوئی گھر ہے، نہ خاندان، تو کیا تم مجھے پناہ دو گی؟ میں مسلم بن عقیلؓ ہوں، میرے ساتھ میرے ساتھیوں نے دھوکہ کیا۔ عورت کو رحم آ گیا اور مسلم کو اپنے گھر میں داخل کر لیا اور شام کا کھانا پیش کیا، مسلم نے نہ کھایا۔ اسی عرصہ میں عورت کے لڑکے بلال واپس آ گئے، دیکھا کہ ان کی والدہ بار بار کمرے کے اندر جاتی ہیں، بات پوچھی تو عورت نے اپنے لڑکے سے بھی چھپایا۔ اس نے اصرار کیا تو اس شرط پر بتلا دیا کہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے۔ اس طرف ابنِ زیاد نے جب دیکھا کہ لوگوں کا شور و شغب قصر کے گرد نہیں ہے، تو اپنے سپاہی کو بھیجا کہ دیکھو کیا حال ہے؟ اس نے آ کر بیان کیا کہ میدان صاف ہے، کوئی نہیں۔ اس وقت ابنِ زیاد اپنے قصر سے اُتر کر مسجد میں آیا اور منبر کے گرد اپنے خواص کو بٹھلایا، اور اعلان کرایا کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ مسجد بھر گئی تو ابنِ زیاد نے یہ خطبہ دیا:

''ابنِ عقیلؓ بیوقوف جاہل نے جو کچھ کیا وہ تم نے دیکھ لیا، اب ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم جس شخص کے گھر میں ابنِ عقیلؓ کو پائیں گے، ہمارا ذمہ اس سے بری ہے، اور جو کوئی ان کو ہمارے پاس پہنچائے گا اس کو انعام ملے گا۔''

اور اپنی پولیس کے افسر حصین بن نمیر کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں کے دروازوں پر پہرہ لگا دو، کوئی باہر نہ جا سکے، اور پھر سب گھروں کی تلاشی لو۔

اس تلاشی کے درمیان جب اس عورت کے لڑکے بلال نے یہ محسوس کیا کہ بالآخر وہ ہمارے گھر سے گرفتار کیے جائیں گے، تو اس نے خود مخبری کر کے عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کو اس کا پتہ بتلا دیا، اس نے اپنے باپ محمد بن اشعث کو اور اس نے ابنِ زیاد کو اس کی اطلاع کر دی۔ ابنِ زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں ستر سپاہیوں کا ایک دستہ ان کے گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیلؓ کا ستر سپاہیوں سے تنہا مقابلہ

مسلم بن عقیلؓ نے جب ان کی آوازیں سنیں تو تلوار لے کر دروازے پر گئے اور

سب کا مقابلہ کر کے ان کو دروازے سے نکال دیا، وہ لوگ پھر لوٹے تو پھر مقابلہ کیا۔ اس مقابلے میں زخمی ہو گئے، مگر ان کے قابو میں نہ آئے، یہ لوگ چھت پر چڑھ گئے اور پتھر برسانے شروع کئے اور گھر میں آگ لگا دی۔ مسلم بن عقیلؓ ان کے سب حربوں کا تن تنہا دلیرانہ مقابلہ کر رہے تھے کہ محمد بن اشعث نے ان کے قریب ہو کر پکارا کہ:

''میں تمہیں امن دیتا ہوں، اپنی جان کو ہلاک نہ کرو، میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا، یہ لوگ تمہارے چچازاد بھائی ہیں، نہ تمہیں قتل کریں گے نہ ماریں گے۔''

مسلم بن عقیلؓ کی گرفتاری

مسلم بن عقیلؓ تنِ تنہا ستر سپاہیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے زخموں سے چور ہو کر تھک چکے تھے، ایک دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے، ان کو ایک سواری پر سوار کر دیا گیا اور ہتھیار اُن سے لے لئے گئے۔ ہتھیار لینے کے وقت ابنِ عقیلؓ نے کہا کہ یہ پہلی عہد شکنی ہے کہ امن لینے کے بعد ہتھیار چھینے جا رہے ہیں۔ محمد بن اشعث نے کہا کہ نہیں، آپ کوئی فکر نہ کریں، آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ نہ کیا جائے گا۔ ابنِ عقیلؓ نے فرمایا کہ یہ سب محض باتیں ہیں، اور اس وقت ابنِ عقیلؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

محمد بن اشعث کے ساتھیوں میں عمرو بن عبید بھی تھا جو اُن کو امان دینے کا مخالف تھا، اس نے کہا کہ اے مسلم! جو شخص ایسا اقدام کرے جو آپ نے کیا، جب پکڑ لیا جائے تو اس کو رونے کا حق نہیں۔

مسلم بن عقیلؓ کی حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے سے روکنے کی وصیت

ابنِ عقیلؓ نے فرمایا کہ:

''میں اپنی جان کے لئے نہیں روتا، بلکہ میں حسینؓ اور آلِ حسینؓ کی جانوں کے لئے رو رہا ہوں جو میری تحریر پر عنقریب کوفہ پہنچنے والے ہیں اور تمہارے ہاتھوں اسی بلا میں گرفتار ہوں گے، جس میں میں گرفتار ہوں۔''

اس کے بعد محمد بن اشعث سے کہا کہ:

''تم نے مجھے امان دیا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ تم اپنے اس امان سے خود عاجز ہو جاؤ گے، لوگ تمہاری بات نہ مانیں گے اور مجھے قتل کریں گے، تو اب کم از کم تم

میری ایک بات مان لو، وہ یہ ہے کہ ایک آدمی حضرت حسینؓ کے پاس فوراً روانہ کردو جو اُن کو میرے حال کی اطلاع کر کے یہ کہہ دے کہ آپ راستے ہی سے اپنے اہل بیتؓ کو لے کر لوٹ جائیں، کوفہ والوں کے خطوط سے دھوکہ نہ کھائیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کی بے وفائی سے گھبرا کر آپ کے والد اپنی موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔"

محمد بن اشعث نے حلف کے ساتھ اس کا وعدہ کیا کہ میں ایسا کروں گا۔

محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق حضرت حسینؓ کو روکنے کے لئے آدمی بھیجا

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث نے اپنا وعدہ پورا کیا، ایک آدمی کو خط دے کر حضرت حسینؓ کی طرف بھیج دیا۔ حضرت حسینؓ اس وقت مقام زبالہ تک پہنچ چکے تھے، محمد بن اشعث کے قاصد نے یہاں پہنچ کر خط دیا، خط پڑھ کر حضرت حسینؓ نے فرمایا:

"کُلُّ مَا قُدِّرَ نَازِلٌ عِنْدَ اللّٰہِ نَحْتَسِبُ اَنْفُسَنَا وَفَسَادَ اُمَّتِنَا"

جو چیز ہو چکی ہے وہ ہو کر رہے گی، ہم صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی جانوں کا ثواب چاہتے ہیں اور امت کے فساد کی فریاد کرتے ہیں۔ (کامل ابن اثیر ص ۱۴ ج ۴)

الغرض! یہ خط پا کر بھی حضرت حسینؓ نے اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا اور جو عزم کر چکے تھے اس کو لئے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ اُدھر محمد بن اشعث، ابنِ عقیلؓ کو لے کر قصرِ امارت میں داخل ہوئے اور ابنِ زیاد کو اطلاع دی کہ میں ابنِ عقیلؓ کو امان دے کر آپ کے پاس لایا ہوں۔ ابنِ زیاد نے غصہ سے کہا کہ تمہیں امان دینے سے کیا واسطہ! میں نے تمہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا یا امان دینے کے لئے؟ محمد بن اشعث خاموش رہ گئے، ابنِ زیاد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

مسلم بن عقیلؓ کی شہادت اور وصیت

مسلم بن عقیلؓ پہلے ہی سے سمجھے ہوئے تھے کہ محمد بن اشعث کا امن دینا کوئی چیز نہیں، ابنِ زیاد مجھے قتل کرے گا۔ مسلمؓ نے کہا: مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو، ابنِ زیاد نے مہلت دے دی، تو انہوں نے عمرو بن سعد سے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان قرابت ہے اور میں اس قرابت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے جو راز ہے، میں تنہائی میں بتلا سکتا ہوں۔ عمرو بن سعد نے اس کو سننے کی ہمت نہ کی، ابنِ زیاد نے کہا: کچھ مضائقہ

نہیں، تم سن لو۔ اُن کو علیحدہ کر کے مسلم بن عقیلؓ نے کہا کہ کام یہ ہے کہ میرے ذمہ سات سو درہم قرض ہیں جو میں نے کوفہ کے فلاں آدمی سے لئے تھے، وہ میری طرف سے ادا کر دو، دوسرا کام یہ ہے کہ حسینؓ کے پاس ایک آدمی بھیج کر ان کو راستے سے واپس کرا دو۔ عمرو بن سعد نے ابن زیاد سے ان کی وصیت پورا کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے کہا کہ بے شک امین آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا، تم ان کا قرض ادا کر سکتے ہو، باقی رہا حسینؓ کا معاملہ، سو اگر وہ ہمارے مقابلے کے لئے نہ آئیں تو ہم بھی ان کے مقابلے کے لئے نہ جائیں گے، اور اگر وہ آئے تو ہم مقابلہ کریں گے۔

مسلم بن عقیلؓ اور ابن زیاد کا مکالمہ

ابن زیاد نے کہا کہ اے مسلم! تم نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا نظم مستحکم اور کلمہ ایک تھا، سب ایک امام کے تابع تھے، تم نے آ کر ان میں تفرقہ ڈالا، اور لوگوں کو اپنے امیر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔

مسلم بن عقیلؓ نے فرمایا کہ معاملہ یہ نہیں، بلکہ اس شہر کوفہ کے لوگوں نے خطوط لکھے کہ تمہارے باپ نے ان کے نیک اور شریف لوگوں کو قتل کر دیا، ان کے خونِ ناحق بہائے، اور یہاں کے عوام پر کسریٰ و قیصر جیسی حکومت کرنی چاہی، اس لئے ہم اس پر مجبور ہوئے کہ عدل قائم کرنے اور کتاب وسنت کے احکام نافذ کرنے کی طرف لوگوں کو بلائیں اور سمجھائیں۔

اس پر ابن زیاد اور زیادہ برافروختہ ہو کر مسلم بن عقیلؓ کو برا بھلا کہنے لگا، مسلم خاموش ہو گئے۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کو قصرِ امارت کی اوپر کی منزل پر لے جاؤ، اور سر کاٹ کر نیچے پھینک دو۔ مسلم بن عقیلؓ اوپر لے جائے گئے، وہ تسبیح واستغفار پڑھتے ہوئے اوپر پہنچے، اور ابن زیاد کے حکم کے موافق ان کو شہید کر کے نیچے ڈال دیا گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

مسلم بن عقیلؓ کو قتل کرنے کے بعد ہانی بن عروہ کے قتل کرنے کا فیصلہ کیا، ان کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد نے ان دونوں کے سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دیئے۔ یزید نے شکریہ کا خط لکھا، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسینؓ عراق کے قریب پہنچ گئے ہیں، اس لئے جاسوس اور خفیہ رپورٹر پورے شہر میں پھیلا دو، اور جس پر ذرا بھی حسینؓ کی تائید کا شبہ ہو اس کو قید کر لو، مگر سوا اس شخص کے جو تم سے مقاتلہ کرے، کسی کو قتل نہ کرو۔

حضرت حسینؓ کا عزم کوفہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اہل کوفہ کے ڈیڑھ سو خطوط اور بہت سے وفود پہلے پہنچ چکے تھے۔ پھر مسلم بن عقیلؓ نے یہاں کے اٹھارہ ہزار مسلمانوں کی بیعت کی خبر کے ساتھ ان کو کوفہ کے لئے دعوت دے دی، تو حضرت حسینؓ نے کوفہ کا عزم کر لیا۔

جب یہ خبر لوگوں میں مشہور ہوئی تو بجز عبداللہ بن زبیرؓ کے اور کسی نے ان کو کوفہ جانے کا مشورہ نہیں دیا، بلکہ بہت سے حضرات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ مشورہ دیا کہ آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں، اہل عراق و کوفہ کے وعدوں اور بیعتوں پر بھروسہ نہ کریں، وہاں جانے میں آپ کے لئے بڑا خطرہ ہے۔

عمر بن عبدالرحمٰنؒ کا مشورہ

عمر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں یزید کے حکام و امراء موجود ہیں، ان کے پاس بیت المال ہے، اور لوگ عام طور پر درہم و دینار کے پرستار ہیں، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہی لوگ آپ کے مقابلہ پر نہ آ جائیں جنہوں نے آپ سے وعدے کئے اور بلایا ہے اور جن کے قلوب میں بلاشبہ آپ زیادہ محبوب ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہو کر وہ آپ سے مقابلہ کریں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شکریہ کے ساتھ ان کی نصیحت کو سنا اور فرمایا کہ میں آپ کی رائے و مشورہ کا خیال رکھوں گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مشورہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو تشریف لائے، اور فرمایا کہ میں یہ خبریں سن رہا ہوں، ان کی کیا حقیقت ہے؟ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں میں ارادہ کر چکا ہوں، اور آج کل میں جانے والا ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عباسؓ نے فرمایا، بھائی! میں اس سے آپ کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں، خدا کے لئے آپ مجھے یہ بتلائیں کہ آپ کسی ایسی قوم کے لئے جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے اوپر مسلط ہونے والے امیر کو قتل کر دیا ہے، اور وہ لوگ اپنے شہر پر قابض ہو چکے ہیں، اور اپنے دشمن کو

نکال چکے ہیں؟ تو بیشک آپ کو ان کے بلانے پر فوراً چلے جانا چاہئے۔

اگر وہ آپ کو ایسی حالت میں بلا رہے ہیں جبکہ ان کے سروں پر ان کا امیر قائم و موجود ہے اور وہ اس سے مغلوب و متاثر ہیں، اور ان کے حکام زمینوں کا مالیہ وصول کرتے ہیں، تو ان کی یہ دعوت آپ کو ایک سخت جنگ و مقابلہ کی دعوت ہے، اور مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ یہی لوگ آپ کو دھوکا دیں اور مخالفت و مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا، اچھا، میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہوں، پھر جو کچھ سمجھ میں آئے گا عمل کروں گا۔

ابنِ عباسؓ کا دوبارہ تشریف لانا

دوسرے روز ابنِ عباس رضی اللہ عنہ پھر تشریف لائے، اور فرمایا کہ میرے بھائی! میں صبر کرنا چاہتا ہوں، مگر صبر نہیں آتا، مجھے آپ کے اس اقدام سے آپ کی اور آپ کے اہلِ بیتؓ کی ہلاکت کا شدید خطرہ ہے۔ اہلِ عراق عہد شکن بے وفا لوگ ہیں، آپ ان کے پاس نہ جائیے، آپ اسی شہر مکہ میں اقامت کریں، آپ اہلِ حجاز کے مسلم رہنما و سردار ہیں، اور اگر اہلِ عراق آپ سے مزید تقاضا کریں تو آپ ان کو پرکھیں کہ پہلے اپنے امیر و حکام کو اپنے شہر سے نکال دو، پھر مجھے بلاؤ تو میں آجاؤں گا۔

اور اگر آپ کو یہاں سے جانا ہی ہے تو آپ یمن چلے جائیں کہ وہاں بہت سے محفوظ قلعے اور پہاڑیاں ہیں، اور طویل و عریض خطہ ہے، وہاں آپ کے والد کے متبعین بھی بکثرت ہیں، اس طرح آپ لوگوں کے ہنگاموں سے جدا رہ کر بذریعہ خطوط خود حق کی اشاعت و حمایت بعافیت کر سکیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابنِ عباس! میں جانتا ہوں کہ آپ ناصح مشفق ہیں، مگر میں اب عزم کر چکا ہوں، اس کو فسخ کرنے کے لئے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بھائی! اگر آپ جانا طے ہی کر چکے ہیں تو خدا کے لئے اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے، مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ اسی طرح اپنی عورتوں بچوں کے سامنے قتل کئے جائیں، جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے ہیں۔

حضرت حسینؓ کی کوفہ کے لئے روانگی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نزدیک ایک دینی ضرورت سمجھ کر خدا کے لئے عزم

کر چکے تھے، مشورہ دینے والوں نے ان کو خطرات سے آگاہ کیا، مگر مقصد کی اہمیت نے ان کو خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کر دیا، اور ذی الحجہ ۶۰ھ کی تیسری یا آٹھویں تاریخ کو آپ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت یزید کی طرف سے مکہ کا حاکم عمرو بن سعید بن العاص مقرر تھا، اس کو ان کی روانگی کی خبر ملی، تو چند آدمی راستہ پر ان کو روکنے کے لئے بھیجے، حضرت حسینؓ نے واپسی سے انکار فرمایا اور آگے بڑھ گئے۔

فرزدق شاعر کی ملاقات اور حضرت حسینؓ کا ارشاد

راستہ میں فرزدق شاعر عراق کی طرف سے آتا ہوا ملا، حضرت حسینؓ کو دیکھ کر پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ حضرت حسینؓ نے بات کاٹ کر ان سے پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ کہ اہلِ عراق و کوفہ کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟ فرزدق نے کہا کہ اچھا ہوا آپ نے ایک واقف حال تجربہ کار سے بات پوچھی، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ:۔

''اہلِ عراق کے قلوب تو آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں، اور تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو، اور فرمایا:

لِلّٰهِ الْأَمْرُ مَا يَشَاءُ وَكُلَّ يَوْمٍ رَبُّنَا فِي شَأْنٍ، إِنْ نَزَلَ الْقَضَاءُ نُحِبُّ فَنَحْمَدُ اللهَ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ عَلَى أَدَاءِ الشُّكْرِ. وَإِنْ حَالَ الْقَضَاءُ دُوْنَ الرَّجَاءِ فَلَمْ يَعْتَدِ مَنْ كَانَ الْحَقُّ نِيَّتَهُ وَالتَّقْوٰى سَرِيرَتَهُ۔ (کامل ابن اثیر)

''اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں تمام کام، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا رب ہر روز نئی شان میں ہے، اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کریں گے اور ہم شکر کرنے میں بھی اسی کی اعانت طلب کرتے ہیں کہ ادائے شکر کی توفیق دے، اور اگر تقدیرِ الٰہی ہماری مراد میں حائل ہو گئی تو وہ شخص خطا پر نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خوفِ خدا ہو۔''

عبداللہ ابنِ جعفرؓ کا خط (واپسی کا مشورہ)

عبداللہ ابنِ جعفر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حسینؓ کی روانگی کی خبر پائی تو ایک

خط لکھ کر اپنے بیٹوں کے ہاتھ روانہ کیا کہ تیزی سے پہنچیں، اور راستہ میں حضرت حسینؓ کو دے دیں، خط کا مضمون یہ تھا:

"میں خدا کے لئے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میرا خط پڑھتے ہی مکہ کی طرف لوٹ آئیں، میں محض خیر خواہانہ عرض کر رہا ہوں، مجھے آپ کی ہلاکت کا خطرہ ہے، اور خوف ہے کہ آپ کے سب اہل بیت اور اصحاب کو ختم کر دیا جائے، اور اگر خدانخواستہ آپ آج ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا کیونکہ آپ مسلمانوں کے پیشوا اور ان کی آخری امید ہیں، آپ چلنے میں جلدی نہ کریں، اس خط کے پیچھے میں خود بھی آ رہا ہوں، میرا انتظار فرمائیں۔ والسلام" (ابن اثیر)

یہ خط لکھ کر عبداللہ بن جعفرؓ نے پہلے یہ کام کیا کہ یزید کی طرف سے والیِ مکہ عمرو بن سعید کے پاس تشریف لے گئے، اور اس سے کہا کہ آپ حضرت حسینؓ کے لئے ایک پروانہ امان کا لکھ دیں، اور ان سے اس کا بھی وعدہ تحریری دے دیں کہ اگر وہ واپس آ جائیں تو ان کے ساتھ مکہ میں اچھا سلوک کیا جائے گا۔ عامل مکہ عمرو بن سعید نے پروانہ لکھ دیا، اور عبداللہ بن جعفرؓ کے ساتھ اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو بھی حضرت حسینؓ کی طرف بھیجا۔

یہ دونوں راستہ میں جا کر حضرت حسینؓ سے ملے، اور عمرو بن سعید کا خط ان کو سنایا، اور اس کی کوشش کی کہ لوٹ جائیں، اس وقت حضرت حسینؓ نے ان کے سامنے اپنے اس عزم کی ایک وجہ بیان کی۔

حضرت حسینؓ کا خواب اور ان کے عزمِ مصمم کی ایک وجہ

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے اور مجھے آپ کی طرف سے ایک حکم دیا گیا ہے، میں اس حکم کی بجا آوری کے لئے جا رہا ہوں خواہ مجھ پر کچھ بھی گزر جائے۔

انہوں نے پوچھا کہ وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا کہ آج تک میں نے وہ خواب کسی سے بیان کیا ہے نہ کروں گا، یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار سے مل لوں۔ (کامل ابن اثیر، ص ۱، ج ۴)

بالآخر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی جان اور اولاد کے خطرات اور ان سب حضرات کے خیر خواہانہ مشوروں نے بھی ان کے عزمِ مصمم میں کوئی کمزوری پیدا نہ کی اور وہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابنِ زیاد حاکمِ کوفہ کی طرف سے حسینؓ کے مقابلہ کی تیاری

ابنِ زیاد جو کوفہ پر اسی لئے حاکم مقرر کیا گیا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں سخت سمجھا گیا، اس کو جب حضرت حسینؓ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی پولیس کے افسر حصین بن نمیر کو آگے بھیجا کہ قادسیہ پہنچ کر مقابلہ کی تیاری کرے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مقام حاجر پر پہنچے، تو اہلِ کوفہ کے نام ایک خط لکھ کر قیس بن مسہر کے ہاتھ روانہ کیا، خط میں اپنے آنے کی اطلاع اور جس کام کے لئے ان کو اہلِ کوفہ نے بلایا تھا اس میں پوری کوشش کرنے کی ہدایت تھی۔

کوفہ والوں کے نام حضرت حسینؓ کا خط اور قاصد کی دلیرانہ شہادت

قیس جب یہ خط لے کر قادسیہ تک پہنچے، تو یہاں ابنِ زیاد کی پولیس کے انتظامات تھے، ان کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابنِ زیاد نے ان کو حکم دیا کہ قصرِ امارت کی چھت پر چڑھ کر (معاذ اللہ) حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور لعن وطعن کریں۔

قیس چھت پر چڑھ گئے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد بآوازِ بلند کہا کہ:

''اے اہلِ کوفہ! حسینؓ بن علیؓ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؓ کے صاحبزادے ہیں اور اس وقت خلقُ اللہ میں سب سے بہتر ہیں، میں تمہاری طرف ان کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں، تم ان کا استقبال کرو۔''

اس کے بعد ابنِ زیاد کو برا بھلا کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔

ابنِ زیاد ان کی دلیری اور جانبازی پر حیران رہ گیا، حکم دیا کہ ان کو قصر کی بلندی سے نیچے پھینک دیا جائے۔ ظالموں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، قیس نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

راہ میں عبداللہ ابنِ مطیع سے ملاقات اور ان کا واپسی کے لئے اصرار

حضرت حسینؓ کوفہ کی طرف بڑھ رہے تھے، راستہ میں ایک پڑاؤ پر اچانک عبداللہ ابنِ مطیع سے ملاقات ہو گئی، حضرت حسینؓ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ کہاں جا رہے ہیں اور کیا مقصد ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ بتلایا۔ عبداللہؓ نے الحاح وزاری سے عرض کیا کہ:

"اے ابنِ رسول اللہ! میں تمہیں اللہ کا اور حرمت اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ اس ارادہ سے رک جائیں، میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، اور حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتا ہوں، کہ اگر آپ بنی امیہ سے ان کے اقتدار کو لینا چاہیں گے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے، اور اگر خدانخواستہ انہوں نے آپ کو قتل کر ڈالا، تو پھر دنیا میں کوئی ایسا نہ رہے گا جس سے ان کو کوئی خوف ہو۔ بخدا! آپ کی بقا کے ساتھ اسلام کی اور قریش کی اور پورے عرب کی حرمت وعزت وابستہ ہے، آپ ایسا ہرگز نہ کریں، اور کوفہ نہ جائیں، اپنی جان کو بنی امیہ کے حوالے نہ کریں۔" (ابنِ اثیر)

مگر حضرت حسینؓ نے اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا، اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسلم بن عقیلؓ کے قتل کی خبر پا کر حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کا مشورہ

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مسلم بن عقیلؓ نے محمد بن اشعث سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کے حالات کی اطلاع حضرت حسینؓ کو پہنچا کر ان کو راستہ سے واپس کرا دیں، اور محمد ابنِ اشعث نے وعدہ کے مطابق آدمی بھیج کر اس کی اطلاع کرائی۔ یہ خط اور پھر ان کے قتل کی اطلاع دوسرے ذرائع سے حضرت حسینؓ کو مقامِ ثعلبیہ میں پہنچ کر ملی۔ یہ خبر سن کر حضرت حسینؓ کے بعض ساتھیوں نے بھی ان سے باصرار عرض کیا کہ خدا کے لئے آپ اب یہیں سے لوٹ جائیں، کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں، بلکہ ہمیں قوی اندیشہ ہے کہ کوفہ کے یہی لوگ جنہوں نے دعوت دی تھی آپ کے مقابلہ پر آجائیں گے۔

مسلم بن عقیلؓ کے عزیزوں کا جوشِ انتقام

مگر یہ بات سن کر بنو عقیل سب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ واللہ! ہم مسلم بن عقیلؓ کا قصاص لیں گے، یا انہی کی طرح اپنی جان دے دیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اب یہ تو سمجھ چکے تھے کہ کوفہ میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں، اور نہ اس دینی مقصد کا اب کوئی امکان ہے جس کے لئے یہ آہنی عزم لے کر چلے تھے، لیکن بنو عقیل کے اس اصرار اور مسلم بن عقیلؓ کے تازہ صدمہ سے متاثر ہو کر فرمایا کہ اب ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں۔ ساتھیوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ آپ مسلم بن عقیلؓ نہیں، آپ کی شان کچھ اور ہے، ہمیں امید ہے کہ جب اہلِ کوفہ آپ کو دیکھیں گے تو آپ کے ساتھ ہو جائیں گے، یہاں تک کہ

پھر آگے بڑھنا طے کر کے سفر کیا گیا اور مقام زُبالہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

راستہ میں جس مقام پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا گزر ہوتا اور ان کا قصد معلوم ہوتا تھا، ہر مقام سے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے، یہاں بھی کچھ لوگ ساتھ ہو لئے۔

مقام زبالہ پر پہنچ کر یہ خبر ملی کہ آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن لقیط، جن کو راستہ سے مسلم بن عقیلؓ کی طرف بھیجا تھا، وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔

حضرت حسینؓ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو واپسی کی اجازت

یہ خبریں پانے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اہلِ کوفہ نے ہمیں دھوکا دیا، اور ہمارے متبعین ہم سے پھر گئے، اب جس کا جی چاہے واپس ہو جائے، میں کسی کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔

اس اعلان کے ساتھ راستہ سے ساتھ ہونے والے بدوی لوگ سب دائیں بائیں چل دیئے، اور اب حضرت حسینؓ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ان کے ساتھ آئے تھے۔

یہاں سے روانہ ہو کر مقام عقبہ پر پہنچے، تو ایک عرب ملے اور کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ لوٹ جائیں، آپ نیزوں، بھالوں اور تلواروں کی طرف جا رہے ہیں، جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے اگر وہ خود اپنے دشمنوں سے نمٹتے، اور ان کو اپنے شہر سے نکال کر آپ کو بلاتے تو وہاں جانا ایک صحیح رائے ہوتی، لیکن اس حال میں کسی طرح آپ کا جانا مناسب نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جو کہہ رہے ہو مجھ پر بھی پوشیدہ نہیں، لیکن تقدیرِ الٰہی پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

ابنِ زیاد کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار لشکر لے کر پہنچ گئے

حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی چل رہے تھے، کہ دوپہر کے وقت دور سے کچھ چیزیں حرکت کرتی نظر آئیں، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ گھوڑے سوار فوج ہے، یہ دیکھ کر حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے ایک پہاڑی کے قریب پہنچ کر محاذ جنگ بنایا۔

یہ حضرات محاذ کی تیاری میں مصروف ہی تھے، کہ ایک ہزار گھوڑے سوار فوج حُر بن یزید کی قیادت میں مقابلہ پر آگئی، اور ان کے مقابلہ پر آکر پڑاؤ ڈال دیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ سب لوگ خوب پانی پی کر اور گھوڑوں کو پلا کر سیراب ہو جاؤ۔ حُر بن یزید کو حصین بن نمیر نے ایک ہزار سواروں کی فوج دے کر قادسیہ سے بھیجا تھا، یہ اور اس کا لشکر آ کر حضرت حسینؓ کے مقابل ٹھہر گئے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔

دشمن کی فوج نے بھی حضرت حسینؓ کے پیچھے نماز ادا کی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا، اور سب نماز کے لئے جمع ہو گئے، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فریق مقابل کو سنانے کے لئے ایک تقریر فرمائی، جس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اور تمہارے سامنے یہ عذر رکھتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک یہاں آنے کا ارادہ نہیں کیا جب تک تمہارے بے شمار خطوط اور وفود میرے پاس نہیں پہنچے جن میں بیان کیا گیا تھا کہ اس وقت تک ہمارا کوئی امام اور امیر نہیں، آپ آ جائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا دیں گے۔ میں تمہارے بلانے پر آ گیا، اب اگر تم اپنے وعدوں اور عہدوں پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر کوفہ میں جاتا ہوں، اور اگر اب تمہاری رائے بدل گئی ہے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا تھا وہیں واپس چلا جاتا ہوں۔''

تقریر سن کر سب خاموش رہے، حضرت حسینؓ نے مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا اور حُر بن یزید سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھو گے یا ہمارے ساتھ؟ حُر نے کہا کہ نہیں، آپ ہی نماز پڑھائیں، ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حضرت حسینؓ نے نماز ظہر پڑھائی، اور پھر اپنی جگہ تشریف لے گئے، حُر بن یزید بھی اپنی جگہ چلے گئے۔

اس کے بعد نماز عصر کا وقت آیا تو پھر حضرت حسینؓ نے نماز پڑھائی اور سب شریک جماعت ہوئے۔ عصر کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا۔

میدانِ جنگ میں حضرت حسینؓ کا دوسرا خطبہ

خطبہ میں حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور اہلِ حق کا حق پہچانو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا

کا سبب ہوگا، ہم اہل بیت اس خلافت کے لئے ان لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں جو حق کے خلاف اس کا دعویٰ کرتے ہیں، اور تم پر ظلم و جور کی حکومت کرتے ہیں، اور اگر تم ہمیں ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے جاہل ہو، اور اب تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں لکھی تھی اور تمہارے قاصدوں نے مجھ تک پہنچائی تھی تو میں لوٹ جاتا ہوں۔'' (کامل ابن اثیر ص ۱۹ ج ۴)

اس وقت حُر بن یزید نے کہا کہ ہمیں ان خطوط اور وفود کی کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں اور کس نے لکھے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دو تھیلے خطوط سے بھرے ہوئے نکالے، اور ان کو ان لوگوں کے سامنے انڈیل دیا۔ حُر نے کہا کہ بہرحال ہم ان خطوط کے لکھنے والے نہیں ہیں، اور ہمیں امیر کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ پہنچا دیں۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ اس سے تو موت بہتر ہے۔

اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں اور واپس لوٹ جائیں، مگر اب حُر بن یزید نے اس ارادہ سے روکا، تو حضرت حسینؓ کی زبان سے نکلا ''تمہاری ماں تمہیں روئے، تم کیا چاہتے ہو؟'' حُر بن یزید نے کہا کہ بخدا! اگر تمہارے سوا کوئی دوسرا آدمی میری ماں کا نام لیتا تو میں اسے بتا دیتا اور اس کی ماں کا اسی طرح ذکر کرتا، لیکن تمہاری ماں کو برائی کے ساتھ ذکر کرنا کسی کی قدرت میں نہیں۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ حُر بن یزید نے کہا کہ ارادہ یہ ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دوں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، حُر نے کہا کہ تو پھر میں بخدا آپ کو نہ چھوڑوں گا۔ کچھ دیر تک یہی رد و کد ہوتی رہی۔

حُر بن یزید کا اعترافِ حق

پھر حُر نے کہا کہ مجھے آپ سے قتال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حکم یہ ہے کہ میں آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں، اس لئے آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ، یہاں تک کہ میں ابن زیاد کو خط لکھوں، اور آپ بھی یزید کو یا ابن زیاد کو لکھیں، شاید اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی ایسی سبیل پیدا کر دے کہ میں آپ کے مقاتلہ اور آپ کی ایذا سے بچ جاؤں۔

اس لئے حضرت حسینؓ نے عذیب اور قادسیہ کے راستہ سے بائیں جانب چلنا شروع کر دیا، اور حُرمع اپنے لشکر کے ان کے ساتھ چلتا رہا، اسی اثنا میں حضرت حسینؓ نے پھر ایک خطبہ دیا، جس میں حمد وثنا کے بعد فرمایا:

حضرت حسینؓ کا تیسرا خطبہ

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کو حلال سمجھے اور اللہ کے عہد کو توڑ دے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے، اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور ظلم وعدوان کا معاملہ کرے، اور یہ شخص اس کے ایسے افعال واعمال دیکھنے کے باوجود کسی قول یا فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو بھی اسی ظالم بادشاہ کے ساتھ اسی کے مقام (دوزخ) میں پہنچا دے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید اور اس کے امراء وحکام نے شیطان کی پیروی کو اختیار کر رکھا ہے، اور رحمان کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلا دیا، حدودِ الٰہیہ کو معطل کر دیا، اسلامی بیت المال کو اپنی ملک سمجھ لیا، اللہ کے حرام کو حلال کر ڈالا اور حلال کو حرام ٹھہرا دیا، اور میں دوسروں سے زیادہ حق دار ہوں، اور میرے پاس تمہارے خطوط اور وفود تمہاری بیعت کا پیغام لے کر پہنچے ہیں، اور یہ کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑو گے، اور میری جان کو اپنی جانوں کے برابر سمجھو گے۔

اب اگر تم اپنی بیعت پر قائم ہو تو تم ہدایت پاؤ گے، میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر فاطمہؓ کا بیٹا ہوں، میری جان آپ لوگوں کی جانوں کے ساتھ اور میرے اہلِ وعیال آپ لوگوں کے اہلِ وعیال کے ساتھ، تم لوگوں کو میرا اتباع کرنی چاہئے۔

اور اگر تم ایسا نہیں کرتے بلکہ میری بیعت کو توڑتے ہو اور میرے عہد سے پھر جاتے ہو تو وہ تم لوگوں سے کچھ بعید نہیں، کیونکہ یہی کام تم میرے باپ علیؓ اور بھائی حضرت حسنؓ اور چچازاد بھائی مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ کر چکے ہو۔

اور وہ آدمی بڑا فریب میں ہے جو تمہارے عہد و پیمان سے دھوکہ کھائے، سو تم نے خود اپنا آخرت کا حصہ ضائع کر دیا، اور اپنے حق میں ظلم کیا، جو شخص بیعت کر کے توڑتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے، اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے مستغنی فرما دیں، والسلام۔ (کامل ابنِ اثیر)

حُر بن یزید نے خطبہ سن کر کہا کہ میں آپ کو اپنی جان کے بارے میں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیونکہ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ اگر آپ قتال کریں گے تو قتل کئے جائیں گے۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو موت سے ڈرانا چاہتے ہو؟ جو میں کہہ رہا ہوں، اس پر توجہ نہیں دیتے؟ میں آپ کے جواب میں صرف وہی کہہ سکتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی امداد کے لئے نکلنے والے ایک صحابی نے اپنے بھائی کی نصیحت کے جواب میں کہا تھا۔ بھائی نے اس سے کہا کہ تم کہاں جاتے ہو، قتل کر دیئے جاؤ گے؟ تو اس صحابی نے جواب میں یہ شعر پڑھے:

سَأَمْضِیْ وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی الْفَتٰی ... إِذَا مَا نَوٰی خَیْرًا وَجَاهَدَ مُسْلِمًا

فَإِنْ عِشْتُ لَمْ أَنْدَمْ وَإِنْ مِتُّ لَمْ أُلَمْ ... كَفٰی بِكَ ذُلًّا أَنْ تَعِیْشَ وَتُرْغَمَا

یعنی میں اپنے ارادہ کو پورا کروں گا اور موت میں کسی جوان کے لئے کوئی عار نہیں، جب کہ اس کی نیت خیر ہو اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو۔ پھر اگر میں زندہ رہ گیا تو نادم نہ ہوں گا، اور اگر مر گیا تو قابلِ ملامت نہ ہوں گا، اور تمہارے لئے اس سے بڑی ذلت کیا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر زندہ رہو۔

حُر بن یزید کچھ تو پہلے سے اہلِ بیت کا احترام دل میں رکھتا تھا، کچھ خطبوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ یہ کلام سن کر ان سے علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

طرماح بن عدی کا معرکہ میں پہنچنا

اسی حال میں چار آدمی کوفہ سے حضرت حسینؓ کے مددگار پہنچے، جن کا سردار طرماح بن عدی تھا۔ حُر بن یزید نے چاہا کہ انہیں گرفتار کر لے یا واپس کر دے، مگر حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ یہ میرے مددگار اور رفیق ہیں، میں ان کی ایسی ہی حفاظت کروں گا جیسے اپنی جان کی کرتا ہوں۔ حُر بن یزید نے ان کو آنے کی اجازت دے دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کوفہ کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے بتایا کہ کوفہ کے جتنے سردار تھے ان سب کو بڑی بڑی رشوتیں دے دی گئیں اور ان کے تھیلے بھر دیئے گئے، اب وہ سب آپ کے مخالف ہیں۔ البتہ عوام کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں، مگر اس کے باوجود جب مقابلہ ہوگا تو تلواریں ان کی بھی آپ کے مقابلہ پر آئیں گی۔

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی جب حسینؓ کے ساتھیوں میں آکر شامل ہوئے تو آپؓ سے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ساتھ تو کوئی قوت اور جماعت نہیں، اگر آپ کے قتال کے لئے حُر بن یزید کے موجودہ لشکر کے سوا کوئی بھی نہ آئے تب بھی آپ ان پر غالب نہیں آسکتے۔ اور میں تو کوفہ سے نکلنے سے پہلے کوفہ کے سامنے آپ کے مقابلہ پر آنے والا اتنا بڑا لشکر دیکھ چکا ہوں جو اس سے پہلے کبھی میری آنکھ نے نہ دیکھا تھا۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ایک بالشت بھی ان کی طرف نہ بڑھیں، آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو اپنے پہاڑ آجا میں ٹھہرا دوں گا جو نہایت محفوظ قلعہ جیسا ہے۔ ہم نے ملوکِ غسان اور ضیر اور نعمان بن منذر کے مقابلہ میں اسی پہاڑ میں پناہ لی اور ہمیشہ کامیاب ہوئے، آپ یہاں جا کر مقیم ہو جائیں، پھر آجا اور سلمیٰ دونوں پہاڑوں پر بسنے والے قبیلۂ طے کے لوگوں کو بلائیں، بخدا دس دن نہ گزریں گے کہ اس قبیلے کے لوگ پیادہ اور سوار آپ کی مدد کے لئے آجائیں گے، اس وقت اگر آپ کی رائے مقابلہ ہی کی ہو تو میں آپ کے لئے بیس ہزار بہادر سپاہیوں کا ذمہ لیتا ہوں جو آپ کے سامنے اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے، اور جب تک ان میں کسی ایک کی آنکھ بھی کھلی رہے گی، کسی کی مجال نہیں کہ آپ تک پہنچ سکے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی قوم کو جزائے خیر عطا فرمائے، مگر ہمارے اور حُر بن یزید کے درمیان ایک بات ہو چکی ہے، اب ہم اس کے پابند ہیں، اس کے ساتھ کہیں جا نہیں سکتے اور ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ طرماح بن عدی رخصت ہو گئے اور اپنے ساتھ سامانِ رسد لے کر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے، اور پھر آئے بھی، مگر راستے میں حضرت حسینؓ کی شہادت کی غلط خبر سن کر لوٹ گئے۔

حضرت حسینؓ کا خواب

اس طرف حضرت حسینؓ چلتے رہے اور نصرِ بنی مقاتل تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ کو ذرا غنودگی ہوئی تو "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کہتے ہوئے بیدار ہوئے، آپ کے صاحبزادے علی اکبرؓ نے سنا تو گھبرا کر سامنے آئے اور پوچھا: "ابا جان! کیا بات ہے؟" آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی گھڑسوار میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ کچھ لوگ چل رہے ہیں اور ان

کی موتیں ان کے ساتھ چل رہی ہیں، اس سے میں سمجھا کہ یہ ہماری موت ہی کی خبر ہے۔

علی اکبرؓ کا مؤمنانہ ثباتِ قدم

صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ''ابا جان! کیا ہم حق پر نہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کی طرف سب بندگانِ خدا کا رجوع ہے کہ بلاشبہ ہم حق پر ہیں''، صاحبزادہ نے عرض کیا: ''پھر ہمیں کیا ڈر ہے جب کہ ہم حق پر مر رہے ہیں؟''، حضرت حسینؓ نے ان کو شاباش دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے، تم نے اپنے باپ کا صحیح حق ادا کیا۔

اس کے بعد حضرت حسینؓ پھر روانہ ہوئے، مقامِ نینویٰ تک پہنچے تو ایک سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا نظر آیا۔ یہ سب اس کے انتظار میں رک گئے، اس نے آکر حُر بن یزید کو سلام کیا، حضرت حسینؓ کو سلام بھی نہ کیا، اور حُر کو ابنِ زیاد کا ایک خط پہنچایا، جس میں لکھا تھا کہ:

''جس وقت تمہیں میرا یہ خط ملے، تم حسینؓ پر میدان تنگ کردو اور ان کو کھلے میدان کے سوا کسی پناہ کی جگہ میں نہ اترنے دو، اور ایسے میدان کی طرف لے جاؤ جہاں پانی نہ ہو، اور میں نے اپنے اس قاصد کو حکم دیا ہے کہ جب تک میرے اس حکم کی تعمیل نہ کردو گے، تمہارے ساتھ رہے گا۔''

یہ خط پڑھ کر حُر نے اس کا مضمون حضرت حسینؓ کو سنا دیا اور اپنی مجبوری ظاہر کی کہ اس وقت میرے سر پر جاسوس مسلط ہیں، میں کوئی مصالحت نہیں کرسکتا۔

اصحابِ حسینؓ کا ارادۂ قتال اور حسینؓ کا جواب کہ میں قتال میں پہل نہ کروں گا

اس وقت حضرت حسینؓ کے ساتھیوں میں سے زہیر بن القینؓ نے عرض کیا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہر آنے والی گھڑی مشکلات میں اضافہ کررہی ہے، اور ہمارے لئے موجودہ لشکر سے قتال کرنا آسان ہے بہ نسبت اس کے جو اس کے بعد آئے گا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں قتال میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔ زہیر بن القینؓ نے عرض کیا کہ آپ قتال کی ابتدا نہ کریں، بلکہ ہمیں اس بستی میں لے جائیں جو حفاظت کی جگہ ہے اور دریائے فرات کے کنارہ پر ہے۔ اس پر اگر یہ لوگ ہمیں وہاں جانے سے روکیں تو ہم قتال کریں گے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون سی بستی ہے؟ کہا گیا کہ عقر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں عقر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، عقر کے لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔

عمر بن سعد چار ہزار کا مزید لشکر لے کر مقابلہ پر پہنچ گیا

ابھی یہ حضرات اسی گفتگو میں تھے کہ ابنِ زیاد نے عمر بن سعد کو مجبور کر کے چار ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ عمر بن سعد نے ہر چند چاہا کہ اس کو حضرت حسینؓ کے مقابلہ کی مصیبت سے نجات مل جائے، مگر ابنِ زیاد نے کوئی بات نہ سنی اور ان کو مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ عمر بن سعد یہاں پہنچا تو حضرت حسینؓ سے کوفہ آنے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے پورا واقعہ بتلایا، اور یہ کہ میں اہلِ کوفہ کا بلایا ہوا آیا ہوں، اگر اب بھی ان کی رائے بدل گئی ہے تو واپس جانے کے لئے تیار ہوں۔ عمر بن سعد نے ابنِ زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا کہ حسینؓ واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت حسینؓ کا پانی بند کر دینے کا حکم

ابنِ زیاد نے جواب دیا کہ حسینؓ کے سامنے صرف ایک بات رکھو کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں، جب وہ ایسا کر لیں تو پھر ہم غور کریں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اور عمر کو حکم دیا کہ حسینؓ اور ان کے رفقا پر پانی بالکل بند کر دو۔ یہ واقعہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے تین روز پہلے کا ہے۔ ان حضرات پر پانی بالکل بند کر دیا گیا، یہاں تک کہ جب یہ سب حضرات پیاس سے پریشان ہو گئے، تو حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی عباس بن علیؓ کو تیس سوار اور تیس پیادوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے بھیج دیا۔ پانی لانے میں عمر بن سعد کی فوج سے مقابلہ بھی ہوا، مگر بالآخر وہ بیس مشکیں پانی کی بھر لائے۔

حضرت حسینؓ اور عمر بن سعد کی ملاقات اور مکالمہ

اس کے بعد حضرت حسینؓ نے عمر بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو ہماری ملاقات اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہو جانی چاہئے تاکہ ہم سب کے سامنے گفتگو کریں۔ عمر بن سعد اس پیام کے مطابق رات کو ملے۔

حضرت حسینؓ کا ارشاد کہ تین باتوں میں سے کوئی اختیار کر لو

حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ ہمارے بارے میں آپ تین صورتوں میں سے کوئی اختیار کر لیں:

۱۔ میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں واپس چلا جاؤں۔

۲۔ یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں اور خود اس سے اپنا معاملہ طے کروں۔

۳۔ یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر پہنچادو، جو حال وہاں کے عام لوگوں کا ہوگا میں اسی میں بسر کروں گا۔

بعض لوگوں نے آخری دو صورتوں کا انکار کیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے یہ دو صورتیں پیش نہیں فرمائیں۔

عمر بن سعد نے حضرت حسینؓ کی یہ تقریر سن کر پھر ابنِ زیاد کو خط لکھا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھا دی اور مسلمانوں کا کلمہ متفق کر دیا۔ مجھے حضرت حسینؓ نے تین صورتوں کا اختیار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں آپ کا مقصد پورا ہوتا ہے اور امت کی اس میں صلاح وفلاح ہے۔''

ابنِ زیاد کا ان شرطوں کو قبول کرنا اور شمر کی مخالفت

ابنِ زیاد بھی عمر بن سعد کے اس خط سے متاثر ہوا اور کہا کہ یہ خط ایک ایسے شخص کا ہے جو امیر کی اطاعت بھی چاہتا ہے اور اپنی قوم کی عافیت کا بھی خواہشمند ہے، ہم نے اس کو قبول کرلیا۔

شمر ذی الجوشن نے کہا کہ کیا آپ حسینؓ کو مہلت دینا چاہتے ہیں کہ وہ قوت حاصل کر کے پھر تمہارے مقابلہ پر آئے؟ وہ اگر آج تمہارے ہاتھ سے نکل گئے، تو پھر کبھی تم ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ مجھے اس میں عمر بن سعد کی سازش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ راتوں کو آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ ہاں! آپ حسینؓ کو اس پر مجبور کریں کہ وہ آپ کے پاس آجائیں، پھر آپ چاہیں سزا دیں چاہیں معاف کریں۔

ابنِ زیاد نے شمر کی رائے قبول کر کے عمر بن سعد کو اسی مضمون کا خط اور خود شمر ذی الجوشن ہی کے ہاتھ عمر بن سعد کے پاس بھیجا، اور یہ ہدایت کر دی کہ اگر عمر بن سعد اس حکم کی تعمیل فوراً نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی جگہ تم خود لشکر کے امیر ہو۔

ابنِ زیاد کا خط عمر بن سعد کے نام

''اما بعد! میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ تم جنگ سے بچو، یا ان کو

مہلت دو، یا ان کی سفارش کرو۔ اگر حسینؓ اور ان کے ساتھی میرے حکم پر صلح کرنا اور میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو ان کو صحیح سالم یہاں پہنچا دو، ورنہ ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ ان کو قتل کرو، مثلہ کرو، کیوں کہ وہ اس کے مستحق ہیں۔ پھر قتل کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روند ڈالو۔ اگر تم نے ہمارے اس حکم کی تعمیل کی تو تم کو ایک فرمانبردار کی طرح انعام ملے گا، اور اگر اس کی تعمیل نہیں کرتے تو ہمارے لشکر کو فوراً چھوڑ دو اور چارج شمر کے سپرد کر دو۔ والسلام"۔

شمر یہ حکم اور خط لے کر روانہ ہونے لگا، تو اس کو خیال آیا کہ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں میں اس کے پھوپھی زاد بھائی عباسؓ، عبداللہ، جعفر اور عثمان بھی ہیں، ابنِ زیاد سے ان چاروں کے لئے امان حاصل کیا اور روانہ ہو گیا۔ شمر نے یہ پروانۂ امان کسی قاصد کے ہاتھ ان چاروں بزرگوں کے پاس بھیج دیا، یہ پروانہ دیکھ کر وہ یک زبان ہو کر بولے کہ:

"ہمیں امان دیا جاتا ہے اور ابنِ رسول اللہ کو امن نہیں دیا جاتا، ہمیں تمہارے امان کی حاجت نہیں، اللہ کا امان تمہارے امان سے بہتر ہے، تجھ پر لعنت ہے اور تیرے امان پر بھی"۔

شمر یہ خط لے کر جب عمر بن سعد کے پاس پہنچا تو وہ سمجھ گئے کہ شمر کے مشورہ سے یہ صورت عمل میں آئی ہے اور میرا مشورہ رد کر دیا گیا۔ اس کو کہا کہ تم نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا کلمہ متفق ہو رہا تھا، اس کو ختم کر کے قتل و قتال کا بازار گرم کر دیا۔ بالآخر حضرت حسینؓ کو یہ پیام پہنچایا، آپؓ نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرما دیا کہ اس ذلت سے موت بہتر ہے۔

حضرت حسینؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

شمر ذی الجوشن اس محاذ پر محرم کی نویں تاریخ کو پہنچا تھا۔ حضرت امام حسینؓ اس وقت اپنے خیمے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، اسی حالت میں کچھ اونگھ آ کر آنکھ بند ہو گئی اور پھر ایک آواز کے ساتھ بیدار ہو گئے۔ آپ کی ہمشیرہ زینبؓ نے یہ آواز سنی تو دوڑی آئیں اور وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، فرمایا کہ تم اب ہمارے پاس آنے والے ہو۔

ہمشیرہ یہ سن کر رو پڑیں، حضرت حسینؓ نے تسلی دی۔ اسی حالت میں شمر کا لشکر سامنے آ گیا۔ آپ کے بھائی عباسؓ آگے بڑھے اور حریفِ مقابل سے گفتگو ہوئی، اس نے

بلامہلت قتال کا اعلان سنایا۔ عباسؓ نے آکر حضرت حسینؓ کو اطلاع دی۔

حضرت حسینؓ نے ایک رات عبادت گزاری کے لئے مہلت مانگی

حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ آج کی رات قتال ملتوی کردو، تاکہ میں آج کی رات میں وصیت اور نماز و دعا اور استغفار کرسکوں۔ شمر اور عمر بن سعد نے اور لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد مہلت دے دی اور واپس ہوگئے۔

حضرت حسینؓ کی تقریر اہلِ بیت کے سامنے

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہلِ بیت اور اصحاب کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی۔ یااللہ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافتِ نبوت سے نوازا، اور ہمیں کان، آنکھ اور دل دیئے جن سے ہم آپ کی آیات سمجھیں، اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ ہمیں آپ اپنے شکرگزار بندوں میں داخل فرمالیجئے۔''

اس کے بعد فرمایا کہ:

''میرے علم میں آج کسی شخص کے ساتھی ایسے وفا شعار، نیکوکار نہیں ہیں جیسے میرے ساتھی، اور نہ کسی کے اہلِ بیت میرے اہلِ بیت سے زیادہ ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کل ہمارا آخری دن ہے۔ میں آپ سب کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ سب اس رات کی تاریکی میں متفرق ہوجاؤ اور جہاں پناہ ملے چلے جاؤ، اور میرے اہلِ بیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑو اور مختلف علاقوں میں پھیل جاؤ، کیوں کہ دشمن میرا طلبگار ہے، وہ مجھے پائے گا تو دوسروں کی طرف التفات نہ کرے گا۔''

یہ تقریر سن کر آپ کے بھائی اور اولاد اور بھائیوں کی اولاد اور عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے یک زبان ہوکر بولے کہ ''واللہ! ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کے بعد باقی نہ رکھے۔''

پھر بنو عقیل کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے ایک بزرگ مسلم بن عقیلؓ شہید ہوچکے

ہیں، وہی کافی ہیں، تم سب واپس ہو جاؤ، میں تمہیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: ''ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے کہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کو موت کے سامنے چھوڑ کر اپنی جان بچا لائے؟ بلکہ واللہ! ہم آپ پر اپنی جانیں، اولاد اور اموال قربان کر دیں گے۔''

مسلم بن عوسجہ نے اسی طرح کی ایک جوشیلی تقریر کی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے، میں آپ کے سامنے قتال کرتا ہوا جان دے دوں گا۔

حضرت حسینؓ کی وصیت اپنی ہمشیرہ اور اہلِ بیت کو

''میری بہن! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت پر تم کپڑے پھاڑنا یا سینہ کوبی وغیرہ ہرگز نہ کرنا، آواز سے رونے چلانے سے بچنا۔'' (۱)

یہ وصیت فرما کر باہر آگئے اور اپنے اصحاب کو جمع کر کے تمام شب تہجد اور دعا و استغفار میں مشغول رہے۔ یہ عاشوراء کی رات تھی۔ صبح کو یومِ عاشوراء، روزِ جمعہ، اور ایک روایت کے موافق روزِ شنبہ تھا۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی عمر بن سعد لشکر لے کر سامنے آگیا۔ حضرت حسینؓ کے ساتھ اس وقت کل بہتر (۷۲) اصحاب تھے، بتیس سوار اور چالیس پیادہ۔ آپ نے بھی مقابلہ کے لئے اپنے اصحاب کی صف بندی فرمائی۔

حُر بن یزید حضرت حسینؓ کے ساتھ

عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو چار حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک حصہ کا ایک امیر بنایا تھا۔ ان میں سے ایک حصہ کا امیر حُر بن یزید تھا، جو سب سے پہلے ایک ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا اور حضرت حسینؓ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے دل میں اہلِ بیت اطہار کی محبت کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا، اس وقت اپنی سابقہ کارروائی پر نادم ہو کر حضرت حسینؓ کے قریب ہوتے ہوتے یکبارگی گھوڑا دوڑا کر حضرت حسینؓ کے لشکر میں آملے۔ اور عرض کیا کہ میری ابتدائی غفلت اور آپ کو واپسی کے لئے راستہ نہ دینے کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ واللہ! مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف اس حد تک پہنچ جائیں گے اور آپ کی کوئی بات نہ مانیں گے۔ اگر میں یہ جانتا تو ہرگز آپ کو نہ روکتا۔ میں اب تائب

(۱) افسوس ہے کہ آج حضرت حسینؓ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے ہی آپ کی اس آخری وصیت کی نہ صرف مخالفت کرتے ہیں، بلکہ اس کو دینی شعار سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ انا للہ، الخ۔ محمد شفیع

ہو کر آیا ہوں، اس لئے اب میری سزا اور توبہ یہی ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ قتال کرتا ہوا جان دے دوں اور ایسا ہی ہوا۔

دونوں لشکروں کا مقابلہ، حضرت حسینؓ کا لشکر کو خطاب

حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آگے بڑھ کر آواز بلند فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوْا قَوْلِي وَلَا تَعْجَلُوْنِي حَتّٰى أَعِظَكُمْ بِمَا يَجِبُ لَكُمْ عَلَيَّ وَحَتّٰى أَعْتَذِرَ إِلَيْكُمْ مَقْدَمِي عَلَيْكُمْ. فَإِنْ قَبِلْتُمْ عُذْرِي وَصَدَّقْتُمْ قَوْلِي وَأَنْصَفْتُمُوْنِي كُنْتُمْ بِذٰلِكَ أَسْعَدَ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ عَلَيَّ سَبِيلٌ. وَإِنْ لَمْ تَقْبَلُوْا مِنِّي الْعُذْرَ فَأَجْمِعُوْا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ. إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ.

لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو تا کہ میں حق نصیحت ادا کر دوں جو میرے ذمہ ہے اور تا کہ میں تمہیں اپنے یہاں آنے کی وجہ بتلا دوں۔ پھر اگر تم میرا عذر قبول کرو اور میری بات کو سچا جانو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو اس میں تمہاری فلاح وسعادت ہے اور پھر تمہارے لئے میرے قتال کا کوئی راستہ نہیں۔ اور اگر تم میرا عذر قبول نہ کرو تو تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کر لو اپنے شریکوں کو، پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ، پھر کر گذرو میرے ساتھ اور مجھکو مہلت نہ دو۔ (بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیکوکاروں کی مدد کرتا ہے)

(یہ وہ الفاظ ہیں جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہے تھے۔ (مترجم)

بہنوں کی گریہ وزاری اور حضرت حسینؓ کا اس سے روکنا

حضرت حسینؓ کے یہ کلمات بہنوں اور عورتوں کے کان میں پڑے تو ضبط نہ کر سکیں، رونے کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی عباسؓ کو بھیجا کہ ان کو نصیحت کر کے خاموش کر دیں، اور اس وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابنِ عباسؓ پر رحم فرمائے، انہوں نے صحیح کہا تھا کہ عورتوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔

حضرت حسینؓ کا دردانگیز خطبہ

حضرت حسینؓ نے جب دشمن کی فوج کو مخاطب کر کے متوجہ کیا اور پہلے عورتوں کو خاموش کر دیا، تو ایک دردانگیز و نصیحت آمیز، بلیغ و بے نظیر خطبہ دیا، حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! تم میرا نسب دیکھو، میں کون ہوں، پھر اپنے دلوں میں غور کرو، کیا تمہارے لئے جائز ہے کہ تم مجھے قتل کرو اور میری عزت پر ہاتھ ڈالو؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی صاحبزادیؓ کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں اس باپؓ کا بیٹاؓ نہیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ کا چچازاد بھائی اور وصی (۱)، اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاللّٰہِ ہے؟''

کیا سَیِّدُ الشُّھَدَاء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا جعفر طیارؓ میرے چچا نہیں تھے؟ کیا تمہیں یہ حدیث مشہور نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور میرے بھائی حسنؓ کو سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ اور قُرَّةُ عَیْنِ اَھْلِ السُّنَّةِ فرمایا ہے؟ اگر تم میری بات کی تصدیق کرتے ہو، اور واللہ! میری بات بالکل حق ہے، میں نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، اور اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ پوچھو جابر بن عبداللہؓ سے، دریافت کرو ابوسعیدؓ یا سہل بن سعدؓ سے، معلوم کرو زید بن ارقمؓ یا انسؓ سے، وہ تمہیں بتلائیں گے کہ بیشک یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ کیا یہ چیزیں تمہارے لئے میرا خون بہانے سے روکنے کو کافی نہیں؟ مجھے بتلاؤ کہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے جس کے

---

(۱) (۱) حضرت حسینؓ کے خطبہ کے یہ الفاظ ابن اثیر نے نقل کیے ہیں اور میں نے شروع رسالہ میں اس پر تنبیہ کر دی ہے کہ میں نے تاریخی حیثیت سے ابن اثیر کی تاریخ کو مستند سمجھ کر اس کی روایات نقل کی ہیں، لیکن اس کا مستند ہونا صرف تاریخی درجہ تک ہے، تاریخی روایات کے الفاظ سے احکام، عقائد یا احکام حلال و حرام اخذ نہیں کیے جا سکتے، اس کے لیے محدثانہ تنقید کے بعد جو الفاظ ثابت ہوں صرف انہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ خطبہ کے الفاظ میں حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ کا وصی اور اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاللّٰہِ کہا گیا ہے۔ اول تو ان دونوں لفظوں سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی جو اہل تشیع اہل سنت کے خلاف بیان کرتے ہیں، اور بالفرض ان لفظوں کے وہی معنی لیے جائیں تو پھر ابن اثیر کی یہ روایت دوسری احادیث صحیح کی روایات کے مقابلہ میں متروک ہوگی جس کی تفصیل اپنے موقع پر مذکور ہے۔ یہ جگہ ان بحثوں کی نہیں، رسالہ ''تذکرہ'' کراچی میں اس پر تنقید کی گئی تھی، اس لیے ان کے شکریہ کے ساتھ اس حاشیہ کا اضافہ کرتا ہوں، اور بھی چند جگہ لفظی اصطلاحات کا مشورہ قبول کر کے ترمیم کر دی گئی ہے۔ ۱۲ محمد شفیع ۲ محرم ۶۷ھ)

قصاص میں مجھے قتل کر رہے ہو؟ یا میں نے کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے؟''

اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے رؤسائے کوفہ کا نام لے کر پکارا: اے شیث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے زید بن حارث! کیا تم لوگوں نے مجھے بلانے کے لئے خطوط نہیں لکھے؟'' یہ سب لوگ مکر گئے کہ ہم نے نہیں لکھے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے خطوط موجود ہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! اگر تم میرا آنا پسند نہیں کرتے تو مجھے چھوڑ دو، میں کسی ایسی زمین میں چلا جاؤں جہاں مجھے امن ملے۔''

قیس بن اشعث نے کہا کہ آپ اپنے چچازاد بھائی ابنِ زیاد کے حکم پر کیوں نہیں اتر آتے؟ وہ پھر آپ کے بھائی ہیں، آپ کے ساتھ برا سلوک نہ کریں گے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ مسلم بن عقیلؓ کے قتل کے بعد بھی تمہاری یہی رائے ہے؟ واللہ! میں کبھی اس کو قبول نہ کروں گا۔ یہ فرما کر حضرت حسینؓ گھوڑے سے اُتر آئے۔

اس کے بعد زہیر بن القینؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کو نصیحت کی کہ آلِ رسولؐ کے خون سے باز آجائیں، اور بتلایا کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے اور ابنِ زیاد کا ساتھ دیا، تو خوب سمجھ لو کہ تم کو بھی ابنِ زیاد سے کوئی فلاح نہ پہنچے گی، وہ تم کو بھی قتل و غارت کرے گا۔ ان لوگوں نے زہیر کو برا بھلا کہا اور ابنِ زیاد کی تعریف کی اور کہا کہ ہم تم سب کو قتل کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیجیں گے۔

زہیرؓ نے پھر کہا کہ ''ظالمو! اب بھی ہوش میں آؤ، فاطمہؓ کا بیٹا سمیہ کے بیٹے (ابنِ زیاد) سے زیادہ محبت و اکرام کا مستحق ہے۔ اگر تم ان کی امداد نہیں کرتے تو ان کو اور ان کے چچازاد بھائی یزید کو چھوڑ دو کہ وہ آپس میں نبٹ لیں۔ بخدا یزید بن معاویہؓ تم سے اس پر ناراض نہ ہوگا۔

جب گفتگو طویل ہونے لگی تو شمر نے پہلا تیر ان پر چلا دیا، اس کے بعد حُر بن یزیدؓ جو اَب تائب ہو کر حضرت حسینؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے، آگے بڑھے اور لوگوں کو خطاب کیا:

''اے اہلِ کوفہ! تم ہلاک و برباد ہو جاؤ، کیا تم نے ان کو اس لئے بلایا تھا کہ وہ آجائیں تو تم ان کو قتل کرو؟ تم نے کہا تھا کہ ہم اپنی جان و مال آپ پر قربان کریں

گے، اور اب تم ہی ان کے قتل کے درپے ہو؟ ان کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتے کہ خدا کی طویل وعریض زمین میں کہیں چلے جائیں جہاں ان کو اور اہل بیت کو امن ملے؟ ان کو تم نے قیدیوں کی مثل بنالیا ہے اور دریائے فرات کا جاری پانی ان پر بند کر دیا ہے جس کو یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں، اور جس میں اس علاقے کے خنزیر لوٹتے ہیں۔ حسینؓ اور ان کے اہل بیت پیاس سے بے ہوش ہو رہے ہیں۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے ان کی اولاد کے بارے میں نہایت شرمناک سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم کو پیاسا رکھے گا اگر توبہ نہ کرو اور اپنی حرکت سے باز نہ آؤ۔"

اب حُر بن یزید پر بھی تیر پھینکے گئے، وہ واپس آگئے اور حضرت حسینؓ کے آگے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد تیر اندازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر گھمسان کی جنگ ہوئی، فریق مخالف کے بھی کافی آدمی مارے گئے۔ حضرت حسینؓ کے رفقا بھی بعض شہید ہوئے۔ حُر بن یزید نے حضرت حسینؓ کے ساتھ ہو کر شدید قتال کیا، بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔ مسلم بن عوسجہؓ زخمی ہو کر گر گئے، حبیب بن مظہرؓ ان کے پاس آئے اور کہا کہ جنت کی خوشخبری تمہارے لئے ہے، اگر میں یہ جانتا کہ میں بھی تمہارے پیچھے شہید ہونے والا نہیں ہوں تو میں تم سے تمہاری وصیت دریافت کرتا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میں ایک وصیت کرتا ہوں، اور حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب تک زندہ ہو ان کی حفاظت کرنا۔

اس کے بعد شقی و بدبخت شمر نے چاروں طرف سے حضرت حسینؓ اور ان کے رفقا پر ہلہ بول دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رفقا نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ کوفہ کے لشکر پر جس طرف حملہ کرتے تھے میدان صاف ہو جاتا تھا۔ جب عروہ بن قیس نے یہ حالت دیکھی تو عمر بن سعد سے مزید کمک طلب کی اور شبث بن ربعی سے کہا کہ تم کیوں آگے نہیں بڑھتے؟ اس وقت شبث سے نہ رہا گیا اور کہا کہ تم سب گمراہ ہو، ابن علیؓ جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بہتر ہیں، ان سے قتال کرتے ہو اور سمیہ زانیہ کے لڑکے ابن زیاد کا ساتھ دیتے ہو؟ عمر بن سعد نے جو کمک اور تازہ دم پانچ سو سپاہی بھیجے، یہ آکر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ اصحاب حسینؓ نے اس کا بھی نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور گھوڑے چھوڑ کر میدان میں پیادہ آگئے، اس وقت بھی حُر بن یزید نے سخت قتال کیا۔ اب دشمن نے خیموں میں آگ لگانا شروع کی۔

گھمسان جنگ میں نمازِ ظہر کا وقت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اکثر رفقا شہید ہو چکے تھے اور دشمن کے دستے حضرت حسینؓ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ابو ثمامہ صائدی نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے قتل کیا جاؤں لیکن یہ دل چاہتا ہے کہ ظہر کا وقت ہو چکا ہے، یہ نماز ادا کر کے پروردگار کے سامنے جاؤں۔ حضرت حسینؓ نے بآوازِ بلند فرمایا کہ جنگ ملتوی کرو یہاں تک کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ ایسی گھمسان جنگ میں کون سنتا تھا، طرفین سے قتل وقتال جاری تھا، اور ابو ثمامہؓ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے چند اصحاب کے ساتھ نمازِ ظہر صلوٰۃ الخوف کے مطابق ادا فرمائی۔

نماز کے بعد پھر قتال شروع کیا، اب یہ لوگ حضرت حسینؓ تک پہنچ چکے تھے۔ حنفی حضرت حسینؓ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور سب تیر اپنے بدن پر کھاتے رہے، یہاں تک زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔ اس وقت زہیر بن القینؓ نے حضرت حسینؓ کی مدافعت میں سخت قتال کیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بجز چند رفیقوں کے کوئی نہ رہا تھا، اور یہ رفقا بھی دیکھ رہے تھے کہ ہم نہ حضرت حسینؓ کو بچا سکتے ہیں نہ خود بچ سکتے ہیں، تو اب ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ میں حضرت حسینؓ کے سامنے پہلے شہید ہو جاؤں، اس لئے ہر شخص نہایت شدت وشجاعت سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اسی میں حضرت حسینؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبرؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ ... نَحْنُ وَرَبِّ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ

یعنی میں حسینؓ بن علیؓ کا بیٹا ہوں، قسم ہے رب البیت کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔

کم بخت مُرّہ ابنِ منقذ نے ان کو نیزہ مار کر گرا دیا، پھر کچھ اور شقی آگے بڑھے اور لاش کے ٹکڑے کر دیئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور کہا: ''خدا تعالیٰ اس قوم کو برباد کرے جس نے تجھ کو قتل کیا ہے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کیسے بے وقوف ہیں۔ تیرے بعد اب زندگی پر خاک ہے۔'' ان کی لاش اٹھا کر خیمہ کے پاس لائی گئی۔ عمرو بن سعد نے قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ کے سر پر تلوار ماری، وہ گرے اور ان کے منہ سے نکلا: یا

عَمَّاہ (اے چچا!) تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ان کو سنبھالا اور عمرو پر تلوار سے حملہ کیا، کہنی سے اس کا ہاتھ کٹ گیا، حضرت حسینؓ اپنے بھتیجے قاسمؓ کی لاش کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر لائے اور اپنے بیٹے اور دوسرے اہلِ بیت کے برابر لٹا دیا، اب حضرت حسینؓ تقریباً تنہا بے یار و مددگار رہ گئے۔

لیکن ان کی طرف بڑھنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی، اسی طرح بہت دیر تک یہی کیفیت رہی، کہ جو شخص آپ کی طرف بڑھتا اُسی طرح لوٹ جاتا اور حضرت حسینؓ کے قتل اور اس کے گناہ کو اپنے سر لینا نہ چاہتا تھا، یہاں تک کہ قبیلہ کندہ کا ایک شقی القلب مالک بن نسیر آگے بڑھا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر تلوار سے حملہ کیا، آپ شدید زخمی ہو گئے، اپنے چھوٹے صاحبزادے عبداللہؓ (۱) کو بلایا اور اپنی گود میں بٹھا لیا، بنی اسد کے ایک بدنصیب نے ان کو بھی تیر مار کر ہلاک کر دیا، حضرت حسینؓ نے اس معصوم بچہ کا خون لے کر زمین پر بکھیر دیا اور دعاء کی یا اللہ! تو ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔

اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس حد کو پہنچ چکی تھی، آپ پانی پینے کے لئے دریائے فرات کے قریب تشریف لے گئے، ظالم حصین بن نمیر نے آپ کے منہ پر نشانہ کر کے تیر پھینکا جو آپ کو لگا اور دہن مبارک سے خون جاری ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت حسینؓ کی شہادت

اس کے بعد شمر دس آدمی ساتھ لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا، حضرت حسینؓ شدید پیاس اور اتنے زخموں کے باوجود ان کا دلیرانہ مقابلہ کر رہے تھے۔ اور جس طرف حضرت حسینؓ بڑھتے یہ بھاگتے نظر آتے تھے، اہلِ تاریخ نے کہا ہے کہ یہ ایک بے نظیر واقعہ ہے کہ جس شخص کی اولاد اور اہلِ بیت قتل کر دیئے گئے ہیں، اس کو خود شدید زخم لگے ہوئے ہوں، اور وہ پانی کے ایک ایک قطرہ سے محروم ہو اور وہ اس قوت اور ثبات قدمی سے مقابلہ کر رہا ہے کہ جس طرف رخ کرتا ہے مسلح سپاہی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں، شمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حسینؓ کے قتل کرنے سے ہر شخص بچنا چاہتا ہے تو آواز دی کہ سب

---

(۱) بعض واقعات شہادت لکھنے والوں نے عبداللہؓ کو علی اصغر لکھا ہے مگر مستند یہ ہے کہ علی اصغر حضرت علی ابن الحسین زین العابدینؒ کا نام ہے جو شہید نہیں ہوئے۔ ۱۲ ابن کثیر

یکبارگی حملہ کرو، اس پر بہت سے بدنصیب آگے بڑھے، نیزوں اور تلواروں سے یکبارگی حملہ کیا ،اور یہ ابن رسول اللہ خیر خلق اللہ فی الارض ظالموں کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شمر نے خولی بن یزید سے کہا کہ ان کا سر کاٹ لو، وہ آگے بڑھا مگر ہاتھ کانپ گئے، پھر شقی بدبخت سنان بن انس نے یہ کام انجام دیا، آپ کی لاش کو دیکھا تو تینتیس زخم نیزوں کے اور چونتیس زخم تلواروں کے آپ کے بدن پر تھے، تیروں کے زخم ان کے علاوہ، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَاَرْضَاہُ وَرَزَقَنَا حُبَّہٗ وَحُبَّ مَنْ وَّالَاہُ۔

حضرت حسینؓ اور عام اہل بیت کے قتل سے فارغ ہو کر یہ ظالم علی اصغر حضرت زین العابدینؒ کی طرف متوجہ ہوئے، شمر نے ان کو بھی قتل کرنا چاہا، حمید بن مسلم نے کہا کہ سبحان اللہ! تم بچہ کو قتل کرتے ہو، اور جب کہ وہ مریض بھی ہے، شمر نے چھوڑ دیا، عمر بن سعد آگے آئے اور کہا کہ ان عورتوں کے خیمہ کے پاس کوئی نہ جائے، اور اس مریض بچہ سے کوئی تعرض نہ کرے۔

لاش کو روندا گیا

ابن زیاد شقی کا حکم تھا کہ قتل کے بعد لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا جائے، عمر بن سعد نے چند سواروں کو حکم دیا، انہوں نے یہ بھی کر ڈالا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مقتولین اور شہداء کی تعداد

جنگ کے خاتمہ پر مقتولین کی شمار کی گئی تو حضرت حسینؓ کے اصحاب میں بہتر (۷۲) حضرات شہید ہوئے اور عمر بن سعد کے لشکر کے اٹھاسی سپاہی مارے گئے، حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کو اہل غاضریہ نے ایک روز بعد دفن کیا۔

حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کے سر ابن زیاد کے دربار میں

خولی بن یزید اور حمید بن مسلم ان حضرات کے سر لے کر کوفہ روانہ ہوئے اور ابن زیاد کے سامنے پیش کئے، ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کر کے سب سروں کو سامنے رکھا، اور ایک چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک کو چھونے لگا، زید بن ارقمؓ سے نہ رہا گیا، اور بول اٹھے کہ چھڑی ان متبرک ہونٹوں کے اوپر سے ہٹا لے، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ان ہونٹوں کو بوسہ دیتے

تھے، یہ کہہ کر رو پڑے، ابن زیاد نے کہا کہ اگر تم سن رسیدہ بوڑھے نہ ہوتے تو میں تمہاری بھی گردن مار دیتا، زید بن ارقمؓ یہ کہتے ہوئے باہر آگئے کہ اے قوم عرب! تم نے سیدۃ النساء فاطمہؓ کے بیٹے کو قتل کر دیا، اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا امیر بنالیا، وہ تمہارے اچھے لوگوں کو قتل کرے گا، اور شریروں کو غلام بنائے گا، تمہیں کیا ہوا کہ اس ذلت پر راضی ہو گئے۔

بقیہ اہلِ بیت کو کوفہ میں..... اور..... ابنِ زیاد سے مکالمہ

عمر بن سعد دو روز کے بعد بقیہ اہلِ بیت حضرت حسینؓ کی بیٹیوں اور بہنوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ کے لئے نکلے، تو حضرت حسینؓ اور ان کے اصحاب کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، عورتوں بچوں کے سامنے یہ منظر آیا تو کہرام مچ گیا، اور گویا زمین و آسمان رونے لگے، عمر بن سعد نے ان سب اہلِ بیت کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا، تو حضرت حسینؓ کی ہمشیرہ زینبؓ بہت میلے اور خراب کپڑے پہن کر پہنچیں، اور ان کی باندیاں ان کے اِردگرد تھیں، اور ایک طرف جا کر خاموش بیٹھ گئیں، ابن زیاد نے پوچھا، یہ علیحدہ بیٹھنے والی کون ہے، زینبؓ نے جواب نہ دیا، کئی مرتبہ اسی طرح دریافت کیا، مگر زینبؓ خاموش رہیں۔ جب کسی لونڈی نے کہا کہ یہ زینبؓ بنتِ فاطمہؓ ہیں، ابنِ زیاد بولا، شکر ہے اللہ کا جس نے تمہیں رسوا کیا، اور قتل کیا، اور تمہاری بات کو جھوٹا کیا۔ اس پر حضرت زینبؓ کڑک کر بولیں، شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے شرف بخشا، اور قرآن میں ہمارے پاک کرنے کو بیان کیا۔ رسوا وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے۔

ابنِ زیاد نے غصہ میں آکر کہا کہ اللہ نے مجھے تمہارے غیظ سے شفا دی اور تمہارے سرکش کو ہلاک کیا۔ حضرت زینبؓ کا دل بھر آیا، رونے لگیں اور کہا کہ تُو نے ہمارے سب چھوٹوں بڑوں کو قتل کر دیا، اگر یہی تیری شفا ہے تو شفا سمجھ لے۔

اس کے بعد ابنِ زیاد علی اصغرؓ کی طرف متوجہ ہوا، ان کا نام پوچھا، بتلایا کہ علی نام ہے۔ اس نے کہا وہ تو قتل کر دیا گیا۔ علی اصغرؓ نے بتلایا کہ وہ میرے بڑے بھائی تھے، ان کا نام بھی علی تھا۔ ابنِ زیاد نے ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تو علی اصغرؓ نے کہا کہ میرے بعد ان عورتوں کا کون کفیل ہوگا؟ اُدھر حضرت زینبؓ ان کی پھوپھی ان کو لپٹ گئیں اور کہنے لگیں کہ اے ابنِ زیاد! کیا ابھی تک ہمارے خون سے تیری پیاس نہیں بجھی؟ میں تجھے خدا کی قسم دیتی

ہوں، اگر تو ان کو قتل کرے تو ہم کو بھی ان کے ساتھ قتل کر دے۔ علی اصغرؓ نے فرمایا کہ اے ابنِ زیاد! اگر تیرے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی قرابت ہے تو ان کے ساتھ کسی صالح متقی مسلمان کو بھیجنا، جو اسلام کی تعلیم کے مطابق ان کی رفاقت کرے۔ یہ سن کر ابنِ زیاد نے کہا، اچھا اس لڑکے کو چھوڑ دو کہ خود اپنی عورتوں کے ساتھ جائے۔

اس کے بعد ابنِ زیاد نے ایک نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں حسینؓ اور علی رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کیا۔ مجمع میں عبداللہ بن عفیف ازدیؓ بھی تھے، کھڑے ہو گئے جو نابینا تھے اور ہمہ وقت مسجد میں رہتے تھے۔ کہا، اے ابنِ زیاد! تو کذاب بن کذاب ہے، تم انبیاء کی اولاد کو قتل کرتے ہو، اور صدیقین کی سی باتیں بناتے ہو۔ ابنِ زیاد نے ان کو گرفتار کرنا چاہا تو ان کے قبیلہ کے لوگ چھڑانے کے لئے کھڑے ہو گئے، اس لئے چھوڑ دیئے گئے۔

حضرت حسینؓ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا گیا پھر یزید کے پاس شام بھیجا گیا

ابنِ زیاد کی شقاوت نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ حکم دیا کہ حضرت حسینؓ کے سر کو ایک لکڑی پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں میں اور گلی کوچوں میں گھمایا جائے کہ سب لوگ دیکھ لیں۔ اس کے بعد اس کو اور دوسرے اصحاب کے سروں کو یزید کے پاس ملک شام بھیج دیا، اور اسی کے ساتھ عورتوں، بچوں کو بھی روانہ کیا۔ یہ لوگ شام پہنچے تو انعام کے شوق میں حر بن قیس جو اُن کو لے کر گیا تھا، فوراً یزید کے پاس پہنچا۔ یزید نے پوچھا، ''کیا خبر ہے؟'' اس نے میدانِ کربلا کے معرکہ کی تفصیل بتلا کر کہا کہ ''امیر المومنین کو بشارت ہو کہ مکمل فتح حاصل ہوئی، یہ سب مارے گئے اور ان کے سر، عورتیں اور بچے حاضر ہیں۔''

یہ حال سن کر یزید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور کہا کہ میں تم سے اتنی ہی اطاعت چاہتا تھا کہ بغیر قتل کے گرفتار کر لو۔ اللہ تعالیٰ ابنِ سمیہ پر لعنت کرے، اس نے ان کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو میں معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ حسینؓ پر رحم فرما دے۔ یہ کہا اور اس شخص کو کوئی انعام نہیں دیا۔

سرِ مبارک جس وقت یزید کے سامنے رکھا گیا تو یزید کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ حضرت حسینؓ کے دانتوں پر چھڑی لگا کر حصین بن ہمام کے یہ اشعار پڑھے:

إِلَى قَوْمِنَا أَنْ يُنْصِفُوْنَا فَأَنْصَفَتْ نَوَاضِبُ فِيْ أَيْمَانِنَا تَقْطُرُ الدَّمَا
يُفَلِّقْنَ هَامًا مِنْ رِجَالٍ أَعِزَّةٍ عَلَيْنَا وَهُمْ كَانُوْا أَعَقَّ وَأَظْلَمَا

"یعنی ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا تو پھر ہماری خونچکاں تلواروں نے انصاف کیا، جنہوں نے ایسے مردوں کے سر پھاڑ دیئے جو ہم پر سخت تھے، اور وہ تعلقات قطع کرنے والے ظالم تھے۔"

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ موجود تھے، آپ نے کہا، اے یزید! تو اپنی چھڑی حسینؓ کے دانتوں پر لگاتا ہے، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ ان کو بوسہ دیتے تھے۔ اے یزید! قیامت کے روز تو آئے گا تو تیری شفاعت ابنِ زیاد ہی کرے گا، اور حسینؓ آئیں گے تو ان کے شفیع محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں گے۔ یہ کہہ کر ابو برزہؓ مجلس سے نکل گئے۔

یزید کے گھر میں ماتم

جب یزید کی بیوی ہند بنت عبداللہ نے یہ خبر سنی کہ حضرت حسینؓ قتل کر دیئے گئے ہیں اور ان کا سر لایا گیا ہے، تو کپڑا اوڑھ کر باہر نکل آئی، اور کہنے لگی، امیر المومنین! کیا ابنِ بنت رسول اللہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا؟ اس نے کہا، ہاں، خدا ابنِ زیاد کو ہلاک کرے، اس نے جلدی کی اور قتل کر ڈالا۔ ہند یہ سن کر رو پڑی۔

یزید نے کہا کہ حسینؓ نے یہ کہا تھا کہ میرا باپ یزید کے باپ سے، اور میری ماں یزید کی ماں سے، اور میرے دادا رسول اللہ ﷺ یزید کے دادا سے بہتر ہیں۔ ان میں پہلی بات کہ میرا باپ بہتر ہے یا ان کا، اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کرے گا، وہ دونوں وہاں پہنچ چکے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے اس نے کس کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ اور دوسری بات کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر ہیں، تو میں قسم کھاتا ہوں کہ بیشک صحیح ہے، ان کی والدہ فاطمہؓ میری والدہ سے بہتر ہیں۔ رہی تیسری بات کہ ان کے دادا میرے دادا سے بہتر ہیں، سو یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مسلمان جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے، اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ ان کی یہ سب باتیں صحیح و درست تھیں مگر جو آفت آئی وہ ان کی سمجھ کی وجہ سے آئی، انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا: قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔

اس کے بعد عورتیں، بچے یزید کے سامنے لائے گئے، اور سرِ مبارک اس مجلس میں

رکھا ہوا تھا۔ حضرت حسینؓ کی دونوں صاحبزادیاں فاطمہؓ اور سکینہؓ پنجوں کے بل کھڑے ہو کر سرِ مبارک کو دیکھنا چاہتی تھیں اور یزید ان کے سامنے کھڑا ہو کر چاہتا تھا کہ نہ دیکھیں۔ جب ان کی نظر اپنے والدِ ماجد کے سر پر پڑی تو بے ساختہ رونے کی آواز نکل گئی۔ ان کی آواز سن کر یزید کی عورتیں بھی چلّا اٹھیں، اور یزید کے محل میں ایک ماتم برپا ہو گیا۔

یزید کے دربار میں زینبؓ کی دلیرانہ گفتگو

ایک شامی شخص نے صاحبزادی کے متعلق ناشائستہ الفاظ کہے تو ان کی پھوپھی زینبؓ نے نہایت سختی سے کہا کہ: ''نہ تجھے کوئی حق ہے نہ یزید کو۔'' اس پر یزید برہم ہو کر کہنے لگا کہ: ''مجھے سب اختیار حاصل ہے۔'' زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ''واللہ! جب تک تو ہمارے ملت و مذہب سے نہ نکل جائے، تجھے کوئی اختیار نہیں۔'' یزید اس پر اور زیادہ برہم ہوا۔ حضرت زینبؓ نے پھر تیزی سے جواب دیا، بالآخر وہ خاموش ہو گیا۔

اہلِ بیت کی عورتیں یزید کی عورتوں کے پاس

اس کے بعد ان کو زنان خانہ میں اپنی عورتوں کے پاس بھیج دیا، یزید کی عورتوں میں سے کوئی نہ رہی جس نے ان کے پاس آ کر گریہ و بکا اور ماتم نہ کیا ہو، اور جو زیورات وغیرہ ان سے لے لئے گئے تھے، ان سے زائد ان عورتوں نے ان کی خدمت میں پیش کئے۔

علی بن حسینؓ یزید کے سامنے

اس کے بعد علی اصغر رضی اللہ عنہ ہتکڑیوں اور بیڑیوں میں سامنے لائے گئے، انہوں نے سامنے آ کر کہا کہ ''اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قید میں دیکھتے تو ہماری قید کھول دیتے''۔ یزید نے کہا سچ ہے، اور قید کھول دینے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد علی اصغرؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس طرح مجلس میں بیٹھا ہوا دیکھتے تو اپنے قریب بلا لیتے۔ یزید نے ان کو اپنے قریب بلا لیا اور کہا کہ اے علی بن حسین! تمہارے والد نے ہی مجھ سے قطع رحمی کی اور میرے حق کو نہ پہچانا اور میری سلطنت کے خلاف بغاوت کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ کیا جو تم نے دیکھا۔

علی اصغرؓ نے قرآن کی آیت پڑھی:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔

''یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جو کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے زمین میں یا تمہاری جانوں پر، سو وہ کتابِ تقدیر میں لکھی ہوئی ہے زمین کے پیدا کرنے سے قبل، اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔ (اور تمام کاموں کا تابعِ تقدیر ہونا) اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر زیادہ غم نہ کرو، اور جو چیز مل جائے اس پر زیادہ خوش نہ ہو، اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔''

یزید یہ سن کر خاموش ہو گیا، پھر حکم دیا کہ ان کو اور ان کی عورتوں کو ایک مستقل مکان میں رکھا جائے۔ اور یزید کوئی ناشتہ اور کھانا نہ کھاتا تھا جس میں علی بن حسینؓ کو نہ بلاتا ہو۔ ایک روز ان کو بلایا تو ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی عمرو ابن الحسینؓ بھی آ گئے۔ یزید نے عمرو بن الحسینؓ سے بطور مزاح کہا کہ تم اس لڑکے (یعنی اپنے لڑکے خالد) سے مقابلہ کر سکتے ہو؟ عمرو نے کہا، ہاں کر سکتا ہوں، بشرطیکہ آپ ایک چھری ان کو دے دیں اور ایک مجھے۔ یزید نے کہا کہ آخر سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ یزید شروع میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھا، اور ان کا سرِ مبارک لایا گیا تو خوشی کا اظہار کیا، اس کے بعد جب یزید کی بدنامی سارے عالمِ اسلام میں پھیل گئی اور وہ سب مسلمانوں میں مبغوض ہو گیا تو بہت نادم ہوا، اور کہنے لگا، ''کاش میں تکلیف اٹھا لیتا اور حسینؓ کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھتا اور ان کو اختیار دے دیتا کہ جو وہ چاہیں کریں، اگرچہ اس میرے اقتدار کو نقصان ہی پہنچتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کا اور ان کی قرابت کا یہی حق تھا۔ اللہ تعالیٰ ابنِ مرجانہ پر لعنت کرے، اس نے ان کو مجبور کر کے قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو، یا کسی سرحدی مقام پر پہنچا دو، مگر اس نالائق نے قبول نہ کیا اور ان کو قتل کر کے ساری دنیا کے مسلمانوں میں مجھے مبغوض کر دیا، ان کے دلوں میں میری عداوت کا بیج بو دیا۔ کہ ہر نیک و بد مجھ سے بغض رکھنے لگا، اللہ اس ابنِ مرجانہ پر لعنت کرے۔

اہلِ بیتؓ کی مدینہ کو واپسی

اس کے بعد جب یزید نے ارادہ کیا کہ اہل بیتِ اطہار کو مدینہ واپس بھیج دے تو نعمان بن بشیرؓ کو حکم دیا کہ ان کے لئے ان کے مناسب شان ضروریاتِ سفر مہیا کریں، اور ان کے ساتھ کسی امانت دار متقی آدمی کو بھیجے، اور اس کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ فوج کا بھیج دے، جو اُن کو مدینہ تک بحفاظت پہنچائے۔ اور علی بن حسینؓ کو رخصت کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اللہ ابنِ مرجانہ پر لعنت کرے، بخدا! اگر میں خود اس جگہ ہوتا تو حسینؓ جو کچھ کہتے قبول کر لیتا، اور جہاں تک ممکن ہوتا تو ان کو ہلاکت سے بچاتا، اگرچہ مجھے اپنی اولاد کو قربان کرنا پڑتا، لیکن جو مقدر تھا وہ ہو گیا۔ صاحبزادے! تمہیں جب کوئی ضرورت ہو مجھے خط لکھنا، اور میں نے تمہارے ساتھ جانے والوں کو بھی یہ ہدایت کر دی ہے۔

تنبیہ: یزید کی یہ زود پشیمانی اور بقیہ اہل بیتؓ کے ساتھ بظاہر اکرام کا معاملہ محض اپنی بدنامی کا داغ مٹانے کے لئے تھا یا حقیقت میں کچھ خدا کا خوف اور آخرت کا خیال آ گیا، یہ تو علیم وخبیر ہی جانتا ہے۔ مگر یزید کے اعمال اور کارنامے اس کے بعد بھی سب سیاہ کاریوں ہی سے لبریز ہیں، مرتے مرتے بھی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کے لئے لشکر بھیجے ہیں، اسی حال میں مرا ہے۔ عَامَلَهُ اللهُ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ۔ (مؤلف)

اس کے بعد اہلِ بیت ان لوگوں کی حفاظت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے راستہ میں اہلِ بیت کی خدمت بڑی ہمدردی سے کی۔ رات کو ان کی سواریاں اپنے سامنے رکھتے تھے، اور جب کسی منزل پر اُترتے تو ان سے علیحدہ ہو جاتے اور چاروں طرف پہرہ دیتے تھے اور ہر وقت ان کی ضروریات کو دریافت کر کے پورا کرنے کا اہتمام رکھتے تھے، یہاں تک کہ یہ سب حضرات اطمینان کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

وطن پہنچ کر حضرت حسینؓ کی صاحبزادی فاطمہؓ نے اپنی بہن زینبؓ سے کہا کہ اس شخص نے ہم پر احسان کیا ہے کہ سفر میں راحت پہنچائی، ہمیں کچھ اس کو صلہ دینا چاہئے۔ زینبؓ نے کہا: اب ہمارے پاس اپنے زیور کے سوا تو کچھ ہے نہیں۔ دونوں نے اپنے زیوروں میں سے دو کنگن اور دو بازو بند سونے کے نکالے اور ان کے سامنے پیش کئے، اور اپنی بے مائیگی کا عذر پیش کیا۔ اس شخص نے کہا، واللہ! اگر میں نے یہ کام دنیا کے لئے کیا ہوتا تو میرے لئے یہ

انعام بھی کم نہ تھا، لیکن میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے جو کہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

آپ کی زوجۂ محترمہ کا غم وصدمہ اور انتقال

حضرت حسینؓ کی زوجہ محترمہ رباب بنت امرؤالقیس بھی آپ کے ساتھ اسی سفر میں تھیں، اور شام بھیجی گئیں۔ پھر سب کے ساتھ مدینہ پہنچیں تو باقی عمر اسی طرح گزار دی، کہ کبھی مکان کے سایہ میں نہ رہتی تھیں۔ کوئی کہتا کہ دوسری شادی کر لو، تو جواب دیتی تھیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی کو اپنا خسر بنانے کے لئے تیار نہیں۔ بالآخر ایک سال بعد وفات ہوگئی۔

حضرت حسینؓ اور ان کے اصحاب کے قتل کی خبریں مدینہ میں پہنچیں تو پورے مدینہ میں کہرام تھا۔ مدینہ کے در و دیوار رو رہے تھے، اور جب خاندانِ اہل بیتؓ کے یہ بقیہ نفوس مدینہ پہنچے، تو مدینہ والوں کے زخم از سرِ نو تازہ ہو گئے۔

عبداللہ بن جعفرؓ کو ان کے دو بیٹوں کی تعزیت

جس وقت عبداللہ بن جعفرؓ کو یہ خبر ملی کہ ان کے دو بیٹے بھی حضرت حسینؓ کے ساتھ شہید ہو گئے، تو بہت لوگ ان کی تعزیت کو آئے۔ ایک شخص کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ہم پر یہ مصیبت حسینؓ کی وجہ سے آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو غصہ آ گیا، اس کو جوتا پھینک کر مارا کہ کم بخت! تو یہ کہتا ہے؟ واللہ! اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی ان کے ساتھ قتل کیا جاتا۔ واللہ! آج میرے بیٹوں کا قتل ہی میرے لئے سبب تسلی ہے کہ اگر میں حسینؓ کی کوئی مدد نہیں کر سکا تو میری اولاد نے یہ کام کر دیا۔

واقعۂ شہادت کا اثر فضائے آسمانی پر

عام مؤرخین ابنِ اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد دو تین مہینہ تک فضا کی یہ کیفیت رہی کہ جب آفتاب طلوع ہوتا اور دھوپ در و دیوار پر پڑتی تو اتنی سرخ ہوتی تھی جیسے دیواروں کو خون لپیٹ دیا گیا ہو۔

شہادت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا

بیہقی نے دلائل میں بسند روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک رات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کا وقت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پراگندہ بال، پریشان حال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا: حسینؓ کا خون ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ حضرت عباسؓ نے اسی وقت لوگوں کو خبر دے دی تھی کہ حسینؓ شہید ہو گئے، اس خواب سے چند روز کے بعد حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع پہنچی، اور حساب کیا گیا تو ٹھیک وہی دن اور وہی وقت آپ کی شہادت کا تھا۔

اور ترمذی نے سلمیٰ سے روایت کیا ہے، کہ وہ ایک روز اُمِ سلمہؓ کے پاس گئیں تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک اور داڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ میں ابھی حسینؓ کے قتل پر موجود تھا۔' (تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ)

ابونعیم نے دلائل میں حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل پر میں نے جنات کو روتے دیکھا ہے۔

حضرت حسینؓ کے بعض حالات وفضائل

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵ رشعبان کو مدینہ طیبہ میں رونق افروزِ عالم ہوئے اور ۱۰ رمحرم ۶۱ھ میں بعمر ۵۵ سال شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی یعنی کھجور چبا کر اس کا رس اُن کے منہ میں ڈالا، اور کان میں اذان دی، اور اُن کے لئے دعا فرمائی، اور حسین نام رکھا۔ ساتویں روز عقیقہ کیا۔ آپ بچپن ہی سے شجاع و دلیر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا:

حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ. اَللّٰهُمَّ أَحِبَّ حُسَيْنًا. (اَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ)

''حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں، یا اللہ جو حسینؓ کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ۔''

ابنِ حبان، ابنِ سعد، ابویعلیٰ، ابنِ عساکر ائمہ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَفِيْ لَفْظٍ سَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ۔

''جو چاہے کہ اہلِ جنت میں سے کسی کو دیکھے، یا یہ فرمایا کہ نوجوانانِ اہلِ جنت کے سردار کو دیکھے وہ حسینؓ ابنِ علیؓ کو دیکھ لے۔''

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، فرمایا: وہ شوخ لڑکا کہاں ہے؟ یعنی حسینؓ۔ حسینؓ آئے اور آپ ﷺ کی گود میں گر پڑے، اور آپ ﷺ کی داڑھی میں انگلیاں ڈالنے لگے۔ آپ ﷺ نے حسینؓ کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا: یا اللہ میں حسینؓ سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی اس سے محبت کریں، اور اس شخص سے بھی جو حسینؓ سے محبت کرے۔

ایک روز ابنِ عمرؓ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے، دیکھا کہ حضرت حسینؓ سامنے سے آرہے ہیں، ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اس زمانہ میں اہلِ آسمان کے نزدیک سارے اہلِ زمین سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت حسینؓ نہایت سخی اور لوگوں کی امداد میں اپنی جان و مال پیش کرنے والے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے لئے کسی کی حاجت پوری کرنا، میں اپنے ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت حسینؓ کی زریں نصیحت

فرمایا کہ لوگ اپنی حاجات تمہارے پاس لائیں تو اس سے ملول نہ ہو، کیونکہ اُن کے حوائج تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اگر تم اس سے ملول و پریشان ہو گئے، تو یہ نعمت مبدل بہ قہر ہو جائے گی، (یعنی تمہیں لوگوں کا محتاج کر دیا جائے گا کہ تم ان کے دروازوں پر جاؤ)

حضرت حسینؓ ایک روز حرمِ مکہ میں حجرِ اسود کو پکڑے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے:

''یا اللہ! آپ نے مجھ پر انعام فرمایا، مجھے شکر گزار نہ پایا، میری آزمائش کی تو مجھے صابر نہ پایا، مگر اس پر بھی آپ نے نہ اپنی نعمت مجھ سے سلب کی، اور نہ مصیبت کو مجھ پر قائم رہنے دیا۔ یا اللہ! کریم سے تو کرم ہی ہوا کرتا ہے۔''

حضرت حسینؓ اپنے والدِ ماجد حضرت علیؓ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے، اور ان کے ساتھ ہر جہاد میں شریک رہے، اور ان کی صحبت میں رہے، یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ وہ امارت چھوڑ کر مدینہ چلے آئے، تو آپ بھی اُن کے ساتھ مدینہ میں آ گئے، اور جب تک بیعتِ یزید کا فتنہ شروع نہیں ہوا مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں آپ کے اہلِ بیتؓ کے تینتیس حضرات شہید ہوئے۔ (اسعاف الراغبین)

قاتلانِ حسینؓ کا عبرتناک انجام

چندیں اماں نداد کہ شب را سحر کند

جس وقت حضرت حسینؓ پیاس سے مجبور ہو کر دریائے فرات پر پہنچے، اور پانی پینا چاہتے تھے، کہ کم بخت حصین (۱) بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے دہنِ مبارک پر لگا، اس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ بددعا نکلی کہ:

"یا اللہ! رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے، میں اس کا شکوہ آپ ہی سے کرتا ہوں۔ یا اللہ! ان کو چن چن کر قتل کر، ان کے ٹکڑے ٹکڑے فرما دے، ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔"

اوّل تو ایسے مظلوم کی بددعا، پھر سبطِ رسول اللہ ﷺ، اس کی قبولیت میں شبہ ہی کیا تھا، دعا قبول ہوئی اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ایک ایک کر کے بری طرح مارے گئے۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتلِ حسینؓ میں شریک تھے، ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو، کوئی قتل کیا گیا، کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا، یا چند ہی روز میں ملک و سلطنت چھن گئے اور ظاہر ہے کہ یہ اُن کے اعمال کی اصلی سزا نہیں بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے، جو لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا میں دکھا دیا گیا ہے۔

قاتلِ حسینؓ اندھا ہو گیا

سبط ابنِ جوزیؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسینؓ کے قتل میں

---

(۱) بعض اہلِ تاریخ نے دوسرا نام ذکر کیا ہے۔ ش

شریک تھا، وہ دفعتاً نابینا ہو گیا، تو لوگوں نے سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں، ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے، اور اس پر قاتلانِ حسینؓ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا، اور خونِ حسینؓ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی۔ میں صبح اٹھا تو اندھا تھا۔ (اسعاف)

منہ کالا ہو گیا

نیز ابنِ جوزی نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسینؓ کے سرِ مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا، اس کے بعد اسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تارکول جیسا ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے، تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا، جب ذرا سوتا ہوں دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اس میں ڈال دیتے ہیں جو مجھے جھلس دیتی ہے۔ اور اسی حالت میں چند روز کے بعد مر گیا۔

آگ میں جل گیا

نیز ابنِ جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی، مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسینؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے، میں خود ان کے قتل میں شریک تھا میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا، جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا

جس شخص نے حضرت حسینؓ کے تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی پیاس مسلط کر دی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی۔ پانی کتنا ہی پی جائے، پیاس سے تڑپتا رہتا تھا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ہلاکتِ یزید

شہادتِ حسینؓ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا۔ تمام اسلامی ممالک میں خونِ شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی۔ دنیا میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگیا۔

کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلانِ حسینؓ کی عبرتناک ہلاکت

قاتلانِ حسینؓ پر طرح طرح کی آفاتِ ارضی وسماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی، واقعہ شہادت سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ھ میں مختار نے قاتلانِ حسینؓ سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا، تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہوگئے اور تھوڑے عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہوگئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہوگیا۔ اس نے اعلانِ عام کردیا کہ قاتلانِ حسینؓ کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے، اور قاتلانِ حسینؓ کی تفتیش وتلاش پر پوری قوت خرچ کی، اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ ایک روز میں دو سو اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کئے گئے کہ وہ قتلِ حسینؓ میں شریک تھے۔ اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاش اور گرفتاری شروع ہوئی۔

عمرو بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا، پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑا، ذبح کردیا گیا۔

شمر ذی الجوشن، جو حضرت حسینؓ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا، اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بشیر بدّی، حمل بن مالک کا محاصرہ کرلیا گیا۔ انہوں نے رحم کی درخواست کی۔ مختار نے کہا: ظالمو! تم نے سبطِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم نہ کھایا، تم پر کیسے رحم کیا جائے۔ سب کو قتل کیا گیا، اور مالک بن بشیر نے حضرت حسینؓ کی ٹوپی اٹھائی تھی، اس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا، تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

عثمان بن خالد اور بشر بن شمیط نے مسلم بن عقیلؓ کے قتل میں اعانت کی تھی، ان کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمرو بن سعد، جو حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر لشکر کی کمان کر رہا تھا اس کو قتل کر کے اس

کا سر مختار کے سامنے لایا گیا۔ اور مختار نے اس کے لڑکے حفص کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا۔ جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا: تو جانتا ہے یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اور اس کے بعد مجھے بھی اپنی زندگی پسند نہیں۔ اس کو بھی قتل کر دیا گیا، اور مختار نے کہا: عمرو بن سعد کا قتل تو حسینؓ کے بدلے میں ہے اور اس شخص کا قتل علی بن حسینؓ کے بدلے میں، اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی۔ اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلے میں قتل کر دوں تو حضرت حسینؓ کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔

حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسینؓ کے تیر مارا تھا، اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا گیا، اسی میں ہلاک ہوا۔

زید بن رفاد نے حضرت حسینؓ کے بھتیجے مسلم بن عقیلؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کے تیر مارا، اس نے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپائی، تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی کے ساتھ بندھ گیا۔ اس کو گرفتار کر کے اوّل اس پر تیر برسائے گئے، پھر زندہ جلا دیا گیا۔

سنان بن انس جس نے سرِ مبارک کاٹنے کا اقدام کیا تھا، کوفہ سے بھاگ گیا، اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔

قاتلانِ حسینؓ کا یہ عبرتناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے:

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

"عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے، کاش وہ سمجھ لیتے۔"

مرقعِ عبرت

عبدالملک بن عمیر لیثی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصرِ امارت میں حضرت حسینؓ کا سر عبداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا، پھر اسی قصر میں عبداللہ بن زیاد کا سر کٹا ہوا مختار کے سامنے دیکھا، پھر اسی قصر میں مختار کا سر کٹا ہوا مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا، پھر اسی جگہ مصعب بن زبیر کا سر عبدالملک کے سامنے دیکھا۔ میں نے یہ واقعہ عبدالملک سے ذکر کیا، تو اس قصر کو منحوس سمجھ کر یہاں سے منتقل ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابوہریرہؓ کو شاید اس فتنہ کا علم ہو گیا تھا، وہ آخری عمر میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ "یا اللہ! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں ساٹھویں سال اور نوعمروں کی امارت سے"۔ ہجرت کر کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نوعمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

نتائج وعبر

واقعۂ شہادت کی تفصیل آپ نے سنی، اس میں ظلم و جور کے طوفان دیکھے، ظالموں اور ناخدا ترس لوگوں کا بڑھتا ہوا اقتدار نظر آیا۔ دیکھنے والوں نے یہ محسوس کیا کہ ظلم و جور اور فسق و فجور ہی کامیاب ہے، مگر آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ سب طلسم تھا جو آنکھ جھپکنے میں ختم ہو گیا، اور دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ظلم و جور کو فلاح نہیں، ظالم مظلوم سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

پنداشت ستمگر کہ ستم بر ما کرد
بر گردنِ او بماند و بر ما بگذشت

اور یہ کہ جن مظلوموں کو فنا کرنا چاہا تھا وہ درحقیقت آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ گھر گھر میں ان کا ذکرِ خیر ہے، اور صدیاں گزر گئیں کروڑوں انسان ان کے نام پر مرتے ہیں، اور اُن کے نقشِ قدم کی پیروی کو پیغامِ حیات سمجھتے ہیں۔ آیت إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ایک محسوس حقیقت ہو کر سامنے آ گئی، کہ حق و باطل کے معرکہ میں آخری فتح اور کامیابی حق کی ہوا کرتی ہے۔

اس میں عام لوگوں کے لئے اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو حکومت و اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر ظلم و عدل سے قطع نظر کر لیں، بڑی نشانیاں ہیں۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

معرکۂ حق و باطل میں کسی وقت حق کی آواز دب جائے، اہلِ حق شکست کھا جائیں، تو یہ بات نہ حق کے حق ہونے کے خلاف ہے، نہ باطل کے باطل ہونے کے منافی، دیکھنا انجامِ کار کا ہے کہ آخر میں حق پھر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔

اُسوۂ حسینی

آخر میں پھر اس کلام کا اعادہ کرتا ہوں جو اس کتاب کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ حُبِّ اہلِ بیتِ اطہارؓ جزوِ ایمان ہے، ان پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں۔ حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کی مظلومانہ اور دردانگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج وغم اور درد پیدا نہ کرے وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں، لیکن ان کی سچی اور حقیقی محبت وعظمت اور ان کے مصائب سے حقیقی تاثر، یہ نہیں کہ سارے سال خوش وخرم پھریں، کبھی اُن کا خیال بھی نہ آئے، اور صرف عشرۂ محرم میں واقعۂ شہادت سن کر رولیں، یا ماتم برپا کرلیں، یا تعزیہ داری کا کھیل تماشہ بنائیں، سارے سال گرمی کی شدت کے زمانہ میں کسی کی پیاس کا خیال نہ آئے اور محرم کی پہلی تاریخ کو اگرچہ سردی پڑ رہی ہو کسی کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہ ہو، شہدائے کربلا کے نام کی سبیل کا ڈھونگ بنایا جائے، بلکہ حقیقی ہمدردی اور محبت یہ ہے کہ جس مقصدِ عظیم کے لئے انہوں نے یہ قربانی دی، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی اپنی ہمت کے مطابق ایثار وقربانی پیش کریں، ان کے اخلاق واعمال کی پیروی کو سعادتِ دنیا وآخرت سمجھیں۔ وہ مقصد، اگر آپ نے اس رسالہ کو اور اس میں حضرت حسینؓ کے ارشادات اور خطبات کو بغور پڑھا ہے تو اس کے متعین کرنے میں آپ کو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ملے گی۔ میں یاددہانی کے لئے پھر آپ کے کچھ کلمات کا اعادہ کرتا ہوں:

حضرت حسینؓ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی؟

اس رسالہ میں آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھا جو اہلِ بصرہ کے نام لکھا تھا جس کے چند جملے یہ ہیں:

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے اور بدعات پھیلائی جارہی ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی حفاظت کرو اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لئے کوشش کرو۔''

(کامل ابنِ اثیر: ص۹، ج۴)

فرزدق شاعر کے جواب میں جو کلمات کوفہ کے راستے میں آپ نے ارشاد فرمائے، اس کے چند جملے یہ ہیں:

''اگر تقدیرِ الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر کریں گے، اور ہم شکر ادا کرنے میں بھی اسی کی اعانت طلب کرتے ہیں کہ ادائے شکر کی توفیق دی، اور اگر تقدیرِ الٰہی مراد میں حائل ہوگئی تو اس شخص کا کچھ قصور نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔'' (ابنِ اثیر)

میدانِ جنگ کے خطبہ کے یہ الفاظ غور سے پڑھئے جس میں ظلم و جور کے مقابلہ کے لئے محض اللہ کے لئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ میدانِ جنگ کا تیسرا خطبہ اور اس کے بعد حر بن یزید کے جواب میں ایک صحابی کے اشعار کو غور سے پڑھئے جس کے چند جملے یہ ہیں:

''موت میں کسی جوان کے لئے عار نہیں، جبکہ اس کی نیت خیر ہو اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو۔''

عین میدانِ کارزار میں صاحبزادہ علی اکبرؓ کا حضرت حسینؓ کا خواب سن کر کہنا کہ ابا جان! کیا ہم حق پر نہیں، آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کی طرف سب بندگانِ خدا کا رجوع ہے، بلاشبہ ہم حق پر ہیں۔ اس کو مکرر پڑھئے۔

اہلِ بیت کے سامنے آپ کے آخری ارشادات کے یہ جملے پھر پڑھئے:

''میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی۔ یا اللہ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافتِ نبوت سے نوازا اور ہمیں کان، آنکھ اور دل دیئے جس سے ہم آپ کی آیات سمجھیں اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی، ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرمالیجئے۔''

ان خطبات اور کلمات کو سننے پڑھنے کے بعد بھی کیا کسی مسلمان کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جہاد اور حیرت انگیز قربانی اپنی حکومت و اقتدار کے لئے تھی؟ بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو اس مقدس ہستی کی عظیم الشان قربانی کو ان کی تصریحات کے خلاف بعض دنیوی عزت و اقتدار کی خاطر قرار دیتے ہیں۔ حقیقت وہی ہے جو شروع میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سارا جہاد صرف اس لئے تھا کہ:

* کتاب و سنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دیں،

* اسلام کے نظامِ عدل کو از سرِ نو قائم کریں،
* اسلام میں خلافتِ نبوت کے بجائے ملوکیت و آمریت کی بدعت کا مقابلہ کریں،
* حق کے مقابلہ میں نہ زور و زر کی نمائش سے مرعوب ہوں اور نہ جان و مال اور اولاد کا خوف اس راستہ میں حائل ہو۔
* خوف و ہراس اور مصیبت و مشقت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں، اور اسی پر ہر حال میں توکل و اعتماد ہو، اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی اس کے شکر گزار بندے ثابت ہوں۔

کوئی ہے جو جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مظلوم کربلا، شہید جور و جفا کی اس پکار کو سنے اور ان کے مشن کو ان کے نقشِ قدم پر انجام دینے کے لئے تیار ہو؟ ان کے اخلاقِ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرائے؟

یا اللہ! ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام اور اہلِ بیتِ اطہار کی معیت کاملہ اور اتباعِ کامل نصیب فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا ارْزُقْنَا مِنْ حُبِّكَ وَحُبِّ رَسُوْلِكَ وَحُبِّ أَهْلِ بَيْتِهِ الْأَطْهَارِ وَأَصْحَابِهِ الْأَبْرَارِ مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ وَصَفْوَةِ رُسُلِهِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ، وَلَا سِيَّمَا سَيِّدَيْ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

العبد الضعیف
مفتی محمد شفیع (کان اللہ لہ)
عاشوراء سنہ ۱۳۷۵ھ
صدر مجلس منتظمہ دار العلوم کراچی

خلافت معاویہؓ ویزید

"ایک جائزہ"

جناب مولانا مجاہد الاسلام القاسمی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافت معاویہؓ ویزید

(ایک جائزہ)

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ مدرس جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر نے رسوائے زمانہ محمود عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' پر ''ایک جائزہ'' کے عنوان سے بھرپور علمی تحلیل وتجزیہ پر مشتمل یہ مضمون ماہنامہ ''برہان'' دہلی کی اشاعت جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔

پاکستان میں قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب ''سیدنا علیؓ وسیدنا حسینؓ'' حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینیؒ نے شائع کی تو اس مضمون کو بطور ضمیمہ کے ص ۲۸۹ سے ۳۰۵ پر شائع کیا۔ ہم نے مضمون کو مستقلاً ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں چھٹے نمبر پر شامل اشاعت کیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ مضمون دریا بکوزہ بند کا مصداق ہے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمود احمد عباسی صاحب کی تالیف "خلافتِ معاویہؓ و یزید" اس وقت پورے ملک میں محلِ بحث ونظر بنی ہوئی ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا اور جو کچھ محسوس کیا اسے پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔

کتاب کی ابتداء عرضِ مؤلف سے ہوتی ہے۔ مصنف نے پیش لفظ میں جہاں عہد بنو امیہ کی برکات پر روشنی ڈالی ہے، وہاں تمام مستند تاریخوں کے درجۂ استناد کو بھی چیلنج کیا ہے۔ مصنف کے نقطۂ نظر سے بنو امیہ کے بارے میں دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات اور من گھڑت افسانوں کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا۔ اس طرح اسلامی تاریخ کی جتنی معتبر کتابیں ہیں ان کو بیچ سے یک قلم نکال دیا گیا ہے۔ اگر مصنف کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر نہایت سہولت کے ساتھ تاریخ کے ان تمام اہم واقعات کا انکار کیا جا سکتا ہے جن پر شک و وہم کا کوئی گذر نہیں۔ تحقیق وتنقید کا یہ طریقہ تو صحیح ہے کہ مخالف و موافق آراء واقوال کو سامنے رکھ کر اصولِ روایت اور اصولِ درایت کی بنیاد پر سچ کو جھوٹ سے الگ کیا جائے اور صحیح صورتِ حال کی تحقیق کی جائے، لیکن تحقیق کا یہ طریقہ بالکل انوکھا ہے کہ ایک رائے پہلے سے قائم کر لی جائے، پھر اگر اس مزعومہ نقطۂ نظر کے خلاف کوئی بات کسی مؤرخ نے لکھ دی ہے، تو اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کی خاطر اس تصنیف اور اس کے تمام مواد کو غلط قرار دیا جائے۔ تاریخ طبری یا اس طرح کی دوسری تاریخیں ظاہر ہے کہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں جن کی پیش کردہ معلومات کو "لاریب فیہ" کی سند حاصل نہیں، ان میں صحیح غلط کا احتمال ہے، بنا بریں صحیح طریق کار یہ ہے کہ ان روایات پر جرح ونقد کیا جائے اور صحیح کو غلط سے الگ کیا جائے، لیکن اگر ان تمام روایات کو غلط قرار دینے کے لئے امام ابن جریر طبریؒ جیسے امامِ اہلِ سنت والجماعت پر شیعی اور غالی شیعی کا لیبل لگا دیا جائے، تو اسے صحیح طریق کار نہیں کہا جا سکتا۔

مصنف نے اس پوری جماعت مؤرخین میں سے صرف ''ابنِ خلدون'' بخشا ہے اوران پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی ہے اور نام نہاد مؤرخین کے بارے میں صاف کہا ہے کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے لتھیڑ ڈالا۔'' (ص ۷)

ص ۱۵ سے مولوی علی احمد عباسی کے قلم سے ''تعارف'' ہے، اس میں بھی تاریخ کو دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات سے بھر دینے اور تاریخ اسلام کو مسخ کر دینے کا الزام قائم کیا گیا ہے اور پھر سبائی تحریک کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پھر جناب تمنا عمادی کا لکھا ہوا مقدمہ ہے۔ اس میں ان تعصبات اور غلو پر تبصرہ کیا گیا ہے جو تاریخی روایات پر اثر انداز رہے ہیں۔ اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔

اصل کتاب کے بنیادی مباحث یہ ہیں کہ یزید خلیفۂ عادل ہے، وہ اعلیٰ کردار، بلند کیرکٹر اور مختلف خوبیوں کا حامل تھا، اس کی خلافت جائز تھی، اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق تھا اور حضرت حسینؓ بن علیؓ کا خروج قطعاً جائز نہیں تھا۔ ان کے خروج کی حیثیت خلیفۂ عادل کے مقابلے میں کسی باغی کے خروج کی ہے۔ ان کا قتل محض ایک اتفاقی واقعہ تھا جو خود اُن کے سبائی ساتھیوں کی وجہ سے پیش آ گیا۔

کتاب میں ضمنی طور پر کہیں کہیں خود حضرت علیؓ پر بھی بے جا نقد کیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے موازنہ کرتے ہوئے کہیں لکھا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی بیعت ہی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ ''انہوں نے کبھی کوئی ملک فتح نہ کیا''، ''ان کے زمانے میں کبھی جہاد نہ ہوا''، اپنے زمانۂ خلافت میں کبھی انہوں نے حج نہ کیا اور نہ امارتِ حج کے فرائض ادا کئے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی اولاد میں سے بھی کبھی کسی نے امارتِ حج کے فرائض ادا نہیں کئے۔ بخلاف حضرت معاویہؓ اور ''ان کے لائق فرزند امیر یزید'' کے کہ انہوں نے تین بار امارتِ حج کے فرائض ادا کئے۔ وغیرہ وغیرہ!

اس طرح بعض دیگر جگہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف حضرت علیؓ پر حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں بلکہ یزید کو بھی فوقیت دینا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت معاویہ کے فضائل کا ذکر کرتے کرتے سیاست و مصلحت میں حضرت عمر فاروق سے بھی انہیں بڑھا دیتے ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تمام علماء سلف کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ہم ان کے باہمی نزاعات کے بارے میں کف لسان کریں اور خواہ مخواہ کے لئے تفضیل و موازنہ کی بحثوں سے اپنی زبان و قلم کو آلودہ نہ کریں۔

ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ، معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، حسینؓ و حسنؓ یہ سب آفتاب و مہتاب تھے۔ ان سب نے آفتاب نبوت سے روشنی حاصل کی تھی اور سب ہمارے لئے منبع ہدایت تھے۔ قرآن کریم نے انہیں "رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ" کا امتیاز بخشا اور جناب رسالتؐ نے "أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ" فرمادیا۔

انہی حضرات کی جدوجہد نے دین کو محفوظ و مامون شکل میں ہم تک پہنچایا اور ان کا یہ احسان قیامت تک امت کے سر پر رہے گا۔ تمام محتاط اہل قلم نے صحابۂ کرامؓ کو ان کے باہمی نزاعات میں مخلص تسلیم کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حضرات اپنی اجتہادی رائیوں پر عامل تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اختلاف ظنی مسائل میں ہوا ہے اور وہ ان مسائل میں اجتہاد کے مجاز تھے۔ ان کی بلند کرداری، للّٰہیت، خلوص اور خدا پرستی کی سچی زندگی اس پر شاہد ہے کہ صحابہؓ اپنی خواہش نفس کے پیرو نہیں تھے۔ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر جزئیہ میں صرف "رضائے الٰہی" کو سامنے رکھتے تھے۔ یہی ان کا مطمح نظر تھا اور یہی ان کا نصب العین۔

بہرحال کتاب کے جن بنیادی مباحث پر گفتگو کرنی ہے ان کے تجزیہ سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے اقتباسات پیش کئے جائیں اور نتائج نکال کر گفتگو کی جائے۔

مصنف ص ۴۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

"ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابۂ رسول اکرم ﷺ اور تابعین کرام کی شامل تھی، امیر یزید کی سیرت اور کردار میں کوئی ایسی خامی نظر نہیں

آتی تھی جس کی بناء پر عقدِ بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج وبغاوت کا جواز نکالا جائے۔"

ص ۸۹ پر لکھا ہے:

"علم وفضل، تقویٰ و پرہیز گاری، پابندیِ صوم وصلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ ومتین تھے۔"

ص ۶۷ پر دیکھئے:

"سیرتِ امیر یزید کا مختصر تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔"

ص ۶۷ پر تحریر ہے:

"نبی ﷺ کے ارشادات اور احکامِ شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ حضرت حسینؓ کو امیر یزید کے خلاف اقدامِ خروج کا جواز مطلقاً نہ تھا۔"

مصنف نے یزید کے ایک شعر سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ (ص ۷۵)

اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ایک یوروپین مؤرخ دوزی کے جملے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آزاد اور بے لاگ مؤرخین نے حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مؤرخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابلِ لحاظ ہے، وہ لکھتا ہے: "ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خد و خال بھرے اور حضرت حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش وخطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حسبِ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں

عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے، اس لئے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعوائے خلافت کو ثابت نہ کر سکے۔" (ص ۷۶)

اسی طرح ص ۹۷ پر "اقدامِ خروج کی غلطی" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"کردارِ خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ہی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔" (ص ۹۷)

پھر ص ۱۷۹ پر جو کچھ لکھتے ہیں، اسے غور سے پڑھا جائے:

"اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا، تب بھی دینی زاویۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں، ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ پر۔"

حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ امت کی بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ ان کے قبضہ میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انہیں حاصل تھی، پھر جب ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے، تو امیر یزید تو مسلمہ خلیفہ تھے جن کا پرچم تمام عالمِ اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علی ابن الحنفیہ جیسی مقتدر اور مقدس ہستیاں داخل تھیں۔ وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا محاسبہ کریں۔" (ص ۱۷۹)

حاصل یہی ہوا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، ان کی بڑی اکثریت ان کے خلاف تھی اور جمہورِ امت کی حمایت حاصل نہیں تھی، اگر وہ حضرت

معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف فوجی کارروائی کر سکتے ہیں، تو شرعاً یزید کو جو متفق علیہ عادل خلیفہ تھا، جس کی حکومت کا پرچم تمام عالمِ اسلام پر لہراتا تھا، اس کا حق کیوں نہیں کہ وہ حضرت حسینؓ پر تلوار اٹھائے جو حکومتِ عادلہ سے بغاوت کے مجرم تھے۔

آگے مصنف نے خود واضح کیا ہے:

حضرت علی مرتضیٰ کی تلوار اگر اُمّ المومنین عائشہؓ کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے،.... تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی؟''

اس کے بعد مصنف نے حضرت حسینؓ کی دعوت اور تحریک کی بنیاد کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے کہ:

''حضرت حسینؓ کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی ﷺ کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔''

اس طرح حضرت حسینؓ بن علیؓ مصنف کے نقطۂ نظر سے محض خاندانی اور نسلی فضائل کی بنیاد پر یزید کے خلاف دعوتِ خلافت لے کر اٹھے تھے اور ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کے دعاوی تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے؛ اسی لئے مصنف کے خیال میں حضرت حسینؓ ایک حکومتِ عادلہ اور خلافتِ صحیحہ کے باغی تھے، لیکن اس جرمِ بغاوت کے باوجود شروع سے ان کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی گئی۔

خود لکھتے ہیں:

''باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی۔''

(صفحہ ۱۷۱)

ان اقتباسات اور کتاب میں پھیلے ہوئے دوسرے خیالات کی روشنی میں مصنف کے تصورات کا خلاصہ یہ ہے:

الف: یزید علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری کا جامع تھا۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھا۔ خلافت کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ اس میں موجود تھیں۔

ب: ان سب باتوں کے بعد وہ خلیفہ منتخب ہوا۔

ج: صحابہ کرامؓ اور جمہور اصحابِ حل وعقد اس کی خلافت پر متفق تھے اور کردارِ یزید میں کوئی ایسی خامی نہ پاتے تھے جس کی بنیاد پر اس کے خلاف خروج کو جائز کیا جائے۔

د: ایسے عادل اور متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج شرعاً حرام ہوگا اور اسے خلافتِ عادلہ کے خلاف بغاوت کہا جائے گا۔

ر: ان مقدمات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ کا اقدامِ خروج حرام ہوگا اور بغاوت؛ اور چونکہ حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ کی حیات میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت بھی کر لی تھی، اس لئے وہ شرعاً غدر اور نقضِ عہد کے مجرم تھے۔

س: ان سب امور سے زیادہ اہم جرم ان پر یہ عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی دعوت اور تحریک کی بنیاد ہی ایک ایسی غلط بات پر رکھی جو قطعاً شریعتِ اسلامی کی روح کے خلاف ہے۔ اسلام آیا ہی تھا نسلی عصبیت اور ہواداری کو مٹانے اور اسے جڑ سے اکھیڑنے؛ پس حضرت حسینؓ کا مطالبہ خود مصنف کے الفاظ میں ایسا نہ تھا کہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے، نہ سنتِ رسول اللہ ﷺ سے، نہ خلفائے راشدینؓ کے عمل سے اور نہ عزائمِ اہلِ بیت سے۔ (ص ۱۸)

لیکن ان سب جرائم کے باوجود حکومتِ وقت نے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی۔ حضرت حسینؓ کربلا پہنچے اور ان کی ملاقات اس فوجی دستے سے ہوئی جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں نے، جو سبائی ذہنیت رکھتے تھے، اس دستے پر حملہ کر دیا اور اچانک جنگ چھڑ گئی اور یہ واقعۂ محزونہ پیش آ گیا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد راقم الحروف نے جو کچھ محسوس کیا وہ یہی امور ہیں، اور مجھے امید ہے کہ تمام اہلِ انصاف اس احساس میں شریک ہوں گے۔ کتاب کے پیش کردہ مندرجہ بالا تصورات حق ہیں یا باطل، اس کے فیصلے کی ایک راہ یہ ہے کہ ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ اس سلسلے میں تاریخ کی تمام کتابیں واضح نظریات پیش

کرتی ہیں، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، مصنف کو عام کتبِ تاریخ پر اعتماد نہیں ہے؛ ہاں ان کو ان تمام کتبِ تاریخ میں ابنِ خلدون پر اعتماد ہے، جیسا کہ مصنف کی تصریح گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

"علامہ موصوف نے ولایتِ عہد کی بحث میں امیر یزید کی ولی عہدی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے پیشِ نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحۂ کربلا کے موجبات کو اسی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی، جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے، صرف یہی تین ورق جو اس حادثے کے بارے میں تھے، ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فردِ بشر کو چار دانگِ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے۔" (صفحہ ۸، عرضِ مؤلف)

مصنف کا یہ استنباط کس حد تک صحیح ہے اس سے بحث نہیں، یہاں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف کو ابنِ خلدون پر پورا بھروسہ ہے، اس لئے ہم دوسری تاریخوں کا سہارا لینے کے بجائے خود ابنِ خلدون کی رائے مذکورہ بالا مسائل کے بارے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا یزید عادل، متقی اور پرہیزگار تھا؟

علامہ ابنِ خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ میں (جو ان کی تاریخی معلومات اور تحقیقات کا نچوڑ ہے) اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے کہ تمام صحابہؓ شمعِ ہدایت تھے، ان کی عدالت، ان کا تقویٰ اور ان کا اخلاص محتاجِ بحث ونظر نہیں، وہ اس سے بہت بالاتر ہیں کہ ان کے بارے میں نفسانیت کا وہم بھی کیا جائے؛ اس لئے حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا بھی دینی مصلحت سے تھا، اور ان مباحث کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:

وَعَرَضَ هُنَا أُمُوْرٌ تَدْعُو الضَّرُوْرَةُ إِلَى بَيَانِ الْحَقِّ فِيْهَا (۱۷۶)

ترجمہ: یہاں چند معاملات ایسے ہیں جن کے بارے میں حق کا واضح

کر دینا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال کیا ہے؟ اور ابنِ خلدون نے اسے کس طرح حل کیا ہے؟ ذرا غور سے سنئے، وہ کہتا ہے:

فَالْأَوَّلُ مِنْهَا مَا حَدَثَ فِيْ يَزِيْدَ مِنَ الْفِسْقِ أَيَّامَ خِلَافَتِهِ(۱۷۶)

ترجمہ: پہلا مسئلہ تو یزید کے فسق کا ہے جو اس کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یزید فاسق تھا تو حضرت معاویہؓ جیسے مخلص صحابی نے اسے ولی عہد کیوں بنایا؟ اس کا ضرور خیال رکھئے گا کہ ابنِ خلدون ن مَا حَدَثَ مِنَ الْفِسْقِ (یزید کے فسق) کا جزم و یقین کے ساتھ ذکر کرتا ہے؛ مَا يُرْوٰى (روایت کیا جاتا ہے)، مَا يُقَالُ (کہا جاتا ہے)، مَا يُنْسَبُ (فسق کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے) یا اس طرح کے دوسرے الفاظ استعمال نہ کئے جس سے یہ سمجھا جاتا کہ ان کے نزدیک یہ روایات کمزور اور واہی ہیں۔

اور اگر فسقِ یزید کی روایتیں واہیات و مخترعات تھیں تو اس کا صاف جواب یہی تھا کہ ابنِ خلدون ان روایتوں پر نقد کرتے جیسا کہ ان کی عادت ہے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں دوسرے جواب کا سہارا لینا پڑا، وہ لکھتے ہیں:

فَإِيَّاكَ أَنْ تَظُنَّ بِمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ عَلِمَ ذٰلِكَ مِنْ يَزِيْدَ فَإِنَّهُ أَعْدَلُ مِنْ ذٰلِكَ وَأَفْضَلُ(۱۷۶)

ترجمہ: ہرگز ہرگز تم حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ گمان مت کرنا کہ وہ یزید کے اس فسق سے واقف تھے اور انہوں نے اسے (پھر بھی ولی عہد بنا دیا)، وہ اس سے بالاتر اور بلند ہیں۔''

یزید کو ابنِ خلدون عدالت و تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر سمجھتے ہیں یا فسق و فجور کا مرتکب، اس کا اندازہ تو مندرجہ بالا جملوں ہی سے ہو جاتا ہے؛ لیکن اگلے جملے میں تو ابنِ خلدون نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ یزید کی طرف جو موسیقی اور گانے بجانے کے

شوق کی نسبت کی جاتی ہے وہ صحیح ہے اور حضرت معاویہؓ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکی تھی اور حضرت معاویہؓ اس کی اس حرکت پر ملامت بھی کرتے تھے:

بَلْ كَانَ يَعْذُلُهُ أَيَّامَ حَيَاتِهِ فِيْ سَمَاعِ الْغِنَاءِ وَيَنْهَاهُ عَنْهُ. (ص ۱۷۶)

ترجمہ: بلکہ حضرت معاویہؓ یزید کو اپنی زندگی میں غنا کے سننے پر ملامت کرتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے۔"

ابھی تو مندرجہ بالا تصریح پر قناعت کیجئے، آئندہ صفحات میں اس مسئلے کی کچھ اور تفصیل آرہی ہے۔

صحابہؓ کا موقف یزید کے بارے میں

مصنف نے بہت تفصیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہؓ یزید کی امارت پر خاموش ہی نہیں رہے بلکہ انہوں نے اس کی خلافت کو بخوشی قبول کیا، مختلف عہدوں کو قبول کیا، اس لئے کہ وہ یزید کو عادل و متقی اور خلافت کے لائق سمجھتے تھے، ان کے خیال میں یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی وغیرہ وغیرہ۔

دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف خلافتِ یزید اور کردارِ یزید کے بارے میں کیا تھا؟ کیا وہ واقعتاً اس کی عدالت و تقویٰ کے معترف تھے اور اسی لئے وہ حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روک رہے تھے؟ ابنِ خلدون یزید کے فسق اور اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

وَلَمَّا حَدَثَ فِيْ يَزِيْدَ مَا حَدَثَ مِنَ الْفِسْقِ اخْتَلَفَتِ الصَّحَابَةُ حِيْنَئِذٍ فِيْ شَأْنِهِ. (۱۷۷)

ترجمہ: جب یزید میں فسق و فجور ظاہر ہوا تو اس وقت صحابہؓ کے مابین اس کے بارے میں اختلافِ رائے ہوا۔"

خیال رکھئے کہ یزید کا فسق محتاجِ بحث مسئلہ نہ تھا، اختلاف ہوا تو اس میں کہ اس امامِ فاسق کے سلسلے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔

فَمِنْهُمْ مَنْ رَأَى الْخُرُوْجَ عَلَيْهِ وَنَقْضَ بَيْعَتِهِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَمَا فَعَلَ الْحُسَيْنُ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنِ اتَّبَعَهُمَا فِيْ ذٰلِكَ. (۱۰۷)

ترجمہ: پس صحابہؓ کی ایک جماعت تو یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کے فسق و فجور کی وجہ سے بیعت توڑنے کی قائل تھی، جیسا کہ حضرت حسینؓ اور ابنِ زبیرؓ نیز ان کے متبعین نے کیا۔

اور دوسری جماعت کا مسلک یہ تھا:

وَمِنْهُمْ مَنْ أَبَاهُ

ترجمہ: اور صحابہؓ کی دوسری جماعت خروج کی منکر تھی۔"

کیوں؟ کیا اس لئے کہ یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی؟ نہیں، بلکہ:

لِمَا فِيْهِ مِنْ إِثَارَةِ الْفِتْنَةِ وَ كَثْرَةِ الْقَتْلِ مَعَ الْعَجْزِ عَنِ الْوَفَاءِ بِهِ.

ترجمہ: "اس لئے کہ اس سے فتنہ اٹھے گا اور قتل و قتال ہوگا، پھر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ یہ دعوت پوری ہوگی۔"

اب ان صحابہؓ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ بھی سنئے:

فَأَقْصَرُوْا عَنْ يَزِيْدَ بِسَبَبِ ذٰلِكَ

ترجمہ: اسی فتنہ و فساد کے خوف سے یزید کے خلاف خروج سے احتراز کیا۔

اور:

أَقَامُوْا عَلَى الدُّعَاءِ بِهِدَايَتِهِ وَالرَّاحَةِ مِنْهُ

ترجمہ: "اب وہ لوگ یزید کی ہدایت اور اس سے مسلمانوں کی نجات کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہو گئے۔"

صحابہ کرامؓ کا مسلک یزید کے بارے میں جو کچھ تھا اس کا خلاصہ یہی ہوا کہ فاسق اسے سب ہی سمجھتے تھے؛ بعضوں نے اس بلا سے نجات دلانے کے لئے خروج کیا اور اپنی جانیں حکومتِ عادلہ اور خلافتِ راشدہ کے قیام کی جدوجہد میں قربان کر دیں، دوسری جماعت

نے عام مسلمانوں کو فتنہ وفساد سے بچانے کی خاطر سکوت اختیار کیا اور دعا کی راہ اختیار کی۔
ابنِ خلدون نے اس اختلافِ رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت قیمتی جملے لکھے ہیں:

وَالْكُلُّ مُجْتَهِدُوْنَ وَلَا يُنْكَرُ عَلٰى أَحَدٍ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ فَمَقَاصِدُهُمْ فِي الْبِرِّ وَتَحَرِّي الْحَقِّ مَعْرُوْفَةٌ وَفَّقَنَا اللّٰهُ لِلِاقْتِدَاءِ بِهِمْ. (۱۷۷)

ترجمہ: یہ سب حضرات مجتہد تھے، ان میں سے کسی پر نکیر کرنا جائز نہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ان سب حضرات کا نصب العین صرف نیکی اور حق ہوتا تھا، اللہ ان کی اقتداء کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں خروج کیا؟ ان کی دعوت کیا تھی؟ کیا وہ محض نسلی فضیلت کی بنیاد پر دعویٰ خلافت لے کر اٹھے تھے؟

جیسا کہ عرض کیا گیا، محمود احمد عباسی صاحب کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ بن علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت محض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں، اس لئے انہیں خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مصنف کا یہ نقطۂ نظر ایسا نہیں ہے جس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت پیش کی جائے، بلکہ تاریخ کا جائزہ ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے اقدام کا نصب العین خلافتِ عادلہ صحیحہ کا قیام تھا۔ یزید کا فسق خلافتِ نبوت کو خلافتِ قیصر وکسریٰ سے بدل رہا تھا؛ یہ فسق گھر کی چار دیواریوں میں محدود نہ رہا تھا بلکہ عوام الناس کے سامنے کھل چکا تھا۔ اس وقت حضرت امام حسینؓ بن علیؓ کے اجتہاد نے اس طرف رہنمائی کی کہ اس امامِ جائر کے سامنے حق کا اظہار ضروری ہے، اور انہوں نے اس راہ میں اپنی جان دے دی۔ ابنِ خلدون لکھتا ہے:

وَأَمَّا الْحُسَيْنُ فَإِنَّهُ لَمَّا ظَهَرَ فِسْقُ يَزِيْدَ عِنْدَ الْكَافَّةِ مِنْ أَهْلِ عَصْرِهِ بَعَثَتْ شِيْعَةُ أَهْلِ الْبَيْتِ بِالْكُوْفَةِ لِلْحُسَيْنِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ فَيَقُوْمُوْا بِأَمْرِهِ. (۱۸۰)

ترجمہ: "حضرت حسینؓ کا معاملہ یہ ہوا کہ جب یزید کا فسق اس زمانے کے تمام لوگوں کے سامنے کھل گیا تو کوفہ کے طرفداران اہلِ بیت نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں اور یہ لوگ ان کی سرکردگی میں اٹھ کھڑے ہوں۔"

اب یہاں دو چیزیں ہیں: ایک طرف خلیفہ کا فسق تھا جو تمام پبلک کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے، دوسری طرف اہلِ کوفہ کی دعوت ہے جو تحریک کے لئے شوکت کا سامان مہیا کرتی ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے اپنے کو اس دعوت کا اہل سمجھا اور خروج کا فیصلہ کیا اور اہلِ کوفہ کے اس پیغام پر لبیک کہا۔ اب آپ غور کریں کہ کیا حضرت حسینؓ نے اس پکار پر لبیک محض اس لئے کہا کہ وہ جاہ و اقتدار کے بھوکے تھے یا محض اس لئے کہ وہ نبی ﷺ کے نواسے تھے؟ ابنِ خلدون لکھتا ہے:

رَأَى الْحُسَيْنُ أَنَّ الْخُرُوجَ عَلٰى يَزِيْدَ مُتَعَيِّنٌ مِنْ أَجْلِ فِسْقِهٖ لَا سِيَّمَا مَنْ لَهُ الْقُدْرَةُ عَلٰى ذٰلِكَ.(۱۸۰)

ترجمہ: حضرت حسینؓ نے رائے قائم کی کہ یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے اب اس کے خلاف خروج ضروری ہے، خصوصاً اس شخص پر جو اس کی قدرت رکھتا ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کی وجہ یزید کی نااہلی تھی، ان کا اپنا نسلی استحقاق نہیں۔ آگے چل کر ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ:

"حضرت حسینؓ نے اپنے اندر خروج کی قدرت محسوس کی اپنی اہلیت اور اپنی شوکت کی وجہ سے۔"

ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ جہاں تک خلافت کی اہلیت اور صلاحیت کا تعلق ہے:

فَكَانَ كَمَا ظَنَّ وَزِيَادَةٌ

ترجمہ: اہلیت جیسی وہ سمجھتے تھے ویسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

ہاں، شوکت کے اندازے میں ان سے غلطی ہوئی، اس لئے کہ اس وقت ساری

کلیدی طاقتیں اور عصبیت بنوامیہ کے ہاتھ میں تھی۔ زمانہ جاہلیت کی عصبیت جو اہم مسائل کے پیش آجانے کی وجہ سے دب گئی تھی، پھر ابھر آئی تھی، اس لئے اس کا مقابلہ مشکل تھا۔ اس تفصیل کے بعد لکھتا ہے کہ:

قَدْ تَبَيَّنَ لَكَ غَلَطُ الْحُسَيْنِ إِلَّا أَنَّهُ فِيْ أَمْرٍ دُنْيَوِيٍّ وَلَا يَضُرُّهُ الْغَلَطُ فِيْهِ.(۱۸۱)

ترجمہ: حضرت حسینؓ کے اندازے کی غلطی تمہارے سامنے واضح ہو گئی، لیکن خیال رکھو کہ یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور دنیاوی (سیاسی) غلطی سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

رہا اس خروج کا شرعی حکم، تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کی بنیاد مجتہد کے اجتہاد پر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت امامؓ کے خروج کی بنیاد یزید کا فسق وفجور تھا، ان کی تحریک کی بنیاد خلافتِ عادلہ کا قیام تھا؛ وہ خدا نخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی فضیلت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی نہ تھے۔

صحابہؓ کا موقف حضرت حسینؓ کے بارے میں

جب عام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مسلک سامنے آگیا کہ وہ یزید کے فسق کے باوجود اس کے خلاف خروج کے قائل نہ تھے محض اس لئے کہ فتنہ وفساد کا خطرہ تھا۔ عام صحابہؓ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امامؓ کا ساتھ تو نہ دے سکے:

لَمْ يُتَابِعُوا الْحُسَيْنَ. ترجمہ: انہوں نے حضرت حسینؓ کی اتباع نہ کی۔

لیکن امام حسینؓ کو غیر اسلامی تحریک کا داعی اور گنہگار بھی نہ کہا:

وَلَا أَنْكَرُوْا عَلَيْهِ وَلَا أَثَّمُوْهُ(۱۸۰)

ترجمہ: نہ انہوں نے حضرت حسینؓ پر نکیر کی اور نہ انہیں گنہگار قرار دیا۔

اور عام صحابہؓ کو حضرت حسینؓ نے بھی مورد الزام قرار نہیں دیا، اس لئے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر عامل تھے؛ لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر

انہیں صحابہؓ کو گواہ بناتے تھے جو عملاً ان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے اور کربلا میں اعلان کرتے تھے:

يَسْتَشْهِدُ بِهِمْ وَهُوَ يُقَاتِلُ بِكَرْبَلَاءَ عَلَى فَضْلِهِ وَحَقِّهِ وَيَقُوْلُ سَلُوْا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ وَأَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَسَهْلَ بْنَ سَعِيْدٍ وَزَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ وَأَمْثَالَهُمْ. (۱۸۰)

ترجمہ: حسینؓ جب کربلا میں قتال کر رہے تھے، انہیں صحابہؓ کو اپنے فضل اور اپنے حق پر گواہ بناتے تھے اور کہتے تھے: پوچھو جابر بن عبداللہؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعیدؓ اور زید بن ارقمؓ وغیرہ سے)

خلاصہ یہی ہوا کہ حضرت حسینؓ بن علیؓ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر یزیدیوں سے نبرد آزما ہوئے، اور عام صحابہؓ نے فتنہ وفساد کا خیال کرتے ہوئے اسی میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کے لئے دعا کی جائے اور اس سے نجات اور راحت کی دعا کی جائے۔ حضرت حسینؓ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہؓ بھی یزید کے فسق سے واقف ہیں اور وہ بھی خلافتِ عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں، لیکن بنو امیہ کی طاقت اور عصبیت کی بنا پر کسی نئی تحریک کا بارآور ہونا مشکل ہے اور پھر مسلمانوں کے مابین قتل وخون کا اندیشہ ہے، اس لئے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے حضرت حسینؓ نے انہیں مدد نہ کرنے پر موردِ الزام بھی نہ سمجھا، اور دوسری طرف انہیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے۔ یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت حسینؓ کو اس اقدام یا کوفہ کی طرف جانے سے روکا تھا، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ''یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج ناجائز ہو،'' بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جس میں یہ تحریک کامیاب ہو سکے۔

کیا یزید اور دوسروں کے لئے حضرت حسینؓ سے قتال جائز تھا؟

اس شبہہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ کیا حضرت حسینؓ کے قتل میں صحابہؓ کی رائے کو بھی دخل تھا، ابنِ خلدون لکھتا ہے: ''حضرت حسینؓ سے یزیدیوں کا قتال حضراتِ صحابہؓ

کی رائے اور ان کے اجتہاد سے نہ تھا۔" (۱۸۱)، بلکہ:

إِنَّمَا انْفَرَدَ بِقِتَالِهِ يَزِيْدُ وَأَصْحَابُهُ. (۱۸۰)

ترجمہ: بلکہ ان کے قتال کے ذمہ دار صرف یزید اور اس کے ساتھی ہیں۔

اس کے بعد اس طرح کے خیالات کی تردید کرتا ہے کہ جب حضرت حسینؓ باغی تھے تو ان سے قتال شرعاً جائز ہونا چاہئے اور لکھتا ہے کہ:

"باغیوں سے قتال علماء کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ آپ امامِ عادل کا ساتھ دے رہے ہوں، اور یہاں ایسا نہیں ہے۔"

اس لئے کہ یزید ظاہر ہے کہ عادل نہیں تھا، پس اس کے خلاف خروج امامِ عادل کے خلاف بغاوت نہ ہوگی، لہٰذا شرعاً حضرت حسینؓ سے قتال جائز نہیں ہوگا۔

فَلَا يَجُوْزُ قِتَالُ الْحُسَيْنِ مَعَ يَزِيْدَ وَلَا لِيَزِيْدَ...

ترجمہ: لہٰذا حضرت حسینؓ سے قتال کرنا نہ (دوسروں کے لئے) یزید کی معیت میں جائز تھا اور نہ خود یزید کے لئے جائز تھا۔

اور اگلا جملہ سنئے:

بَلْ هِيَ مِنْ فَعَلَاتِهِ الْمُؤَكِّدَةِ لِفِسْقِهِ. (۱۸۰)

ترجمہ: بلکہ حضرت حسینؓ سے قتل و قتال تو یزید کی ان حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے فسق کو اور پختہ کر دیتی ہے۔

حضرت حسینؓ کی حیثیت اس معاملے میں کیا تھی؟

وَالْحُسَيْنُ فِيْهَا شَهِيْدٌ، مُثَابٌ وَهُوَ عَلَى حَقٍّ وَاجْتِهَادٍ.

ترجمہ: حسین شہید تھے، اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کے مستحق ہوئے، وہ برحق تھے اور اپنے اجتہاد پر عامل۔

ابنِ العربی اور واقعۂ شہادت

قاضی ابوبکر بن العربی نے "العواصم والقواصم" نامی کتاب میں حضرت حسینؓ بن علیؓ کے قتل کو حق بجانب قرار دیا ہے اور اس مسئلے پر بحث کی ہے۔ محمود احمد صاحب عباسی

نے ابنِ عربی کی اس رائے سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ابنِ خلدون اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

قَدْ غَلِطَ الْقَاضِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ الْعَرَبِيِّ الْمَالِكِيُّ فِيْ هٰذَا فَقَالَ فِيْ كِتَابِهِ الَّذِيْ سَمَّاهُ الْعَوَاصِمَ وَالْقَوَاصِمَ مَا مَعْنَاهُ: إِنَّ الْحُسَيْنَ قُتِلَ بِشَرْعِ جَدِّهِ. (۱۸۰)

ترجمہ: قاضی ابوبکر بن العربی مالکیؒ سے اس مسئلے میں غلطی ہوگئی، انہوں نے اپنی کتاب "العواصم والقواصم" میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت حسینؓ اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل کئے گئے۔

ابنِ عربی کا اشارہ اسی طرف ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے باغی کی سزا قتل ہے، اس لئے حضرت حسینؓ کا قتل جائز تھا۔ ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ ابنِ عربی کا یہ خیال غلط ہے، اس لئے کہ باغی کا قتل جائز اس وقت ہوتا ہے جب کہ امام عادل ہو۔ یہاں تو مسئلہ کی صورت ہی دوسری ہے۔ ایک طرف یزید ہے جس کا فسق و فجور روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا تھا، یہ "اہلِ آراء" تھے جو اپنی شہوات اور خواہشِ نفس کے مطابق حکومت چلا رہے تھے؛ دوسری طرف حسینؓ تھے جو مجسم عدالت وتقویٰ اور سراپا شرافت و دیانت تھے۔ پس حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کی حیثیت امامِ عادل کے خلاف بغاوت کی نہیں، بلکہ امامِ جائر و فاسق کے مقابلے میں "حق و صداقت کے علمبرداروں" کے خروج کی ہے۔ یہ حکومتِ عادلہ کے خلاف بغاوت نہیں تھی، بلکہ امامِ جائر کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار تھا اور قتل کا قانون اس بغاوت وسرکشی کے لئے ہے جو امامِ عادل کے مقابلے میں اختیار کی جاتی ہے، نہ کہ اس شخص کے لئے جو کھڑا ہوا ہو "ہرقلیت وکسرویت"، جاہلی عصبیت اور فسق و فجور کو مٹا کر حق و عدالت کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کے لئے؛ پس ایسے شخص کے قتل کو کیسے جائز کہا جاسکتا ہے؟ ابنِ خلدون لکھتا ہے:

وَهُوَ غَلَطٌ حَمَلَتْهُ عَلَيْهِ الْغَفْلَةُ عَنِ اشْتِرَاطِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ وَمَنْ أَعْدَلُ مِنَ الْحُسَيْنِ فِيْ زَمَانِهِ فِيْ إِمَامَتِهِ وَعَدَالَتِهِ فِيْ قِتَالِ أَهْلِ الْآرَاءِ.

ترجمہ: ابنِ عربی کی یہ رائے غلط ہے، انہوں نے یہ غلط رائے اس لئے قائم کی کہ وہ امامِ عادل کی شرط سے غافل ہو گئے اور حضرت حسینؓ سے بڑھ کر ان کے زمانہ میں امامت اور عدالت کے اعتبار سے اہلِ آراء کے قتال کے لئے کون اعدل تھا؟

حاصلِ کلام

ابنِ خلدون کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ یزید فاسق و فاجر تھا، اس کا فسق و فجور عوام و خواص پر ظاہر ہو چکا تھا۔

۲۔ تمام صحابہؓ کو اس کی ان خامیوں کا احساس تھا، لیکن عام صحابہؓ فتنہ و فساد کے خوف سے خروج کے قائل نہیں تھے اور بعض حضرات اس کے فسق کی وجہ سے خروج کو ضروری سمجھتے تھے۔

۳۔ حضرت حسینؓ نے اس وقت خروج کیا جب یزید کا فسق کھل کر سامنے آ گیا۔

۴۔ حضرت حسینؓ پر صحابہؓ نکیر نہیں کرتے تھے اور نہ گنہگار سمجھتے تھے۔

۵۔ حضرت حسینؓ سے قتال کو شرعاً جائز نہیں کہا جا سکتا۔

۶۔ اس قتال کی ذمہ داری یزید اور اس کے ساتھیوں پر آتی ہے۔

۷۔ حضرت حسینؓ برحق تھے، وہ واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے۔

۸۔ حضرت حسینؓ کی حیثیت باغی کی نہ تھی، بلکہ وہ "غلط بنیادوں پر قائم حکومت" کو مٹا کر "جائز اسلامی خلافت اور حکومتِ عادلہ" قائم کرنا چاہتے تھے۔

اب ان حقائق کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیجئے کہ مصنف کے پیش کردہ تصورات کس حد تک صحیح ہیں؟ (از برہان، دہلی، دسمبر ۱۹۵۹ء)

فتنہ خارجیت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتنۂ خارجیت

بدنصیب، محروم القسمت محمود عباسی کی رسوائے زمانہ کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے متعلق دو مکتوب گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے اپنے مرشد خانہ رائے پور شریف میں مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو بھجوائے۔ یہ مکتوب ۱۳ اور ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق ۴ اور ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو تحریر کئے گئے۔

ہمارے مخدوم گرامی اور اس دور میں محبت اہل بیتؓ کے سب سے بڑے علمبردار حضرت سیّد نفیس الحسینیؒ نے کتاب ''سیّدنا علیؓ وسیّدنا حسینؓ'' میں ان کو ۳۱۴ و ۳۱۶ پر بطور ضمیمہ کے شائع فرمایا۔

ہم نے مستقلاً ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں اسے ساتویں نمبر پر شامل اشاعت کیا ہے۔ ان دونوں خطوط مبارکہ سے بدنصیب محمود عباسی کی کتاب کی بابت حضرت شیخ الحدیث کاندھلویؒ اور خانقاہ رائے پوریؒ کے اکابر کی رائے مبارک واضح ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود کوئی بدنصیب اس محمودی کتاب کے گن گائے تو وہ اپنے مقدر پر حسرت کرے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب حضرتؒ شیخ کو اپنے تلمیذ ارشد حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب (جو حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز اور بھتیجے ہیں) کے خطوط سے معلوم ہوا کہ حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' پڑھی جا رہی ہے تو فوراً حضرتؒ نے خطوط کے ذریعہ اس کا مجلس میں پڑھے جانے کو موقوف کرا دیا۔ وہ دونوں خط ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

مکرم و محترم مولوی عبد الجلیل صاحب، مدفیوضکم!

بعد سلام مسنون! اس وقت جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے میر صاحب سے سرسری ملاقات ہوئی کہ ہجوم تھا۔ رسالہ پہنچ گیا مگر دستی پرچہ باوجود میرے سوال کے بھی کوئی نہیں دیا۔ اس کے بعد ڈاک آئی اور اس میں کارڈ پرسوں بدھ کا لکھا ہوا ملا۔ اگرچہ اس وقت جمعہ اور ہجوم کی وجہ سے وقت تنگ ہے، مگر چونکہ اس میں ایک تو حضرتؒ کے نظام الاوقات میں یہ لکھا کہ ایک کتاب ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' کے متعلق سنائی جا رہی ہے۔ اگر یہ وہی عباسی والی ہے تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مجمع میں سنائی جائے۔ جو حدیث شریف سے واقف نہیں، تاریخ پر عبور نہیں رکھتے، ان کو اس کا دیکھنا ہرگز جائز نہیں ہے، سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس بدنصیب نے دیدہ و دانستہ عبارتیں مسخ کی ہیں، مثال کے طور پر لکھتا ہوں کہ حافظ ابن حجرؒ کی ''تہذیب التہذیب'' سے یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ حافظ نے ان سے یزید کی توثیق نقل کی۔ اب ذرا کوئی شخص اصل کتاب کو نکال کر اس میں دیکھے تو معلوم ہو کہ حافظ نے اس میں یہ لکھا ہے کہ یحییٰ جو ایک ثقہ آدمی ہیں، انہوں نے فلاں سے جو ثقہ ہے، یہ نقل کیا کہ میرے سامنے (حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے) کسی نے یزید کو ''امیر المومنین'' لکھ دیا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اسے کوڑے لگوائے کہ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟

اس سے اندازہ کریں کہ اس جاہل نے اس کو یہ لکھا کہ حافظ نے یحییٰ سے یزید کی توثیق نقل کی۔ تعجب ہے کہ مولانا محمد صاحب کے وہاں ہوتے ہوئے بھی یہ کتاب حضرتؒ کی مجلس میں پڑھی جا سکتی ہے۔ نہایت عجلت میں یہ سطور اس لئے لکھ دیں کہ میر جی صاحب آج جا رہے ہیں۔ ڈاک کا خط نہ معلوم کب تک پہنچے۔

حضرت اقدس کی خدمت میں سلام کے بعد دعا کی درخواست۔

فقط زکریا

۴ر جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ

مولانا عبد الجلیل صاحب مدظلہ نے مکتوب بالا کے جواب میں عریضہ لکھ کر واضح فرمایا کہ کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' مجلس عام میں نہیں سنی گئی بلکہ صرف چند مخصوص خدام کی موجودگی میں سنی گئی ہے۔

اس پر دوبارہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے اپنے والا نامہ میں تحریر فرمایا:

''کتاب خلافت معاویہؓ (و یزید) کے متعلق تم نے لکھا ہے کہ خواص کے مجمع میں پڑھی جاتی ہے۔ لیکن جن خواص کا نام آپ نے لکھا ہے وہ بھی تاریخ و حدیث کے زیادہ ماہر نہیں ہیں اور اس کتاب میں بددیانتی سے کام لیا گیا ہے، جو لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ سے نماز کے پڑھنے کی قرآن پاک سے ممانعت کے مشابہ ہے۔''

فقط والسلام!

زکریا، مظاہر العلوم، ۱۷ر جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ

حضرت مولانا انور حسین نفیس رقم صاحب مدظلہ (خلیفہ مجاز حضرت رائپوری قدس سرہٗ) لکھتے ہیں کہ کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کے مندرجات سے حضرت اقدس رائپوریؒ کو جو محبت صحابہؓ و اہل بیتؓ میں ڈوبے ہوئے تھے، کیسے اتفاق ہو سکتا تھا؟ یہ خواندگی تو محض معلومات کے لئے تھی۔ حضرت اقدسؒ نے اپنے مخصوص انداز میں ایک مختصر اور بلیغ جملے سے اس کتاب کی تردید فرما دی۔ فرمایا: ''ہمیں تو اہل بیت کرامؓ سے بھی محبت ہے۔'' انہی دنوں یہ بھی فرمایا کہ ''میں تو ان سیدوں کا غلام ہوں، لیکن شیعوں کا نہیں۔'' کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' دوبارہ کبھی حضرتؒ والا کی مجلس میں دیکھی اور سنی نہ گئی، حالانکہ پسندیدہ کتابیں مجلس مبارک میں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔(۱)

علماء اہل سنت دیوبند نے برملا اس کتاب کی تردید کی اور اس کے مصنف کی فتنہ انگیزی سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کیا۔

---

(۱) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زید مجدہ (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ) کی کتاب ''خارجی فتنہ'' اور ''کشف خارجیت'' اس موضوع پر بہترین کتابیں ہیں۔

حدیث

غزوۂ قسطنطنیہ

اور

مغفرت یزید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیثِ غزوۂ قسطنطنیہ اور مغفرتِ یزید

رسوائے عالم محمود عباسی ناصبی بدنصیب کی کتاب کے ہندوستان میں بروکر اور کمیشن ایجنٹ ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند کے کارپرداز جماعت اسلامی کے رہنما تھے۔ انہوں نے اس کتاب کی تائید میں ایک طویل مضمون ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند کی اشاعت فروری، مارچ ۱۹۶۱ء میں بطور استفتاء کے شائع کیا۔ یہ استفتاء اس وقت کے ہندو پاک کے دس اکابر کو بھیجا گیا، جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ بھی تھے۔ آپ نے اس کا جواب ۱۱ رشوال ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۹ رمارچ ۱۹۶۱ء کو تحریر فرمایا، جسے حضرت نفیس الحسینیؒ نے کتاب ''سیّدنا علیؓ و سیّدنا حسینؓ'' کے ص ۳۲۷ سے ص ۳۵۱ پر بطور ضمیمہ کے شائع فرمایا۔ ہم مستقلاً ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں آٹھویں نمبر پر اسے شامل اشاعت کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

حدیثِ غزوۂ قسطنطنیہ اور مغفرتِ یزید

سن تصنیف: شوال ۱۳۸۰ھ

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللہِ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث پر علمی و تحقیقی بحث؛ غزوۂ قسطنطنیہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کی بخشش و مغفرت اور یزید بن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے بشارت اور ''مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ'' میں داخل ہونے یا نہ ہونے پر ایک گرانقدر اور قیمتی تحریر۔

اسلامی تاریخ کے اس معرکۃ الآراء موضوع پر دل و دماغ اور قلب و روح کی پاکیزگی کے ساتھ، جامعیت اور اعتدال سے بھرپور ایسی تحریریں بہت کم پڑھنے کو ملتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیوبند سے شائع ہونے والے ایک مشہور مجلہ، ماہنامہ ''تجلی'' (۱) کی فروری و مارچ ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں جناب مظہر عزیز سہیل۔ بی۔اے گورکھپور کے قلم سے ایک طویل علمی مضمون بعنوان ''حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفتاء'' شائع ہوا۔

اس مضمون میں بخاری شریف کی اس حدیث پر بحث کی گئی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلامی فوج کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی پیشین گوئی اور اس میں شرکت کرنے والے مجاہدین و غازیین کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں چھ جگہ مختلف ابواب کے تحت تحریر فرمائی ہے:

۱۔ پہلی جگہ:

بَابُ الدُّعَاءِ بِالْجِهَادِ وَالشَّهَادَةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ۔

۲۔ دوسری جگہ:

بَابُ مَنْ يُصْرَعُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَمَاتَ۔

۳۔ تیسری جگہ:

بَابُ غَزْوَةِ الْمَرْأَةِ فِي الْبَحْرِ۔

۴۔ چوتھی جگہ:

بَابُ رُكُوبِ الْبَحْرِ۔

۵۔ پانچویں جگہ:

بَابُ مَا قِيلَ فِي قِتَالِ الرُّومِ۔

۶۔ چھٹی جگہ:

كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَقَالَ عِنْدَهُمْ۔

(۱) ناچیز مقدمہ نگار مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی، ناظم کتب خانہ دار العلوم دیوبند کا ممنون ہے کہ ان کی مساعی سے ''تجلی'' کا یہ شمارہ حاصل ہوا۔

مستفتی کو اصل خلجان اس حدیث شریف سے متعلق ان توضیحات وتشریحات میں تھا جو بعض شراحِ حدیث مثلاً علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" کے عموم میں یزید داخل نہیں ہے؛ اس لئے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان مجاہدین میں مغفرت کی اہلیت اور صلاحیت بھی باقی رہی ہو۔

مستفتی نے علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر رحمہما اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس رائے اور توضیح کے پیشِ نظر ان کے بارے میں "بَيْنَهُمَا رَائِحَةٌ مِنَ الرَّفْضِ" کا فیصلہ دیا ہے اور تقریباً بیس صفحات میں اس رائے اور توضیح کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایک طویل استفتاء دس اکابر علماء کی خدمت میں پیش کیا ہے اور ان سے درخواست کی ہے کہ وہ کتاب و سنت اور فقہائے امت کے اقوال و دلائل سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

وہ دس اکابر یہ ہیں: (۱) مولانا الحافظ الشاہ عبد الشکور صاحب فاروقی، لکھنؤ۔ (۲) مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی، مئو، اعظم گڑھ۔ (۳) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، ڈھاکہ۔ (۴) مولانا محمد تقی صاحب امینی، مدرسہ معینیہ، اجمیر۔ (۵) مولانا محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ (۶) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، شیخ الحدیث مظاہر علوم، سہارنپور۔ (۷) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شیخ الحدیث والتفسیر، ندوہ لکھنؤ۔ (۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، مدیر رسالہ ''ترجمان القرآن''، لاہور۔ (۹) مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، مدیر رسالہ ''الفرقان''، لکھنؤ۔ (۱۰) مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی، کراچی۔

مستفتی نے ان حضرات کی خدمت میں بھیجنے کے لئے جو استفتاء مرتب کیا ہے وہ اگرچہ کافی طویل ہے، لیکن اس کو یہاں نقل کرنا اس لئے ناگزیر ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے جواب میں بجا بجا اس کے حوالے دیئے ہیں۔ استفتاء یہ ہے:

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسبِ ذیل استفسارات وشبہات کے باب میں، کیا "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" سے مغفرتِ اوّل مراد ہے جس کا دوسرا عنوان دخولِ جنت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزائے کبائر مراد ہے؟

اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ اس میں یزید اور دیگر لشکریان کے لئے کوئی خصوصیت، کوئی مدح، کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور مشتبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے؛ کیونکہ وہ تو ابن التین کے لئے، میرے لئے اور تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے ہی۔ مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کوششیں بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کے لئے خصوصاً یزید کے لئے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" کا طرزِ بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا جہادِ قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوۂ قسطنطنیہ میں جائے گا تو "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" کے ثواب میں بشرطِ وجودِ شرائطِ عامہ ثواب کا شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کے لئے ایک خاص تبشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے، یہ انعام تو انہیں مل کر ہی رہے گا کیونکہ ان مخصوص لوگوں کے ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو متیقن و متعین ہے، اس میں کوئی شرط و تعلیق نہیں؟

(۳) اگر یہ "اَوْجَبُوْا" اور "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" ذکرِ فضائلِ جہاد و مجاہدین ہے اور ترغیبِ عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیر جیش ہے، تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہوا کرتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کوئی نظیر؟

(۴) اگر ایک بشارت "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" میں شرط و تعلیق علماء نے مانی ہے، تو کیا اسی وقت کی اور اسی حیثیت کی دوسری بشارت "اَوْجَبُوْا" میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر "اَوْجَبُوْا" کا انعام تقسیم کرنے کا ضابطہ بنانا چاہئے اور کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی سے اس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہئے؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے "وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے، مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے، اس کا طرزِ بیان ہی جداگانہ ہوتا ہے، وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا) میں ہوا

کرتا ہے مثلاً: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ" وغیرہ!

یہاں دو جملے ہیں، مضمون بھی شرط و جزا کا ہے، اس لئے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم۔ مگر "اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" تو جملۂ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے؛ اس کے اندر بھی شرط و تعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں "زَیْدٌ عَالِمٌ" کہہ دے، تو دوسرا کہے کہ واہ زید بھلا اس عموم میں کیونکر داخل ہوسکتا ہے، کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، کسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمرِ طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو، پھر اس کو مدرسہ بھی جامعہ ازہر مصر کی طرح ملا ہو۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے استاد نہ ملیں تو اس کے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو؛ اس لئے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشا "عَالِمٌ" کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر حج پر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا استاد بھی اسے ملا ہو۔

(۶) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تمام بشارتیں عشرۂ مبشرہؓ کو، اہلِ بیتِ قرآنی یعنی اُمہات المومنینؓ کو، اہل بیتِ حدیثی یعنی آلِ عباس کو، اصحابِ بدر کو، بلکہ جملہ اصحاب رسولؐ کو کہ ("مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا" کا وعدہ بھی سے ہے،) بھی اسی نازک شرط و تعلیق کا ہدف ہیں؟

(۷) جب "جمع الفوائد" جلد دوم، مناقبِ حسینؓ میں "معجم کبیر" طبرانی کی ایک حدیث اُمّ المومنین سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلینِ حسینؓ مسلمان ہوں گے، چنانچہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا، گویا ان کو قاتلینِ حسینؓ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہ جانا باور ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان کہہ دیا اور قتلِ حسینؓ ہی کے جرم کے ساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا، تو کیا ابن التین (یا تفتازانی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اسے شریعتِ محمدیہ کی رو سے کافر یا مرتد کہیں؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے، جیسا ابن عمرؓ کا قول "اِتَّقِیَا اللّٰہَ وَلَا تُفَرِّقَا بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ"، ابن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث "فَاقْتُلُوْہُ کَائِنًا مَّنْ کَانَ" مشہور ہے تو کیا شریعت محمدیہ کی رو سے وہ لوگ گناہ گار ہوئے؟ کیا ایسا کوئی قاتل مسلم یا آمر بقتلِ مسلم ایسی صورت میں بھی مستحقِ لعنت ہے جیسا امام غزالی لکھتے ہیں؟

(یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے، اس لئے لکھ دیا)

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ حرام کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں "اَوْ جَبُوْا" اور "مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ" کی دیں، تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب، کشفِ مستقبل نہیں تھا؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے، مگر کیا اس کے ان ارشاداتِ مبارکہ میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا؟ کیا ایسے قرائنِ وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تانین ہی کا پہلو نکلتا ہے؟ اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیبِ جہاد اور حکمِ مشروط نکلتا ہے، تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیمکئے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیبِ جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی، مسرت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اس میں تامہ اور مغفرتِ اُولیٰ مراد ہے۔

(۹) اگر ابنِ التین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ" کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام قانون کو پیشِ نظر رکھنا، اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا، تو میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام انعامِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا، اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں۔ علماء کرام فیصلہ کریں کہ سلم وسلامتی والے اسلام اور امن و امان والے ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفاریت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابنِ التین کے علم و

دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا؟ وہ ارشاد نبویؐ یہ ہے: (دیکھئے: مشکوٰۃ باب وقوف بعرفۃ عن عباس ابن مرداس ص ۲۲۹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی امت کی مغفرت (تامہ) کی دعا فرمائی تو دربار الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا، میں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو میں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر ہی رہوں گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحب حق کو جنت کا کوئی محل دے کر راضی اور ظالم کو (بری فرما کر) معاف فرما سکتے ہیں تو اس دعا کا جواب وہاں میدانِ عرفات میں تو آپؐ کو نہیں ملا، مگر جب آپؐ نے مزدلفہ پہنچ کر صبح کو پھر یہی دعا مانگی، تو آپؐ کی دعا منظور کر لی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہو گیا، تو آپ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپؐ (بجز شغلِ دعا و ابتہال و گریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے، آخر کیا بات تھی جس نے آپؐ کو ہنسا دیا؟ خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! اللہ کے اس دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا (مغفرتِ امت کی) قبول فرمالی اور میری امت کی مغفرت (تامہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرما دی، تو وہ مٹی لے کر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے ویلا مچانے لگا ہے، بس اس کی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آ گئی۔ (انتہیٰ)

اب ابنِ التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا۔ ابن التین تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سر بہ جبین ہو رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت للعالمین ساری ہی امت کی مغفرتِ تامہ کے لئے بار بار دعا فرما رہی ہے، جن میں نامعلوم کتنے یزید ہوں گے۔

یہ استفتاء حضرت نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ۱۰ رشوال ۱۳۸۰ھ (مطابق ۲۸ رمارچ ۱۹۶۱ء) میں پہنچا، اس کے ساتھ ایک چند سطری خط سائل کی جانب سے اس مضمون کا بھی ملا کہ احقر کو جناب کے علم و عمل اور تقویٰ اور اخلاق پر اعتماد ہے، اس لئے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ ماہِ شوال کے ختم تک اس فتویٰ کا جواب دے دیا جائے۔

حضرت المخدوم نے اپنے شدید مشاغل اور متعدد عوارض کے باوجود دو دن میں اس کا جواب اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر خدام کے حوالے کیا کہ وہ اس کی نقل تیار کر لیں، لیکن جواب لکھنے میں جس قدر عجلت ہوئی اسی قدر اس کے ارسال کرنے میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور ۳/ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ (۱۹/اپریل ۱۹۶۱ء) میں بصیغہ رجسٹری سائل کو یہ جواب بھیجا گیا۔

مولانا عامر صاحب عثمانی (مدیر ''تجلی'') نے اس جواب کو پڑھ کر جو تحریر کیا، وہ یہ ہے:

''مخدوم ومکرم مولانائے محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جواب استفتاء پر مشتمل جناب کا ملفوف موصول ہو گیا تھا، لیکن بعض ناگزیر اسباب سے وصولیابی کی رسید دینے اور اظہار تشکر کرنے میں دیر ہوئی، معاف فرمائیے گا۔ آنجناب نے اپنی بیماری کے باوجود اتنے مفصل جواب کی زحمت فرمائی، یہ جناب کے اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی کا مظہر ہے۔ پھر جس پاکیزہ لب ولہجہ میں آپ نے جواب عنایت فرمایا ہے وہ یقیناً جناب کی عظمت کا نقش روشن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے کریم النفس بزرگوں کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ علمی مباحث میں آپ کی متانت، حلم اور منکسر مزاجی کا اتباع کر سکیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مستفتی کو آپ کے ہر ارشاد سے اتفاق ہی ہو، لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ کی تفہیم کا انداز صاحب علم وتقویٰ بزرگوں کی شایان شان ہے اور علمی تبحر کا امانت دار۔

تمام موصولہ جوابات کا مطالعہ کر کے جناب مستفتی کس نتیجے پر پہنچیں گے، یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ فی الوقت اس عاجز پر آپ کا شکریہ فرض ہے اور اسی کی ادائیگی کے لئے یہ سطور ہدیۂ خدمت کی ہیں۔ اگر موصولہ جوابات 'تجلی' میں شائع کئے گئے تو پرچہ ضرور حاضر خدمت ہوگا، آپ کی صحت وعافیت کے لئے یہ گنہگار دعا کرتا ہے اور آنجناب سے دعائے خیر کا ملتجی ہے۔ عامر عثمانی، مدیر ''تجلی'' ۶/مئی ۱۹۶۱ء''

ابھی آپ نے مدیر 'تجلی' کا مکتوب اور ان کی طرف سے حضرت المخدوم کے لئے القاب وآداب، پاکیزہ لب ولہجہ، اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی، عظمت کا نقش روشن، علمی

مباحث میں ان کی متانت، علم اور منکسرانہ مزاجی، تفہیم کا انداز، صاحب علم وتقویٰ بزرگوں کے شایانِ شان اور علمی تبحر کا امانت دار جیسے وقیع اور اونچے الفاظ ملاحظہ فرمائے، لیکن انہی القاب وآداب اور صفاتِ محمودہ سے متصف شخصیت نے مودودی صاحب کی تصنیفات و تالیفات کا جائزہ لے کر جب ان کا تعاقب کیا اور ان کے دجل وتلبیس کو آشکارا کیا تو ماہنامہ 'تجلی' کا اس پر تبصرہ اور تنقید اور درشت لب ولہجہ قارئین کے لئے تصویر کا دوسرا رخ ثابت ہوا۔

ابن الحسین اللہ میاں کو تقسیمِ مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور! اسے مشروط کر دیجئے اور حضور ﷺ جو "حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ" کا تاج سر پر رکھے ہیں، وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جس میں قتلِ مسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لئے ترحمِ خسروانہ کی اپیل کر رہے ہیں اور امت کو "وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا" کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۰) جب "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" حضور ﷺ کا ارشاد ہے اور مقامِ تبشیر میں ہے، تنزل کے طور پر اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرتِ اوّل سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں، بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبینِ کبائر؛ کوئی قاتلِ مسلم ہوگا، کوئی آمر بہ قتلِ مسلم ہوگا، کوئی مستشر بہ قتل ہوگا، کوئی مدمنِ خمر ہوگا، کوئی چیتوں اور کتوں سے شکار کا مشغلہ رکھتا ہوگا، کوئی شعر گوئی میں تضییعِ اوقات کرتا ہوگا، ایسے لوگوں کے لئے بھی جب حضور ﷺ نے "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" فرما دیا تو کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہادِ مدینہ قیصر کا ثواب اس قدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدۂ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ، صغائر بھی، کبائر بھی، حقوق اللہ بھی، حقوق العباد بھی بخش دیئے جائیں گے۔ بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذ اللہ) ایک تقدیرِ ازلی کے بموجب کفر وارتداد کا بھی ابتلاء پیش آجائے گا تب بھی اس غزوہ کے جملہ شرکاء کے لئے (بلا استثناء مرد وعورت، امیر ومامور، سپاہی وسپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہو چکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد بھی اسے پھر توبۂ صادقہ کی توفیق یقیناً ہو جائے گی، اس طرح وہ مستحق

مغفرت بن جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سچا اور پورا ثابت ہو کر رہے گا، گویا حضور نے "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" فرما کر اسی دوسری تقدیرِ خداوندی کی طرف اشارہ فرما دیا تھا جو ابن التین کے گلے کے نیچے نہیں اُتر رہی ہے۔

ایک نظریہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر ابن التین مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو ان کو آنکھ کھول کر وہ ارشادِ نبویؐ دیکھنا چاہئے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ، باب القدر، عن سہل بن سعد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے؛ بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔

یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ، اب اس کی ایک مثال بھی عہدِ سعادت ہی کی سن لیجئے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحیِ قرآنی لکھوائی، آیت "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" پر پہنچ کر ایک تقدیرِ الٰہی کے بموجب ان کو ارتداد کا ابتلاء پیش آ گیا، مگر چونکہ ان کو جنتی ہونا تھا اس لئے دوسری تقدیرِ الٰہی سے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی سے ان کے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتحِ مصر بنے رضی اللہ عنہ۔ حالانکہ لسانِ نبوتؐ نے جہاں تک مجھے علم ہے، ان کے بارے میں "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" کی بشارت دی بھی نہیں تھی۔ اگر یزید، سپہ سالارِ غزوۂ قسطنطنیہ کے لئے بھی، جس سے شاید کفر و ارتداد ہوا بھی نہیں تھا، حق تعالیٰ نے حضور کے ارشادِ "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" کی لاج رکھنے کے لئے دوسری تقدیر، توبہ صادقہ قبل الموت، وفات علی الایمان کی فرما دی ہو تو ابن التین کو اس تقدیرِ الٰہی سے انکار کیوں ہے؟ بتلاؤ تو جرواً!

عنایت فرمائم سلمہ، بعدِ سلامِ مسنون!

کئی دن ہوئے اوّل رسالہ "تجلّی" اور پھر گرامی نامہ پہنچا، رسالہ کی آمد سے تعجب ہوا کہ کیوں آیا، معمولی ورق گردانی سے بھی پتہ نہ چلا کہ کیوں آیا، پھر گرامی نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی استفتا اس میں ہے تو خیال ہوا کہ دار الافتا میں بھیج دوں، اس لئے کہ یہ ناکارہ مفتی نہیں ہے، نہ فتاویٰ کے جواب لکھتا ہے، اس ناکارہ کے نام جو فتاویٰ آتے ہیں وہ دار الافتاء ہی میں بھیج دیتا ہے، بلکہ زبانی بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو مفتی صاحب

کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ افتاء کی ذمہ داری سخت ہے اور یہ ناکارہ افتاء کا اہل نہیں ہے، لیکن ایک صاحب نے جو اتفاق سے یہاں بیٹھے تھے رسالہ کو دیکھا اور انہیں اس ناکارہ کے نام نظر پڑ گئی تو انہوں نے متوجہ کیا۔ اس پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ فتویٰ نہیں ہے، بلکہ بخاری شریف کی ایک حدیث کے متعلق اشکال ہے۔ اس پر بھی اوّل تو یہی خیال رہا کہ رسالہ اور گرامی نامہ دونوں واپس کر دوں، اس لئے کہ اوّل تو یہ ناکارہ اس میدانِ کارزار میں کودنے کی اہلیت نہیں رکھتا، دوسرے کئی ماہ سے آنکھوں میں تکلیف ہے، حکیم ڈاکٹر ''نزولِ آب'' بتاتے ہیں۔ نومبر سے ڈاک بھی عموماً دوسرے ہی لکھ رہے ہیں، اس لئے مراجعتِ کتب کی ان حالات میں ہمت بھی نہیں ہے۔ پھر اس خیال سے کہ مشہور حدیث ہے، بخاری شریف پڑھانے میں اس حدیثِ پاک پر کم وبیش کلام کرنا ہی پڑتا ہے اس لئے مراجعتِ کتب کی ضرورت بھی نہیں۔

اس لئے جو ذہن میں سوالات کے متعلق حاضر ہے وہ لکھواتا ہوں، کوئی بات سمجھ میں آئے قبول فرمائیں، کوئی بات بھی قابلِ قبول نہ ہو تو ''کالائے بد بریش خاوند'' اس پرچہ کو چاک فرما دیں، ردّ وقدح، مناظرہ اور جواب الجواب سے بندہ کو معذور خیال فرماویں کہ یہ ناکارہ اس میدان میں کودنے کو آمادہ نہیں ہے۔

بندہ کے نزدیک عوام میں ایسے امور کا پھیلانا ہر حیثیت سے مضر ہے کہ وہ حدودِ دین میں نہیں رہتے، کسی ایک جانب کو جو بادی الرائے میں ان کی سمجھ میں آجائے نہایت شد ومد سے لے کر دوسری جانب افراط وتفریط شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مختصراً عرض ہے کہ:

(۱) بندہ کے نزدیک "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" سے مغفرتِ اُولیٰ ہی مراد ہے، جس سے دخولِ جنتِ اُولیٰ ہی مراد ہے، اس کے باوجود ابن التین وغیرہ کو جو مشکلات پیش آئیں وہ آئندہ عرض کروں گا، اور اگر دخولِ غیر اُولیٰ ہی مراد ہو تب بھی کوئی مانع نہیں۔ اس صورت میں تبشیر کا مقصد ان کی موت علی الایمان کی بشارت ہے کہ اس صورت میں منتہیٰ کے اعتبار سے دخولِ جنت مراد ہے اور تبشیر عدمِ خلود فی النار کی ہے۔

(۲) اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ یہ یقیناً خاص حالات میں مخصوص تبشیر ہے اور اس حدیثِ پاک کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ان جملہ شرکائے جیش کی جن میں یزید بھی ہے مغفرت کی بشارت ہے۔

(۳) یہ تو ظاہر ہے کہ تبشیرات شرائط کے ساتھ مقید ہوا کرتی ہیں، اس کی نظیر تو آپ نے خود ہی اپنے سوال نمبر نو میں لکھ دی، اس کے علاوہ بھی کتبِ فضائلِ اعمال میں بہت سی نظیریں ملیں گی جو کتبِ حدیث کی معمولی ورق گردانی سے بکثرت مل سکتی ہیں۔ فضائلِ وضو، فضائلِ نماز، فضائلِ جہاد، روزہ، حج وغیرہ کے فضائل میں بکثرت تبشیرات ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب مقید بقیود ہیں، کیا عقل میں آتا ہے کہ آدمی ہزاروں گناہ کرتا ہے اور وضو سب کو ساتھ ساتھ دھوتی رہے؟

(۴) یہ تو ظاہر ہے کہ جو شرط اس حدیث "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" میں مانی جائے گی وہ سب ہی جگہ ملحوظ ہوگی اور آپ نے تو نمبر پانچ میں خود ہی تسلیم کرلیا کہ ابن التین جو شرط لگاتے ہیں وہ بات صحیح اور تسلیم شدہ تو ہے۔

(۵) آپ کا یہ ارشاد کہ یہ بات صحیح تو ہے مگر اس کا طرزِ بیان شرط و جزا سے ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں طرح کے سیاق کثرت سے احادیث میں ملیں گے۔ اسی جنۃ الوداع کے قصہ میں مشکوٰۃ کے اسی باب میں جس سے آپ نے حدیث مندرجہ سوال نمبر نو نقل کی ہے، حضرت جابرؓ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد "اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ" ہے۔

اس ناکارہ کے رسالہ "فضائلِ رمضان" میں متعدد روایات بغیر شرط و جزا کے آپ کو ملیں گی، مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت: "يُغْفَرُ لَهُمْ فِيْ اٰخِرِهٖ" اور حضرت انسؓ کی روایت: (فضائل رمضان ص ۴۰)

"اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ فَقَالَ يَا مَلَائِكَتِيْ مَا جَزَاءُ اَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَاؤُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرَهٗ. قَالَ مَلَائِكَتِيْ عِبَادِيْ وَاِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَاءِ، وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ. فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ"

کیا آپ اس حدیث کے (جو موکد بالاحلاف بھی ہے) "مَغْفُوْرًا لَّهُمْ" اور حدیثِ قسطنطنیہ کے "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" میں کوئی فرق کریں گے؟ جب کہ یہاں بھی شرط و جزا

نہیں ہے، یا اس حدیث کی بناء پر جملہ صائمین کو دخولِ اُولیٰ بخشیں گے، چاہے کتنے ہی فسق و فجور کے مرتکب ہوں اور کتنے ہی قتل عمد اور نہب و غارۃ کے مرتکب یہ صائمین ہوں، اس نوع کی بکثرت روایات آپ کو ملیں گی۔

(۶) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بشارتیں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوں گی چاہے وہ افراد کی ہوں جیسا کہ عشرۂ مبشرہؓ وغیرہ یا جماعت کی ہوں، ان سے دخولِ اُولیٰ ہی مراد ہے؛ لیکن تادکِ شروط سب جگہ مجبوراً ماننا پڑے گا ورنہ نصوصِ قطعیہ قرآن وحدیث جن میں کبائر پر وعیدیں آئی ہیں وہ سب غلط کہنا پڑیں گی، اس کے بعد جہاں کوئی معارض نہ ہوگا جیسا کہ عشرۂ مبشرہ وغیرہ کی روایات ہیں وہ اپنے ظاہر پر رہیں گی اور جہاں بھی روایاتِ تبشیر دوسری نصوص بالخصوص نصوصِ قطعیہ سے معارض ہو جائیں گی وہاں مجبوراً تاویل کرنی پڑے گی، جیسا کہ ہمیشہ اختلافِ روایات کے موقع پر کرنا پڑتا ہے، یہی مجبوری ان سب حضراتِ اکابر کو سلف وخلف میں پیش آئی جس کی وجہ سے حدیثِ قسطنطنیہ کی تاویلات کی ضرورت پیش آئی اور مختلف تاویلات اکابر سے نقل کی گئیں۔

(۷) جب کہ ان حضرات کو بخاری شریف کی حدیث کی مجبوراً توجیہ کرنی پڑی، تو ''جمع الفوائد'' کی روایت (لکبیر بین مطولاً (۱)) سے مرعوب ہونا تو مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کے بعد کسی غوث، قطب کو کیا حق ہو سکتا ہے کہ خلافِ شرع کچھ کہہ سکے جب کہ خود سیدِ الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا پر لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ کا ارشادِ عالی وارد ہو گیا۔

لیکن جب یہ روایات وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ (الآیۃ) کی وعیداتِ قطعیہ کے خلاف ہو جائیں تو غوث قطب نہیں بلکہ عام مومن بھی روایت کی تاویل وتوجیہ کی طرف دوڑے گا۔

یہ امرِ آخر ہے کہ یزید اس آیت کا مصداق ہے یا نہیں، لیکن جن کے نزدیک اس آیت کے مصداق میں داخل ہے وہ ایک بخاری یا جمع الفوائد کیا، نصِ قطعی کے مقابلہ میں سب اخبارِ آحاد کو رد کریں گے یا توجیہ کریں گے۔

---

(۱) جمع الفوائد صفحہ ۲۱۸ جلد دوم، مطبوعہ خیریہ میرٹھ۔

(ب) بالفرض سے جو آپ نے لکھا وہ تو نیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا اس ناکارہ کو تو علم نہیں کہ کس خیال سے قتل کیا تھا، اس لئے یہ ناکارہ تو کوئی حکم نہیں لگاتا؛ مگر ابن التین، تفتازانی وغیرہ متشددین کے نزدیک اگر محض حصولِ سلطنت اور اپنے وقار کے مخالف اور دنیوی اغراض کے خیال سے قتل کیا ہو تو وہ تو سب کچھ کہیں گے۔

آپ نے حضرت عمرؓ کا ارشاد "اِتَّقِیَا اللّٰہَ" کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا کہ حدیث کی کون سی کتاب میں ہے اور بندہ اس وقت مراجعتِ کتب سے معذور ہے، مگر جمع الفوائد کے جس باب سے آپ نے اُمِ سلمہؓ کی حدیث بالانقل فرمائی، اس باب میں ابنِ عمرؓ کی یہ حدیث آپ نے ملاحظہ نہیں فرمائی:

انْظُرُوْا إِلٰى هٰذَا يَسْأَلُنِيْ عَنْ دَمِ الْبَعُوْضِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وفي رواية: تَسْأَلُوْنَا عَنْ قَتْلِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلْتُمْ ابْنَ بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وفي أخرى: مَا أَسْأَلَهُمْ عَنِ الصَّغِيْرَةِ وَأَجْرَأَهُمْ عَلَى الْكَبِيْرَةِ. (البخاری)

(جمع الفوائد ج دوم ص ۲۱۷)

اگر ابنِ عمرؓ کے نزدیک یہ آپ کی مندرجہ حدیث کے تحت میں تھا اور ان کا قتل مامور بہ تھا تو وہ قاتل کو اجراء علی الکبیرہ نہ فرماتے۔

میرے خیال میں حضرت ابنِ عمرؓ کا ذکر آپ نہ فرماتے تو آپ کے لئے زیادہ مفید ہوتا، کیونکہ وہ آپ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کہ وہ قاتلین کو مرتکبِ کبیرہ بتاتے ہیں۔ حدیث اُقْتُلُوْهُ كَائِنًا مَنْ كَانَ اگر مشہور ہے تو لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ بھی شہرت میں کم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی مشہور ہے، اور مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ (الحدیث) دونوں سے زیادہ مشہور ہے۔ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطِرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا. أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ بھی حضورؐ ہی کا ارشاد ہے۔

نیز جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مامور و مرسل امیر کے متعلق مامر کے خلاف کرنے کی صورت میں معزول نہ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہیں جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے:

لَوْ رَأَيْتُ مَا لَأَمَّنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَعْجَزْتُمْ إِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا مِنْكُمْ فَلَمْ يَمْضِ لِأَمْرِيْ أَنْ تَجْعَلُوْا مَكَانَهُ مَنْ يَمْضِيْ لِأَمْرِيْ.

تو اگر امام حسینؓ اپنے کو اس سے عاجز نہیں سمجھتے اور اس ارشاد کی تعمیل کی سعی فرماتے ہیں، وہ کیسے وعیداتِ بالا میں داخل ہوں گے؟ اور جو حضرات عوارض یا عدمِ قوت کی وجہ سے یا فتنہ کے خوف سے اپنے کو عاجز سمجھتے ہیں ان کو یقیناً روکنا ہی چاہئے تھا۔ اس لئے جن حضراتِ صحابہ کرامؓ نے شرکت سے روکا ان پر بھی اشکال نہیں اور جنہوں نے منکر کو روکنے کی سعی فرمائی ان پر بھی ملامت نہیں۔

(۸) یقیناً یہ وحی بھی ہے، بشارت بھی ہے، دخولِ اُولیٰ بھی ہے اور جو جو آپ فرمانا چاہیں وہ سب کچھ ہے، لیکن خبرِ واحد ہے، قطعی نہیں ہے، اس لئے جب ان نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہوگی جن میں کبائر اور قتلِ عمد وغیرہ پر وعیدیں ہیں، تو لامحالہ کوئی توجیہ کرنی پڑے گی، اسی لئے اکابر سلفاً خلفاً توجیہات فرماتے رہے۔

(۹) یہ نمبر بالکل سمجھ میں نہیں آیا، میرے خیال میں تو اس نمبر میں آپ نے سابقہ دلائل کا سب کا خود ہی رد کر دیا۔ سلم وسلامتی والاسلام اور شانِ رحمت للعالمینی اور مالک کی غفاریت اور رحمانیت کی روح اپنی جگہ لیکن وہی سلم وسلامتی والاسلام حدود و قصاص پر کتنا زور دیتا ہے! وہی رحمت للعالمین جن کی شانِ رأفت اور رحمت للعالمین ہونا نصِ قطعی ہے، لیکن ان ہی کی صفات میں إِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَحَارِمِ اللهِ تَعَالٰى شَيْءٌ كَانَ مِنْ أَشَدِّهِمْ فِيْ ذٰلِكَ غَضَبًا (شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ) بھی ہے، وہ فتح مکہ کے عفوِ عام میں سے چند کو یہ کہہ کر مستثنیٰ بھی فرما دیتے ہیں کہ لَا أُؤْمِنُهُمْ فِيْ حِلٍّ وَلَا حَرَمٍ اور ابن خطل کے تعلق باستار الکعبہ کے باوجود اُقْتُلُوْهُ کا حکم فرماتا ہے، مالک اور ارحم الراحمین اپنی ساری رحمت کے باوجود قرآنِ پاک میں إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ بھی فرماتا ہے۔ وہ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ بھی فرماتا ہے، جو سیدِ الکونین کو بھی وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِيْنَ ارشاد فرماتا ہے۔ جو وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ فرماتا ہے، جو ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بھی فرماتا ہے، جو إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا بھی فرماتا ہے، جو قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا بھی فرماتا ہے، جو الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰؤُلَاءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا فرماتا ہے۔ جو لَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ فرماتا ہے۔ جو إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ بھی فرماتا ہے، وہ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ بھی فرماتا ہے، إِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ بھی فرماتا ہے۔ إِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلَالٍ وَسُعُرٍ * يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ بھی فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَكْتَسِبْ خَطِيْئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِيْنًا بھی فرماتا ہے، وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا بھی فرماتا ہے، وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ اور الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ بھی فرماتا ہے۔

کہاں تک نقل کروں، قرآنِ پاک کی سیکڑوں آیات ان مضامینِ وعید پر مشتمل ہیں، آپ خود غور کریں کہ جن لوگوں کی تحقیق میں یزید ظلم، تعدی اور فسق و فجور کی آیات میں داخل ہو، اس کو بخاری شریف کی ایک روایت "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" میں داخل ہونا کیسے بچا سکتا ہے؟

یہ امرِ آخر ہے کہ وہ ان میں داخل ہے یا نہیں؟ لیکن اگر داخل ہو تو آپ ہی بتائیں کہ آپ کیا کہیں گے؟ آپ خود مجبور ہوں گے اسی کے کہنے پر جو تفتازانی وغیرہ نے کہا۔

آپ نے اس موقع پر عرفہ والی روایتِ مغفرتِ عامہ اپنی تائید میں لکھی، مجھے حیرت ہے کہ یہ حدیث آپ نے کیوں لکھی؟ یہ حجۃ لکم یا حجۃ علیکم، اس نے تو آپ کی ساری تحریر کا خود ہی جواب بتا دیا، کیا اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ سال بھر تک قتل و غارت کرتے رہیں، خوب لوٹ مار کریں، مسلمانوں کا قتلِ عام کریں، ان کے مالوں کو لوٹیں، نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں، کوئی معروف نہ کریں، کوئی منکر نہ چھوڑیں، عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کر لیں پھر عمر بھر کو ان کی چھٹی ہے، جو جو مظالم چاہیں کرتے رہیں وہ سب باری عزاسمہ کے ذمہ اور حقوق اللہ اور اس کے محارم کا انتہاک سب معاف۔ میری سمجھ میں

بالکل نہیں آتا کہ آپ نے یہ حدیث کیوں لکھ دی جس کے متعلق ملا علی قاری نے ضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

ظَاهِرُ الْحَدِيْثِ عُمُوْمُ الْمَغْفِرَةِ وَشُمُوْلُهَا حَقَّ اللهِ وَحَقَّ الْعِبَادِ إِلَّا أَنَّهُ قَابِلٌ لِلتَّقْيِيْدِ بِمَنْ كَانَ مَعَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تِلْكَ السَّنَةِ أَوْ بِمَنْ قَبِلَ حَجَّهُ بِأَنْ لَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ. وَمِنْ جُمْلَةِ الْفِسْقِ الْإِصْرَارُ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَعَدَمُ التَّوْبَةِ وَمِنْ شَرْطِهَا أَدَاءُ حُقُوْقِ اللهِ الْفَائِتَةِ وَقَضَاءُ حُقُوْقِ الْعِبَادِ.

اور بحث کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ:

إِذَا تَأَمَّلْتَ ذٰلِكَ كُلَّهُ عَلِمْتَ أَنَّهُ لَيْسَ فِيْ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ مَا يَصْلُحُ مُتَمَسَّكًا لِمَنْ زَعَمَ أَنَّ الْحَجَّ يُكَفِّرُ التَّبِعَاتِ لِأَنَّ الْحَدِيْثَ ضَعِيْفٌ بَلْ ذَهَبَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ إِلٰى أَنَّهُ مَوْضُوْعٌ.

اور یہ بھی لکھا ہے:

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: فَلَا يَنْبَغِيْ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَغُرَّ نَفْسَهُ بِأَنَّ الْحَجَّ يُكَفِّرُ التَّبِعَاتِ - فَإِنَّ الْمَعْصِيَةَ شُؤْمٌ وَخِلَافُ الْجَبَّارِ فِيْ أَوَامِرِهِ وَنَوَاهِيْهِ عَظِيْمٌ وَأَحَدُنَا لَا يَصْبِرُ عَلَى حُمَّى يَوْمٍ أَوْ وَجَعِ سَاعَةٍ فَكَيْفَ يَصْبِرُ عَلَى عِقَابٍ شَدِيْدٍ وَعَذَابٍ أَلِيْمٍ. الخ

(مرقات شرح مشکوۃ جلد ثالث ص ۲۲۱)

اس ناکارہ کی شرح مؤطا اوجز المسالک میں بھی اس مسئلہ پر مختصر بحث ہے جس میں قاضی عیاضؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّ الْكَبَائِرَ لَا يُكَفِّرُهَا إِلَّا التَّوْبَةُ وَلَا قَائِلَ بِسُقُوْطِ الدَّيْنِ وَلَوْ حَقًّا لِلّٰهِ كَدَيْنِ صَلَاةٍ وَزَكَاةٍ اور اس میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: مَنِ اعْتَقَدَ أَنَّ الْحَجَّ يُسْقِطُ مَا وَجَبَ عَلَيْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ يُسْتَتَابُ وَإِلَّا قُتِلَ وَلَا يَسْقُطُ حَقُّ الْآدَمِيِّ بِحَجٍّ إِجْمَاعًا - الخ

(اوجز المسالک جلد ثالث)

حالانکہ مختلف طاعات کے مکفر سیات ہونے کے بارے میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوتی ہیں۔ لیکن نصوص قطعیہ کے خلاف کی وجہ سے اکابر اُمت کو سلفاً خلفاً ان

کی توجیہات مختلفہ کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس صورت میں اگر بخاری شریف کی ایک حدیث "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" کی توجیہات کرنی پڑیں تو کیا استحالہ ہے؟

درحقیقت آپ نے عباس بن مرداس والی حدیث لکھ کر علما کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ ابن التین کے فیصلے کو آپ کے فیصلے پر ترجیح دیں۔

آپ نے لکھا کہ ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا۔ لیکن آپ ہی اپنے اقرار کی رو سے دیکھیں کہ عباس بن مرداس کی حدیث میں بھی وہی صیغہ ہے جو قسطنطنیہ والی حدیث میں ہے، تو کیا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام و تقدیس اور انعام خداوندی کی خاطر یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ سارے مسلمان خوب قتل و غارت، حرام کاری، زنا کاری وغیرہ ہر منکر کرتے رہیں، کسی معروف کے پاس نہ پھٹکیں، کسی منکر سے ذرا بھی نہ بچیں، البتہ عمر بھر میں ایک حج کر لیں، پھر مزے ہی مزے ہیں۔

اس میں ذرا تصنع نہیں کہ میری عقل بالکل حیران ہے کہ یہ عرفہ والی حدیث آپ نے کیا سوچ کر لکھ دی، ابن التین کے حامیوں کی خود ہی رہنمائی کی کہ بخاری شریف کی حدیث "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" قابلِ تاویل ہے، اس لئے کہ عرفہ والی حدیث کے بھی بقول آپ کے وہی لفظ ہیں اور وہ قطعاً ماوّل ہیں، وہ اپنے ظاہر پر اگر رہیں تو آخرت میں جو ہوگا سو ہوگا، دنیا میں بھی "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ" قائم ہو جائے گا، نہ معلوم ابن التین کی مخالفت میں آپ خود کہاں پہنچ گئے۔

(۱۰) بندہ کے خیال میں نمبر نو کے بعد جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں آپ نے کوئی نئی بات نہیں لکھی بلکہ اسی کا دوسرے الفاظ میں اعادہ کر دیا۔ میں ابن التین کی طرف سے آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب عرفہ والی حدیث اور قسطنطنیہ والی حدیث کے الفاظ بقول آپ کے ایک ہی ہیں اور اس جہاد میں مرتکبینِ کبائر، قاتلِ مسلم، آمر بالقتل وغیرہ سب ہی ہوں گے جیسا کہ "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" سے معلوم ہوتا ہے، اور سب کے جملہ معاصی و مظالم معاف، جنت کا دخولِ اُولیٰ ان کے لئے طے شدہ ہے، تو پھر ساری دنیا کے بدمعاش، لٹیرے، زانی، شرابی، بے نمازی، روزہ خور، سود خور کیوں حج سے "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" نہیں بنیں گے؟

کسی حاجی کا چاہے وہ حج سے قبل اور بعد کتنا ہی بدکار، قاتلِ مسلمین کیوں نہ رہا ہو، جنت میں دخولِ اولیٰ ملے ہے اور ایک حج ہی کیا فضائلِ اعمال کی احادیث میں تکفیرِ السیئات اس کثرت سے وارد ہیں کہ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی، لیکن اس کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ...

(إلى آخر الحديث، رواه مسلم)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد آپ کے زعمِ باطل کے مطابق ضرور سچا ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ (النساء: ۹۳) بلا سے غلط ہو جائے۔

آپ نے آخر میں حدیثِ قدر کو بھی پیش کیا۔ بندہ اپنے قلتِ فہم کی وجہ سے اس استدلال کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ بندہ کو علم نہیں کہ علام الغیوب نے یزید کی تقدیر میں کیا لکھا تھا، آپ کے علم میں اگر ہے تو یقیناً حدیث سے استدلال کر لیں، اس ناکارہ نے تو قرآنِ پاک میں "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ" (الاحقاف: ۹) پڑھا ہے اور بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے:

إِنَّ أُنَاسًا كَانُوْا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ، وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ شَيْءٌ، اللّٰهُ يُحَاسِبُهٗ فِيْ سَرِيْرَتِهٖ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوْءًا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ، وَإِنْ قَالَ إِنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ۔

(بخاری شریف، جلد دوم، صفحہ ۳۶۰)

اس لئے ہم لوگ تو ظاہرِ حال ہی کے موافق حکم لگا سکتے ہیں، باطنِ احوال یا مقدرات کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اس لئے جن کا ظاہر فسق و فجور میں مبتلا ہو، اس کو عشرۂ مبشرہ کی لائن میں شمار کرنا مشکل ہی ہے۔

یہ سب تو آپ کے استفسارات کے متعلق ہے، خود یہ ناکارہ اس مسئلہ میں حضرت قطبِ عالم گنگوہی قدس سرہ کا متبع ہے۔ ایک طویل سوال کے ذیل میں حضرت قدس سرہٗ کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے:

''اس قدر تطویل سوال میں بے فائدہ کی ہے، حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے، اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعنت اس پر پڑتی ہے، ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہئے کہ اپنے اوپر عودِ لعنت کا اندیشہ ہے، لہٰذا یزید کے وہ افعالِ ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جن کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدونِ توبہ کے مر گیا، تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے، اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اوّل میں وہ مومن تھا، اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدوں تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں، لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منعِ لعنِ مسلم کے لعنت سے منع کرتا ہے اور یہ مسلک بھی حق ہے۔ پس جوازِ لعن و عدمِ جواز کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے نہ واجب، نہ سنت نہ مستحب، محض مباح ہے، اور جو وہ محل نہیں ہے تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں، فقط واللہ اعلم۔ رشید احمد'' (فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی ج ۱ ص ۳۹)

بس یہی اس ناکارہ کا مسلک ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے فسق و فجور کی روایات سب یکسر غلط ہیں، یہ (دعویٰ) مشکل ہے جب کہ تاریخی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو رد کرنا جو بحد تواتر تقریباً پہنچ گئی ہوں، تاریخ سے کلیۃً اعتماد اٹھاتا ہے، اور اگر

یہ سب روایات اپنی کثرت کے باوجود رد کی جاسکتی ہیں تو پھر یہی کون سا نص قطعی ہے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا، یہ بھی تاریخ ہی کی روایات ہیں، مخالف کو حق ہے کہ وہ اس کی ہی تغلیط کردے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا۔

آخر میں اس ناکارہ کی یہ بھی درخواست ہے کہ مسلمانوں کو اس اہم موقع پر دین کے اہم کاموں میں مشغول ہونا چاہئے۔ یہ بے فائدہ بحث ہے جس کا اس وقت عمل سے کوئی تعلق نہیں، ہم لوگوں کے ذمہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہے۔ عوام کی عقول ان وقائع کی باریکیوں تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ دلائل ہر فریق کے پاس نصوص سے بکثرت ہیں۔ ایسی حالت میں ایسی فضول بحثوں سے عوام میں انتشار پھیلانا اس ناکارہ کے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مشہور مقولہ جس کو انہوں نے مشاجرات صحابہؓ کے متعلق سوال پر فرمایا تھا:

"تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللهُ أَيْدِيَنَا فَلَا نُلَوِّثُ أَلْسِنَتَنَا بِهَا"۔

آب زر سے لکھنے اور اسوہ بنانے کے قابل ہے، اس کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ "الاعتدال" میں تفصیل سے لکھ چکا ہے، جی چاہے تو ملاحظہ کرلیں۔ لہٰذا یزید نے جو کچھ کیا وہ "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" میں داخل ہے۔

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرائے غم سے کیا مطلب

اس وقت مسلمانانِ عالم إلحاد و دہریت میں اور اس سے بڑھ کر بھارتی مسلمان ارتداد کے دروازہ پر ہیں، مساعی جمیلہ کو ان کے پختہ مسلمان بنانے میں صرف کریں جس میں کسی کا اختلاف نہ کوئی آخرت کی جواب دہی کا خطرہ۔ وَفَّقَنِيَ اللهُ وَإِيَّاكُمْ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَىٰ۔

زکریا، مظاہر علوم (سہارنپور)
۱۱ر شوال ۱۳۸۰ھ

ایک سوال
اور
اس کا جواب
المعروف بہ
حقیقت یزید
(ابن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ)

حضرت مولانا مفتی حافظ سیّد مہدی حسن شاہجہان پوری

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (قرآن)

ایک سوال اور اس کا جواب

المعروف بہ

حقیقت تزیید (ابن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ)

مؤلف

مجتہد العصر امام المحدثین جامع الحدیث والرجال فقیہہ الامت

حضرت مولانا الحاج مفتی حافظ سید مہدی حسن صاحب

شاہجہاں پوری (سابق مفتی اعظم گجرات) صدر مفتی دار العلوم دیوبند

ضلع سہارنپور۔ یوپی

ناشر

محمد ابن مہدی ناظم ادارۂ تصنیف و تالیف ۱۲۶

کشمیری گیٹ، دہلی ۶

قیمت ۰-۴-۰

(نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک سوال اور اس کا جواب

المعروف بہ حقیقت یزید (ابن حضرت معاویہؓ)

محمود عباسی کی فتنہ انگیزی سے جس وقت پاکستان میں فتنہ ناصبیت نے پر پرزے نکالے، پنجے جھاڑے اور اہل سنت کے متفقہ عقائد کو ڈائنامائیٹ کرنے کے درپے ہوئے، اس وقت محمود عباسی کے ایک عزیز ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مولانا اظہار الحق سہیل عباسی ہوتے تھے۔ انہوں نے بھی ایک جلسہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے محمودی موقف کو بیان کیا۔ اس پر ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مولانا محمد یوسف لدھیانوی (شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے علاوہ دوسرے مولانا یوسف صاحب تھے) انہوں نے جناب مولانا سہیل عباسی صاحب کی تقریر سے متعلق دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ منگوایا۔ اس پر مولانا سہیل عباسی صاحب نے ایک استفتاء مرتب کر کے دارالعلوم دیوبند بھجوایا۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی صدارت پر حضرت مولانا سید مہدی حسنؒ صاحب متمکن تھے۔

آپ نے اس استفتاء کا جواب تحریر فرمایا جو محمد بن مہدی ناظم ادارہ تصنیف وتالیف نے (نمبر ۱۲۶۹) کشمیری گیٹ دہلی نمبر ۶ سے شائع کیا۔ یہ رسالہ نایاب ہے۔ اس کا ملنا اس دور میں بہت دشوار ہے۔ اللہ رب العزت حضرت مولانا نعیم الدین استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک، مولانا محمد عابد ناظم تعلیمات جامعہ مدنیہ کریم پارک اور جناب قبلہ میاں رضوان نفیس کو جزائے خیر دیں کہ اس نایاب رسالہ کا عکس وکمپوزنگ مہیا کیا جسے ہم ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر ۹ پر شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک خط اور اس کا جواب

المعروف بہ حقیقت یزید

حضرت مفتی صاحب دامت معالیہم السامیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مزاج گرامی

پس از سلام مَعَ اُلُوْفِ الاحترام عرض رسائے خدمتِ سامی ہے کہ یہاں چوک میں سال بسال حضرت عثمانؓ کی جناب میں اِساءتِ ادب کی جاتی تھی۔ میں ہر سال مسجد میں مدافعت کرتا تھا اور وہ کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ لہٰذا میں نے مجبور ہو کر ان مشائخ کی مذکورہ بالا عبارتوں کو (جو سائل کی دوسری تحریر میں ہیں) سامنے رکھ کر یزید سے بھرے مجمع میں مدافعت کرنی شروع کر دی اور بقول امام غزالی بحوالہ کتاب رحمہ اللہ کی اجازت کا بیان لا تسبوا الاموات وغیرہ احادیثہ وَلاَ تجعل فی قلوبنا غلاً ..... وغیرہ آیات سے استفادہ واستشہاد شروع کر دیا اس طرح روافض سے انتقام لیا کہ ملک بھر میں شیعوں میں کہرام مچ گیا مگر جو ..... مجھ سے خطابت پہلے سے چھیننا چاہتے تھے انہوں نے میرے خلاف فتاویٰ منگا کر نشر و اشاعت شروع کر دی ..... اب آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ جہاں تاریخ الخلفاء میں یہ موجود ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے (یزید کو) امیر المومنین کہنے والے کو ۲۰ کوڑے لگوائے۔ کیا یہ راوی حدیث ہے کیا وہ معتبر رجال میں ہے۔ اتنی بہت سی قدماء کی عبارات ہوتے ہوئے کیا ایسی روایت قابل استناد ہے..... اب انہیں زریں موقع مل گیا ہے، میرے خلاف ہر جگہ فتوے دکھاتے پھر رہے ہیں۔ کیا ابن تیمیہ، امام غزالی حافظ ابن کثیر اکابر نے جھوٹ بولا ہے۔ کیا مغفور لہم حدیث شیخ البحر میں اور بخاری کے اَوْحَیْوا میں یزید کا استثناء ہے۔ برائے کرم نوازی جواب تفصیل سے مرحمت فرمائیں۔ والسلام!

(سید اظہار الحق سہیل عباسی، ٹوبہ)

الجواب

وعلیکم السلام! اقول بحول الله وقوته وهو الملهم اللصدق والصواب (آپ نے تاریخ الخلفاء میں جو واقعہ مذکور ہے اس کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں۔ کیا یہ راوی حدیث ہے (کیا وہ معتبر رجال میں ہے۔ کیا ایسی روایت قابل استناد ہے)

تو گزارش ہے کہ یزید کے انکار کے بارے میں دو گروہ ہیں۔ جمہور اہلسنت کافر نہیں کہتے لیکن اس کے فسق پر تقریباً سب متفق ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں حامی یزید کو کوڑے لگوانے کا جو واقعہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا نقل کیا ہے صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی تہذیب التہذیب کے ص ۳۶۱ ج ۱۱ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ جس کی عبارت حسب ذیل ہے:

''وقال یحی بن عبد الملك بن ابی غنیة احمد الثقاتِ ثنا نوفل بن ابی عقرب ثقةٌ قال کنتُ عند عمر بن عبد العزیز فذکر رجل یزید بن معاویة فقال ''قال امیر المومنین یزیدُ'' فقال تقول امیر المومنین یزید فامربه فضرب عشرین سوطا''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حافظ سیوطیؒ سے مقدم ہیں اور حافظ ابن حجرؒ سے پہلے صاحب تہذیب الکمال مزی محدث ہیں تہذیب الکمال میں یہ واقعہ مذکور ہے اسی سے حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ تہذیب الکمال کا اختصار اور خلاصہ تہذیب التہذیب ہے۔ حافظ ابن حجر کی عادت ہے کہ جب کچھ اپنی طرف سے زیادہ کریں گے تو اس کو لفظ قلتؔ سے تعبیر کریں گے جس کا علم دیباچہ تہذیب سے ہوسکتا ہے۔ یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

یحییٰ بن عبد الملک کی توثیق

یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ الکوفی بخاری مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کے رجال میں داخل ہیں۔ ثقہ صالح الحدیث ہیں۔ یحییٰ بن معین، عجلی، امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، دارقطنی وغیرہ۔ سب محدثین نے ان کے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے جو تہذیب التہذیب کے ص ۲۵۲ ج ۱۱ میں موجود ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نام کے ساتھ ہی ان کی صفت بیان کردی اور اَحَدُ الثقاتِ کہہ دیا کہ ثقہ راویوں میں سے یحییٰ بن عبد الملک ایک ثقہ راوی حدیث ہیں۔ ان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب ہیں۔ وہ بھی ثقہ ہیں۔ جس کی تصریح خود حافظ ابن حجر نے کردی۔ نوفل نے یحییٰ عبد الملک سے بیان کیا کہ میں عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ: ''امیر المومنین یزید نے کہا۔'' تو فوراً خلیفہ نے کہا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ پس خلیفہ نے بیس کوڑے مار دینے کا حکم کیا اس کو بیس کوڑے مار دیئے گئے۔

اگر واقعہ غلط ہوتا تو اپنی عادت کے مطابق حافظ ابن حجرؒ ضرور اس پر ریمارک کرتے۔ حافظ ابن حجرؒ کی توثیق کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مخالف موجود نہیں ہے تو پھر ثبوت میں تردد کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یحییٰ بن عبد الملک اور نوفل دونوں ثقہ ہیں۔ راویانِ حدیث میں داخل ہیں اور روایت قابل استناد ہے۔

عباسی صاحب کا دھوکا، علامہ ابن حجر پر افتراء

اصول ''الجنون فنون'' تسلیم شدہ ہونے کی بناء پر ایک بات یاد آگئی اسے بھی یہاں پر ذکر کردوں۔ کتاب خلافت معاویہ و یزید کے مولف عباسی صاحب نے اس واقعہ کو تو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا لیکن کمال دیانت دجل و فریب سے کام لے کر حافظ ابن حجر اور محدث یحییٰ بن عبد الملک پر افتراء کیا کہ محدث یحییٰ نے یزید کو ثقہ کہا ہے اور حافظ نے تہذیب میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

سچ ہے ۔

باندھی ہے سب نے زبیر فلک جھوٹ پر کمر
شاید بگڑ گیا ہے کہیں ماٹ نیل کا

دیکھئے کتاب خلافت معاویہ و یزید کا ص ۴۵ جس کی عبارت یہ ہے۔

''امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر روات احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی متوفی ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے ہیں۔'' انتہیٰ بلفظ! سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست یہ کس عبارت کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ ہے۔ (وقال یحییٰ عبد الملک بن ابی غنیہ احد الثقات) کا صرف) وقال یحییٰ بن عبد الملک احد الثقات کا ترجمہ نقل کر کے عباسی صاحب نے امام ابن حجرؒ نے اور محدث یحییٰ پر افتراء کیا اور کس دلیری سے آفتاب نیمروز میں یہ کہہ دیا کہ محدث یحییٰ نے یزید کو ثقہ کہا ہے۔

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

میزان الاعتدال میں یزید کے بارے میں حافظ ذہبیؒ کا یہ قول بھی موجود ہے (مَقْدُوْحٌ فِیْ عَدَالَتِہٖ) عدالت کے اعتبار سے یزید مجروح ہے۔ احد الثقات حافظ ابن حجر کا قول محدث یحییٰ کے بارے میں ہے کہ محدث یحییٰ بن عبد الملک ثقہ راویانِ حدیث میں سے راوی ثقہ ہیں یہ یحییٰ کا قول نہیں ہے۔ لفظ قال اور احد الثقات کا ترجمہ کر کے لاتقربو الصلوۃ کی نظیر پیش کر دی نہیں نہیں بلکہ ع گربہ شاشید گفت بارانست۔ کہہ اٹھے۔ حافظ ابن حجر محدث یحییٰ کے واسطہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی توثیق کر دی کہ بیان کرنے والے ثقہ ہیں۔ ترجمہ یہ ہے کہ محدث یحییٰ بن عبد الملک نے کہا جو ثقہ راوی ہیں کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں الخ دیکھا آپ نے کس دیانت سے کام لیا اور کتنی حقانیت کی

داد دی۔ کیا اسی کا نام ریسرچ اور حقیقت سے پردہ اٹھانا ہے۔ سطور بالا میں تہذیب کی پوری عبارت منقول ہے جس کو عربی زبان اور اصطلاحات محدثین سے کچھ ہی لگاؤ اور ادنیٰ تعلق ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ عباسی صاحب نے دانستہ دھوکا دیا ہے اور ریسرچ کے پردے میں حافظ ابن حجر اور محدث یحییٰ بن عبدالملک دونوں پر افتراء کیا ہے۔ کیا یہ حقیقت سے پردہ اٹھایا جارہا ہے؟ ہے کوئی مردِ میدان جو اس کمال ریسرچ کی داد دے۔ آفتاب نیمروز میں یہ ظلمت عبوسیت کیسے چھا گئی۔ یزید کی مدح میں حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ایک جملہ بھی نقل نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ اس کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہے اور یہ کہا ہے اس کو تمیز[1] کے لئے ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یزید کے حکم سے فوج کے لئے مدینہ منورہ تین روز تک حلال اور مباح کر دیا گیا تھا۔ جس میں قتل وخون ریزی، عصمت دری، لوٹ مار اور غارت گری انتہاء کو پہنچ گئی تھی، جو تاریخ یزید کا انمٹ شاہکار ہے اور اس کے صفحات پر بدنما داغ۔

عباسی صاحب کا ایک اور افتراء

ہاں! یہ بھی کہا ہے کہ مجھ کو مراسیل ابوداؤد میں یزید کی صرف ایک روایت ملی ہے۔ جس کو عباسی صاحب نے فریب کاری کے سلسلہ میں مرویات سے تعبیر کر کے حافظ ابن حجر پر ایک اور افتراء کیا۔ مرویات میں اور ایک روایت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ مرسل کے حجت ہونے نہ ہونے میں محدثین کا جو اختلاف ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ پھر وہ مرسل روایت صحیح بھی ہے یا نہیں یہ علیحدہ مستقل بحث ہے۔ جو یہاں کے موضوع سے خارج ہے۔

---

[1] یعنی اس لئے ذکر کیا ہے کہ یزید بن معاویہ ابن سفیان اور یزید بن معاویہ النخعی دونوں میں امتیاز ہوجائے۔ نعیم

یہ جو کچھ عرض کیا گیا بطور جملہ معترضہ کے عرض کیا گیا کہ الحدیث جنون والجنون فنون کے ماتحت تھا۔ آپ تو اس واقعہ کے رجال و رواۃ کے متعلق سوال فرما رہے ہیں۔ یہ لوگ راویان حدیث ہیں یا نہیں۔ یہ ثقہ ہیں یا نہیں لسان المیزان میں بھی یہی واقعہ منقول ہے۔

آپ کا یہ استفہام کیا ابن تیمیہ، امام غزالی، حافظ ابن کثیر اکابر نے جھوٹ بولا ہے؟ اس کا سیدھا سا جواب تو یہی ہے کہ کیا امام احمد، ابن الجوزی، قاضی ابویعلیٰ، ان کے لڑکے قاضی ابو الحسین، الکیا الہراسی، حافظ سیوطی، حافظ عینی، حافظ ابن حجر، علامہ تفتازانی، خود حافظ ابن کثیر وغیرہ نے جھوٹ بولا ہے؟ جو انہوں نے یزید کی مذمت کی ہے اور بعض نے تو کافر تک کہہ دیا ہے۔ کیا حدیث مغفور لہم امام احمد کے سامنے نہیں تھی۔ کیا ان حضرات کو ذہول ہو گیا تھا۔ اس عبارت کو پڑھئے۔

''وبعضهم طلق اللعن عليه منهم ابن الجوزی المحدث وصنف كتابا سماه الرد على المتعصب العنيد المانع عن ذم يزيد'' ومنهم الامام احمد بن حنبل ومنهم القاضی ابو يعلى''

(نبراس علی شرح العقائد ص ۵۵۳)

وقد استدل بهذا الحديث وامثاله مَنْ ذهب الى الترخيص فی لعنته يزيد بن معاوية وهو رواية عن احمد بن حنبل اختارها الخلال وابوبكر عبد العزيز والقاضی ابو يعلى وابنه القاضی ابو الحسين وانتصر لذلك ابو الفرج ابن الجوزی فی مصنف مفرد وجوز لعنته'' اھ! (البدایہ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۲۳)

یہ ابن الجوزی وہی ہیں جن کو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۸ میں شیخ عبدالمغیث بن زبیر الحربی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ جہاں سے عباسی صاحب نے کتاب فضل یزید کو نقل کیا ہے۔ (عباسی صاحب لکھتے ہیں)

''کان من صلحاء الحنابلة و کان یزار''

(البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجع عوام تھے انہوں نے امیر یزید کے حسن سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی۔

''وله مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بألغرائب والعجائب'' اھ!

(البدایة والنهایة ج ۱۲ ص ۳۲۸)

اور ان کی (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کئے ہیں۔

(کتاب خلافت معاویہ یزید ص ۵۶)

عباسی صاحب کی خیانت

یہ عبارت تو عباسی صاحب نے نقل کردی مگر اس عبارت کو صاف اُڑا دیا جو اسی کے متصل تھی جس سے حافظ ابن کثیر کی رائے پر بھی روشنی پڑتی تھی کہ کتاب فضل یزید کے متعلق خود ان کا خیال ہے۔

صاحب البدایہ والنہایہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

''وقدرد علیه ابو الفرج ابن الجوزی فاجادو اصاب'' (البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

کہ ابن الجوزیؒ نے شیخ عبدالمغیث کی کتاب کا رد بہت اچھا اور بہت صحیح کیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک کتاب فضل یزید کوئی قابل اعتناء کتاب نہیں ہے بلکہ حافظ ابن الجوزی نے جو اس کتاب کا رد کیا ہے وہ صحیح اور قابل اعتبار ہے۔ کتاب فضل یزید ردّ ہی کے قابل تھی کہ اس میں عجائب وغرائب بے سروپا بے تکی باتیں بلا تحقیق وبلا سند اور نقد وتبصرہ کے بغیر شیخ عبدالمغیث نے جمع کردی تھیں جن کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ ابن کثیر نے محدث ابن جوزی کے ردّ کی تعریف کی اور شیخ عبدالمغیث کی کتاب کی تعریف نہ کی بلکہ اتی فیہ بالعجائب والغرائب کہہ کر اس کی پوزیشن کو اور کمزور کردیا۔ آپ دریافت کرتے ہیں کیا حافظ ابن کثیر نے جھوٹ بولا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت کی بناء پر یہی میں دریافت کرسکتا ہوں کہ مذکورہ بیان میں کیا ابن کثیر نے جھوٹ بولا ہے جس کو عباسی صاحب نے اپنے ریسرچ میں حذف کرکے داد تحقیق دی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

صباء را شرم می آید بروئے گل نگہ کردن
کہ رخت غنچہ ادا کردو نتوانست نہ کردن

آخر حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں حسب ذیل عبارت بھی تو ہے۔

"وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات واما تنھا فی غالب الاوقات" (البدایہ والنھایہ ج۸ ص۲۳۰)

اور یزید شہوات میں منہمک تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی ترک کر دیتا تھا اور اکثر اوقات مکروہ وقتوں میں نماز پڑھا کرتا تھا۔

کیا حافظ ابن کثیر جھوٹ بول رہے ہیں کیا ان کا یہ قول جھوٹا اور غلط ہے یزید مذکورہ خصال کے ساتھ فاسق وفاجر بھی تھا کیا ان کے دونوں قولوں میں تعارض ہے؟ میرے نزدیک تعارض نہیں ہے۔ دونوں قول اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔

چوں قاضی بفکرت نویسد سجل
نگر دوز دستار پنداں فجل

اس عبارت کو بھی عباسی صاحب نے اپنے ریسرچ میں ذکر نہیں کیا جو ان کے کمال علمی پر دال ہے۔

آپ استفہام فرماتے ہیں (کیا امام غزالی نے جھوٹ بولا ہے) میری گزارش یہ ہے کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا یہ ان کی رائے ہے۔ جس کا دوسرا پابند نہیں ہوسکتا۔ انہیں کے ہم عمر، ہم عصر، استاد شریک، سن پیدائش میں شریک، مثیل و ثانی غزالی فقیہ ابوالحسن الکیا الہراسی الشافعی ہیں۔ امام غزالی کے خلاف وہ فتویٰ دیتے ہیں کیا وہ جھوٹ بول رہے ہیں؟ اس عبارت کو پڑھئے۔ میرے نزدیک بے اصل بات اشتر گرگین کا ضرط ہے۔

"علی بن محمد ابو الحسین عماد الدین المعروف بالکیا الراسی احدا لفقهاء الکیار من روس الشافعیة واشتغل علی امام الحرمین وکان والغزالی اکبر التلامذہ" اھ!

(البدایہ والنہایۃ ج۱۲ ص۱۲۷)

علی بن محمد ابوالحسن الطبری جو الکیا الہراسی کے لقب سے مشہور ہیں فقیہ کبیر اور شافعیہ کے علمی سرداروں میں سے ایک سردار ہیں امام الحرمین کے شاگرد ہیں۔ وہ اور امام غزالی امام الحرمین کے اکبر التلامذہ ہیں۔ (دونوں چندے آفتاب وماہتاب ہیں)

"وقد سمع الحدیثه الکثیر وافتی ناظر و درس وکان من اکابر الفضلاء وسادات الفقهاء"

(البدایہ والنہایہ ج۱۲ ص۱۲۷)

احادیث کثیرہ سنی ہیں۔ مفتی مناظر مدرس ہیں۔ اکابرین فضلاء اور سادات فقہاء میں داخل ہیں۔

ہر اسی کے بارے میں ابن خلکان کی رائے بھی حافظ ابن کثیر کی زبانی سن لیں۔

''قال والکیا الھراسی کبیر القدر مقدم ومعظم''
اھ! (البدایۃ والنھایۃ ج۱۲ص۱۷۲)

ابن خلکان کا قول ہے کہ ہراسی کبیر القدر مقدم معظم ہیں۔

یزید کے متعلق امام غزالیؒ کے ہم سبق امام کیا ہراسی کا فتویٰ

انہیں الکیا الہراسی سے یزید کے بارے میں فتویٰ دریافت کیا جا رہا ہے کہ یزید کیسا شخص ہے۔ وہ اس کا جواب دیتے ہیں اسے بھی حافظ ابن کثیر ہی کی زبانی سن لیں۔

''واستفتی فی یزید بن معاویہ فذکر تلاعبا و فسقا وجوز شتمہ'' اھ! (البدایہ والنھایہ ج۱۲ص۱۷۳)

یزید کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے تلاعب اور فسق کو ذکر کیا اور اس پر سب وشتم کو جائز قرار دیا۔ امام غزالیؒ تو جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن کیا فقیہ ہراسیؒ شافعی جھوٹے ہیں۔ جن کے قول کو حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔ امام غزالیؒ کے فتویٰ کو تو نقل کیا جاتا ہے۔ مگر ان کے ہم عصر وہم سبق فقیہ ومحدث اور مفتی کے فتویٰ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یہ کہاں کا انصاف ہے؟

امام کیا ہراسی کا مقام علم وفضل میں امام غزالی سے بہت اونچا ہے

پھر علم وفضل اور تفقہ وتحدیث کے اعتبار سے اگر دونوں میں موازنہ کیا

جائے تو معلوم ہو کہ دونوں میں سے کس کا قول وفتویٰ راجح ہونا چاہئے۔ دونوں شافعی المذہب ہیں۔ ہم سبق ہم عمر ہیں تو دونوں درجہ میں برابر ثابت نہ ہوں گے۔ بلکہ علم و فضل اور فقاہت کے اعتبار سے ہراسی کا اونچا مقام ہے۔ اس لئے کہ ہراسی اَحَدُ الفقهاء الكبارِ من رويس الشافعية سادات فقہاء اکابر فضلاء میں داخل ہیں کبیر القدر ہیں مقدم و معظم ہیں۔

محدث و مفتی ہیں۔ امام غزالیؒ سے بڑے ہوئے ہیں امام غزالیؒ اور محدث و فقیہ ہراسیؒ دونوں کا ترجمہ البدایہ والنہایہ دونوں میں موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے موازنہ ہوسکتا ہے کہ اس بارے میں کس کا قول راجح ہے انہیں ترجموں سے سطور بالا کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ امام غزالیؒ کے ترجمہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"ثم انه خرج عن الدنيا بالكلية و اقبل على العبادة واعمال الآخرة وكان يرتزق من النسخ ورحل الى الشام فاقام بها بدمشق وبيت المقدس مدة وصنف فى هذه المداة كتابه احياء علوم الدين وهو كتاب عجيب يشتمل على كثيرة من الشرعيات و ممزوج باشياء لطيفة من التصوف واعمال القلوب لكن فيه احاديث كثيرة ذائبه و منكرات وموضوعات كما يوجد فى غيره من كتب الفروع التف اليستدل بها على الحلال والحرام فالكتاب للرفائق والترغيب والترهيب اسهل امراً من غيره وقد شنع عليه ابو الفرج ابن الجوزى ثم ابن الصلاح فى ذلك تشنيعًا كثيراً واراد المازِى ان يحرق كتابيه احياء علوم الدين و كذلك غيره من

المغاربة وقالوا هذا كتاب احياء علوم دينه وَاَمَّا دينُنا فاحياء علومه كتابُ الله و سنةُ رسوله كما قدحكيت ذلك فى الطبقات فى ترجمته وقدزيف ابن شكر مواضع احياء علوم الدين وبين زينها فى مصنف مفيد وقد كان الغزالى يقول انا موجى البضاعة فى الحديث ويقال انه مال فى اخر عمره الى سماع الحديث والتحفظ الصحيحين وقد صنف ابن الجوزى كتابا على الاحياء و سماه علوم الاحياء بالغليط الاحياء وقال ابن الجوزى ثم الزمه بعض الوزراء بالخروج فى نيساپور تدرس بنظامتها ثم عاد الى بلده طوس فاقام بها واتبنى رباطا والحذ وارا حسنة وغرس فيها بستانًا اينهًا و اقبل على تلاوة القرآن وحفظ الاحاديث الصحاح"

(البداية والنهاية ج۱۲ ص۱۷۴)

پھر امام غزالیؒ نے دنیا بالکلیہ ترک کردی اور عبادت و اعمال آخرت میں مشغول ہوگئے۔ کتابت کے ذریعہ روزی کماتے تھے اور شام کا سفر کیا ایک مدت تک دمشق اور بیت المقدس میں مقیم رہے۔ اس زمانہ میں کتاب احیاء العلوم تصنیف کی۔ وہ عجیب کتاب ہے بہت سے علوم شرعیہ پر مشتمل ہے۔ اعمال قلوب اور تصوف کی اشیاء لطیفہ سے مخلوط ہے لیکن اس میں بہت سی حدیثیں موضوع ومنکر اور غریب ہیں جیسا کہ احیاء کے علاوہ مسائل فرعیہ کی دوسری کتابوں میں منکرات وموضوعات ہیں جن سے حلال وحرام پر استدلال کیا جاتا ہے۔ پس رقائق اور ترغیب وترہیب کے موضوع پر جو کتاب ہے دوسری تصانیف کے اعتبار سے اس کا حال اسہل ہے ابن

جوزی نے ان کے بعد ابن الصلاح نے امام غزالیؒ پر بہت ہی تشنیع کی ہے۔ محدث مازری نے احیاء العلوم کے جلادیئے جانے کا ارادہ کیا تھا اسی طرح دوسرے مغربی محدثوں نے ارادہ کیا اور کہا کہ امام غزالی کے علوم دین کے احیاء کی یہ کتاب ہے۔ لیکن ہمارے دین کے علوم کا احیاء کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو کتاب الطبقات میں امام غزالیؒ کے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔ محدث ابن شکر نے احیاء العلوم کے بہت سے مواضع کو ضعیف اور کمزور کر دیا اور ان تزیینات اور کمزوریوں کو ایک مفید تصنیف میں بیان کیا ہے خود امام غزالیؒ کہا کرتے تھے کہ حدیث میں میری پونجی ہیچ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آخر عمر میں سماع حدیث اور صحیحین کے یاد کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ابن الجوزی نے احیاء العلوم پر کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس کی غلطیاں بیان کی ہیں اور اس کا نام علوم الاحیاء بِأَغَالیط الاحیا رکھا ہے۔ ابن جوزی نے بیان کیا ہے ایک وزیر نے نیشاپور جانے کے لئے امام غزالیؒ پر زور دیا پس نیسابور گئے اور مدرسہ نظامیہ میں کچھ مدت درس دیا پھر اپنے وطن طوس واپس آ گئے۔ وہاں ایک خانقاہ تیار کی اور اچھا مکان لیا اور اس میں ایک عمدہ باغ لگایا اور تلاوت قرآن اور احادیث صحیحہ کے یاد کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں وفات پائی۔

لیکن ابو الحسن الکیا الہراسی کی تصنیف کے بارے میں یا خود ان کے علم حدیث و فقہ کے بارے میں کوئی ایسی شیء البدایہ والنہایہ میں آپ کو نہیں ملے گی۔ جس سے ان کا دامن علم داغدار ہو۔ بلکہ حافظ ابن کثیرؒ نے ان کے ترجمہ میں جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ غزالیؒ کے ترجمہ میں نہیں ہیں۔

"علی بن محمد ابو الحسن الطبری و یعرف مالکیا الهراسی احد الفقهاء الکبار من روس الشافعیه واشتغل علی امام الحرمین وکان هو والغزالی اکبر

التلامذة وقد ولی کل منهما تدریسا النظامیة نیسابور وقد کان ابو الحسن هذا فصیحًا جهوری الصوت جمیلاً وقد سمع الحدیث الکثیر و ناظر الدرس وافتی اوکان من اکابر الفضلاء وسادات الفقهاء وله کتاب یردّ فیه علی ما انفرد به الامام احمد بن حنبل فی مجلد وله غیره من المصنفات وذکر ابن خلکان انه کان لحفظ الحدیث ویناظر به قال والکیا کبیر القدر مقدم معظم"

(البدایه والنهایه ص۷۳، ۷۲)

علی بن محمد ابوالحسن الطبری جو الکیا الہراسی کے لقب سے معروف ہیں فقہاء کبار میں داخل ہیں۔ رؤس شافعیہ سے ہیں۔ امام الحرمین کے شاگرد ہیں۔ وہ اور غزالی ان کے اکبر تلامذہ ہیں۔ دونوں نیسابور کے مدرسہ نظامیہ کے مدرس ہیں یہ ابو الحسن فصیح بلند آواز اور جمیل ہیں احادیثِ کثیرہ کے سامع ہیں مناظر مفتی مدرس ہیں اکابر فضلاء اور سادات فقہاء میں داخل ہیں۔ ان کی ایک مستقل تصنیف ہے جس میں امام احمد رحمۃ اللہ کا ان مسائل میں رد کیا ہے جن میں دوسرے ائمہ سے منفرد ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی تصنیفات ہیں ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ وہ حدیث کے حافظ و مناظر تھے اور یہ بھی ابن خلکان نے کہا ہے کہ کبیر القدر مقدم معظم تھے۔ اس عبارت کے اجزا ماتقدم میں گزر چکے ہیں لیکن ایک جگہ پر پوری عبارت کو درج کیا ہے تاکہ موازنہ میں آسانی ہو۔ اس قسم کے فضائل و مناقب امام غزالیؒ کے ترجمہ میں نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس منقولہ عبارت سے پہلے حسب ذیل عبارت ہے جس کو نقل کئے دیتا ہوں۔ تاکہ کسی کو کسی شبہہ کی گنجائش نہ رہے اور کسی قسم کے الزام کی نوبت نہ آئے۔

"محمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالی ولد سنة خمسین واربع ماته وتفقه علی امام الحرمین و برع علوم کثیرة وله مصنفات منتشرة فی فنون متعددة فکان من اذکیاء العالم فی کل ما یتکلم فیه وساد فی شبیبة حتی انه درس والنظامیة ببغداد فی سنة اربع وثمانین وله اربع و ثلاثون سنة فحضر عنده رؤس العلماء و کان ممن حضر عنده ابو الخطاب وابن عقیل و هما من روس الحنابلة فتعجبوا من فصاحة و اطلاعه قال ابن الجوزی و کبتوا کلامه فی مصنفاتهم"

(البدایه والنهایه ج۱۲ ص۷۴،۷۳)

ابو حامد غزالی ۴۵۱ھ میں پیدا ہوئے امام الحرمین سے فقہ حاصل کی۔ علوم کثیرہ میں فائق ہو گئے مختلف فنون میں ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جن مسائل میں کلام کرتے تھے۔ اذکیا العالم میں شمار ہوتے تھے۔ اپنی جوانی میں سردار ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ ۳۴ سال کی عمر میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں ۴۸۴ھ مدرس ہو گئے۔ ان کے پاس بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تھے جو علماء ان کے درس میں حاضر ہوتے تھے ان میں سے ابو الخطاب اور ابن عقیل بھی ہیں۔ جو روس الحنابلہ میں شمار ہوتے تھے۔

امام غزالیؒ کی فصاحت و واقفیت علوم سے متعجب تھے۔ ابن الجوزی نے بیان کیا کہ امام غزالی کی تحقیق و کلام کو ان علماء نے اپنے مصنفات میں داخل کیا۔ یہ ہیں دونوں حضرات کے ترجمے، ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اختلاف کے وقت دونوں میں کس کا قول راجح اور اقرب الی الصواب ہوگا۔ یہ طبقات فقہاء شافعیہ سے

بطریق اولیٰ معلوم ہوسکتا ہے۔ گو مجھ کو موازنہ کا حق نہیں کہ میں حنفی ہوں لیکن آپ نے استفہام ہی ایسے طریق پر کیا کہ مجھے لکھنا پڑا۔

مقطع میں آ پڑی تھی سخن گسترانہ بات
ورنہ بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

عبدالمغیث اور ابن جوزی میں فرق

یہی فرق مرتبہ شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی صاحب کتاب فضل یزید اور محدث ابن الجوزی کے رد میں ہے کہ ابن الجوزی اور شیخ عبدالمغیث دونوں حنبلی ہیں مگر دونوں میں علمی فرق ہے۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

ابن الجوزی محدث، مؤرخ، فقیہ، حافظ حدیث عالم فاضل مؤلفات کثیرہ کے مصنف ہیں۔ بخلاف شیخ عبدالمغیث کے وہ صالحین حنابلہ میں سے ہیں۔ ''وکان یزار'' ان کی زیارت اور ملاقات کے لئے لوگ ان کے پاس آتے جاتے تھے جن کو عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں مرجع عوام سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا محدث ابن جوزی نے شیخ عبدالمغیث کا جو رد کیا ہے جس کا نام ''الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید'' ہے بہت عمدہ اور بہت صحیح رد ہے۔ جس کی تصدیق حافظ ابن کثیرؒ نے بھی کردی۔

آپ کو علم ہوگا کہ علامہ ابن الجوزی کی تصنیفات اتنی ہیں کہ اگر ان کے اجزاء کو پیدائش سے لے کر ان کی وفات کے دن تک پر تقسیم کیا جائے تو ایام عمر سے اجزائے کتب بڑھ جائیں گے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ اس بارے میں حنفیہ کا کیا مسلک و مذہب ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک مذہب و مسلک کے دو عالموں میں ترجیح کس کے قول کو ہوگی اور کس کا قول راجح ہوگا۔ علامہ ابن

الجوزی نے اپنی کتاب الرد علی المتعصب العنید میں یہ بھی کہا ہے: ''وقد اجاز العلماء الورعون لعنه'' (حاشیہ نبراس علی شرح العقائد ص ۵۵۳) کہ اہل ورع اور متقی پرہیزگار علماء نے یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔ ان سب کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رند آن خبرے نیست کہ نیست

گفتگو امام غزالیؒ اور فقیہ ہراسیؒ کے قول میں ہو رہی ہے۔ ایک عبارت اور ملاحظہ فرما لیں۔ آپ کے سوال پر عرض ہے۔ ورنہ یہ امور ''لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' میں داخل ہیں ہم کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ گڑے مردے اکھیڑیں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ وہ جو چاہے کرے۔ ہمارے عمل و عقیدہ سے جس کا تعلق ہوگا اسی سے بروز قیامت باز پرس اور پوچھ گچھ ہوگی۔ (حیاۃ الحیوان جلد ثانی ص ۹۶، ۱۹۵) ملاحظہ ہو۔

''سئل الكيا الهراسى الفقيه الشافعى عن يزيد بن معاوية هل هو من الصحابة ام لا وهل يجوز لعنه ام لا فاجابه انه لم يكن من الصحابة لانه ولد فى ايام عثمان رضى الله تعالىٰ عنه واما قول السلف فقيه لكل واحد من ابى حنيفة ومالك و احمد قولا ان تصريح وتلويح ولنا قول و احد التصريح دون التلويح و كيف لا يكون كذلك وهو المقيد بالفهد واللاعب بالنرد ومدمن الخمر و من شعره فى الخمر قوله اقول لصحبى ضمنا الكاس شملهم وداعى صبابات الهوى يترنم خذوا بنصيب من نعيم ولذة فكل وان طال

المدی یتصرم و کتب فصلا طویلا اضربنا عن ذکرہ ثم قلب الورقة و کتب ولو مدت ببیاض واطلقتُ العنان وبسطت الکلام فی مخاذی هذاالرجل"

الہراسی فقیہ شافعی سے یزید کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ یزید صحابی ہے یا نہیں اور یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یزید صحابی نہیں ہے بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوا۔ لیکن سلف صالحین امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام احمدؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں تصریح و تلویح لیکن ہمارا ایک قول تصریح ہے تلویح نہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ فہد (گلدار) سے شکار کرتا اور نرد شیر سے کھیلتا اور دائم الخمر تھا شراب کے بارے میں اس کے یہ دو شعر ہیں۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں۔ جن کی جماعت کو دورِ جام نے جمع کر دیا اور محبت کی امنگوں کا داعی ترنم خیز ہے۔ نعیم دلذت سے اپنے حصہ کو لے لو۔ اس لئے کہ اگرچہ مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو ہر ایک انسان ختم ہو جائے گا۔ اس کے بارے میں ایک طویل فصل سپرد قلم کی ہے جس کی نقل سے ہم نے پہلوتہی کی پھر ورق الٹ کر لکھا کہ اگر سفید کاغذ سے میری مدد کی جاتی تو میں باگ چھوڑ دیتا اور اس شخص (یزید) کی رسوائیوں میں بسیط کلام کرتا۔

یزید کے بارے میں ابن کثیر کی رائے

خود حافظ ابن کثیرؒ کی زبانی بھی سن لیں کہ یزید کے بارے میں ان کا کیا خیال تھا۔ یزید کا فاسق و فاجر ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے۔

"قلت یزید بن معاویة اکثر ما نقسم علیه فی عمله شرب الخمر وایتان بعض الفواحش (الی قوله) وطا

خرج اهل المدينة عن طاعته وخلعوه وولا عليهم ابن مطيع وابن حنظلة لم يذكروا عنه وهم اشد الناس عداوةً له الا ما ذكروه عنه من شرب الخمر وايتانه بعض الفاذورات لم يتهموه بزندقة كما يقذفه بذلك بعض الروافض بل قد كان فاسقاً والفاسق لايجوز خلعه لاجل ما يثور بسبب ذلك من الفتنة ووقوع الهرج كما وقع زمن الحرة فانه بعث اليهم من يردهم الى الطاعة وانظرهم ثلاثة ايام فلما رجعوا قاتلهم وغيره ذلك وقد كان فى قتالٍ اهل الحرّة كفاية ولكن تجاوز الحد باباحة المدينة ثلاثة ايامٍ فوقع بذلك شر عظيم كما قدّمنا" (البداية والنهاية ج۸ ص۲۳۲)

میں کہتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ یزید بن معاویہ پر اس کے اعمال کے بارے میں جو عیب لگایا ہے وہ اس کا شراب پینا اور بعض فواحش کا ارتکاب کرنا ہے (الی قولہ) اور جب اہل مدینہ نے اس پر خروج کیا اور اس کی بیعت کو توڑ کر اپنا حاکم ابن مطیع اور ابن حنظلہ کو مقرر کیا تو انہوں نے باوجودیکہ اہل مدینہ یزید کے سخت ترین دشمن تھے۔ اس کے شراب خمر اور بعض گھناؤنی چیزوں کے ارتکاب ہی کو ذکر کیا اس کو زندقہ کے ساتھ متہم نہیں کیا۔ جیسا کہ بعض روافض اس کے ساتھ اس کو متہم کرتے ہیں بلکہ وہ فاسق تھا اور فاسق کی بیعت توڑنا جائز نہیں کہ اس کے سبب سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اور خون ریزی ہوتی ہے جیسا کہ حرّہ کے زمانہ میں واقع ہوا کہ یزید نے اہل مدینہ کی طرف لشکر روانہ کیا تاکہ وہ خلع بیعت سے باز آ کر اطاعت یزید قبول کرلیں تین روز کی مہلت دی گئی لیکن جب اہل مدینہ نے رجوع

نہ کیا تو ان سے جنگ شروع ہوگئی۔ اہل حرہ کے قتال میں کفایت تھی۔ لیکن تین روز تک اباحت مدینہ کا حکم کرنے کی وجہ سے یزید حد سے گزر گیا۔ جس کے سبب سے مدینہ میں شر عظیم واقع ہوا چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ خط کشیدہ عبارت پر بغور نظر ڈالیں اس سے معلوم ہوگا۔ حافظ ابن کثیر یزید کو متقی پرہیزگار اور ثقہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک بھی یزید فاسق ہی تھا۔ بل قد کان فاسقاً شاہد عدل ہے وہ متجاوز عن الحد بھی تھا جس پر ولکن تجاوز الحدود دوسرا گواہ ہے کچھ عبارتیں اور بھی آ رہی ہیں۔ آپ نے امام ابن تیمیہ کو بھی ذکر فرمایا ہے ان کے تفردات عن المذہب مشہور ہیں اور خود ان کے بارے میں دو گروہ ہیں جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس کے لئے فتاویٰ حدیثیہ، شفاء السقام، غیث الغمام، تذکرۃ الراشد اور ابراز الغی وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے الدرر الکامنہ میں حافظ ابن تیمیہ کا آٹھ ورق میں ترجمہ پیش کیا ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اس سے بہت سے مسائل و واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ جس مذہب کے پابند ہیں اس کے متاخرین و متقدمین کیا کہتے ہیں ان کا کچھ ذکر نہ فرمایا۔ امام غزالیؒ شافعی ہیں۔ امام ابن تیمیہ حنبلی ہیں۔ حافظ ابن کثیر شافعی ہیں یہ سب یزید کے فسق و فجور پر متفق ہیں حضرت عثمانؓ صحابی ذوالنورین ہیں خلیفہ برحق ہیں۔ خلیفہ راشد ہیں۔ مبشر بالجنۃ ہیں۔ شہید صادق ہیں۔ جامع القرآن ہیں۔ جامع کمالات ہیں۔ ان سے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا کلام نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص بھی ان کے بارے میں چون وچرا کرے بے ادب، گستاخ اور بدلگام ہے بلکہ اس کا ایمان بھی خطرے میں ہے۔

علامہ انور شاہ صاحبؒ کا فرمان

مجھ سے شیخ الحدیث دارالعلوم نے بیان کیا کہ حضرت امام العصر انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث (دارالعلوم) نے فرمایا کہ جو شخص حضرت عثمانؓ کی جناب

میں گستاخی کرے گا وہ دجال کے ساتھ محشور ہوگا کہ وہ دجالی زمرے میں داخل ہے آپ نے ان کی طرف سے مدافعت کی اس کا اجر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائیں گے اور دنیا میں بھی آپ سرخرو اور نیک نام ہیں۔ جزا کم اللہ خیر الجزا!

لیکن یہ اس کو مستلزم نہیں کہ آپ یزید کو بھی ان کے ہم پلہ قرار دے کر ان کے برابر لا بٹھائیں اور اس کی مدح سرائی کی جائے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ یزید کے بارے میں اختلاف تو پہلے سے ہی موجود ہے۔ امور تاریخیہ میں اختلاف اور تعارض پایا جاتا ہے۔ دوسری جانب سے صرف نظر کر لینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ البدایہ والنہایہ کی چند عبارتیں اور ملاحظہ فرمالیں تاکہ معلوم ہو کہ حافظ ابن کثیر کی نظر میں یزید کی کیا حیثیت ہے۔ البدایہ والنہایہ کی نقول اس لئے پیش کی جا رہی ہیں کہ آپ کی طویل تحریر نقول میں اور کتاب خلافت میں اس کا ذکر خیر اکثر مواضع میں ہے اور اس کے حوالہ سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔

''وقد اخطأ یزید خطاءً فاحشا فی قوله لمسلم بن عقبه ان یبیح المدینة ثلاثة ایام وهذا خطأ کبیر فاحش مع ما انضم الی ذلك من قتل خلق من الصحابة وابناء هم وقد تقدم انه قتل الحسین علی یدی عبید الله بن زیاد وقد وقع فی هذه الثلاثة ایام من المفاسد العظیمة فی المدینة النبویة ما لا یحد ولا یوصف مما لا یعلمه الا الله عزوجل وقد اراد بارسال مسلم بن عقبة توطید سلطانه و ملکه وودام ایامه من غیر منازع فعاقبه الله بنقیض قصده و حال بینه وبین ما یشتهیه فقصمة الله قاصم الجبارة واخذ عزیز مقتدر''

(البدایه والنهایه ج۸ص۲۲۲)

اور بے شک یزید نے اپنے قول میں خطا فاحش کی جو اس نے مسلم بن عقبہ سے کہا کہ مدینہ کو تین روز تک فوجیوں کے لئے مباح کردے یہ بڑی فاحش خطا ہے۔ مع اور دیگر امور کے جو اس کے ساتھ منضم ہیں جیسے صحابہ اور ان کی اولاد کا قتل عام اور پہلے گزر چکا ہے کہ یزید نے عبید اللہ کے ہاتھوں سے حضرت حسینؓ کو قتل کیا، مدینہ نبویہ میں ان تین روز میں وہ مفاسد عظیمہ واقع ہوئے جن کی تحدید نہیں ہوسکتی اور بیان نہیں کیا جاسکتا ان کا علم بجز خدائے عزوجل کے اور کسی کو نہیں ہے۔ یزید کا مقصد مسلم ابن عقبہ کو مدینہ روانہ کرنے سے یہ تھا کہ اس کی سلطنت ملک مضبوط ہو جائے اور بغیر کسی منازع کے اس کے زمانہ حکمرانی کو دوام حاصل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے قصد کے خلاف اس کو سزا دی اور یزید اور اس کی خواہش کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گئے اور اس کی کمر کو اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا جو جابروں کی کمروں کو توڑ دیتے ہیں اور عزیز مقتدر کی پکڑ سے اس کو پکڑا اور ہلاک کر دیا۔

خط کشیدہ عبارت کو غور سے پڑھیں تا کہ معلوم ہو کہ ابن کثیر کی نظر میں یزید کی کیا حیثیت ہے۔ خصوصاً آخری سطر کو جس میں عزیز مقتدر کی پکڑ کو ذکر کیا ہے اسی عبارت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن کثیرؒ کے نزدیک یزید قاتل حسینؓ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ ''انه قتل الحسین علی یدی عبید الله''

یہ طرفہ تماشہ دیکھو تو دستور محبت یہ بھی ہے
وہ منکرِ خونِ ناحق ہے اور خون کے دھبے دامن پر

عباسی صاحب کا ابن کثیر پر افتراء

عجب ہے کہ کتاب خلافت معاویہ و یزید کے مؤلف کس دلیری اور جرأت بیباکانہ سے ص ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر نے بھی فقیہ الکیا الہراسی کے استفتاء اور امام غزالیؒ کے فتویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے یزید پر سب وشتم کرنے سے

منع کیا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ قتل حسینؓ سے راضی تھے۔ انتہی بلفظہ!

داغ نے سچ کہا ہے ؎

تیرے جھوٹ کی حد بھی ہے نامہ بر
ابھی تو گیا تھا ابھی آ گیا

ابن کثیر یزید کو مذکورہ عبارت میں قاتلِ حسینؓ کہتے ہیں اور اس کے لئے سخت الفاظ لکھتے ہیں۔ عباسی صاحب کہتے ہیں ابن کثیر نے بھی یزید پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے۔ منع کر رہے ہیں۔ امام غزالیؒ اور نسبت کی جارہی ہے ابن کثیر کی طرف سے اس افتراء کی کون داد دے؟ فقیہ ہر اسی اور امام غزالیؒ کے متعلق ماتقدم میں گزر چکا ہے۔ اس پر دوبارہ نظر ڈالیں۔ حقیقت سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ امام غزالی کا جو فتویٰ ہے اس کو ابن کثیر نقل کرتے ہیں اور اپنی کسی قسم کی رائے ظاہر نہیں کرتے پھر بھی ممانعت کی نسبت علامہ ابن کثیر کی طرف کی جاتی ہے جو اردو عبارت میں نے عباسی صاحب کی نقل کی ہے۔ اس کی شہادت میں البدایہ کی عبارت پیش کی ہے اسی کے متصل ہے۔

"ومنع من شتمه ولعنه لانه مسلم ولم يثبت بانه رضى بقتل الحسين واما الترحم عليه فجالابل مستحب بل نحن نترحم عليه فى جملة المسلمين والمومنين عموماً فى الصلوٰة"

(البدایہ والنہایۃ ج۱۲ ص۱۷۳)

اور امام غزالیؒ نے امیر یزید پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے۔ رہا ان پر (یزید) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم ان پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں تمام مسلمین ومومنین کے شمول مانگا کرتے ہیں۔ انتہی بلفظہ!

دعویٰ یہ ہے کہ (علامہ ابن کثیر نے بھی یزید پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے) اور دلیل میں یہ بیان کیا ہے کہ امام غزالیؒ نے منع کیا ہے۔ عربی عبارت نقل کردی اور ممانعت کی نسبت ابن کثیر کی طرف کردی یہ دھوکا ہے یا افتراء؟

آج ایک دنیا اس کتاب سے مرعوب ہے کہ کتاب میں تاریخی حوالے کتب تاریخیہ سے دیئے ہیں جن کا کوئی توڑ ہی نہیں۔ وہ عبارت نقل کرنی چاہئے جس میں علامہ ابن کثیر سب وشتم سے منع کرتے ہوں۔ یہاں تو غزالی منع کرتے ہیں اور تھوپا جاتا ہے ابن کثیر پر۔

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
الا یاایھا الساقی ادرکاسا وناولھا

خلافت معاویہ ویزید افتراء کی پوٹ ہے

کتاب افترأت کی پوٹ ہے پھر اس پر ایک اور ضغث علی ابالۃ والی مثل صادق ہے۔ عبارت البدایہ سے نقل کی ہے اور لفظ الحسین کے بعد عباسی صاحب نے نقطے دیئے ہیں۔ جس کی نقل مطابق اصل میں موجود ہے۔ ناظرین! ان نقطوں سے آج کل کے اصولوں کے مطابق یہی سمجھتے ہوں گے۔ اس کے بعد غیر ضروری عبارت ہوگی۔ جس کو عباسی صاحب نے نظر انداز کر دیا یا طویل ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔ حضور یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ عبارت مضر تھی جس کو دانستہ دیانت ریسرچ کا

حق ادا کرنے کے لئے حذف کر دیا مگر جلوے میری نگاہ میں کون و مکان کے ہیں۔ مجھ سے کہاں چھپیں گے۔ وہ ایسے کہاں کے ہیں۔ پڑھئے البدایہ کی اس پوری عبارت کو اور پھر دیانت کی داد دیجئے۔

''واما الغزالی فانه خالف فی ذلك و منع من شتمه ولعنه لانه مسلم ولم یثبت بأنه رضی بقتل الحسین ولو ثبت لم یکن ذلك مسوغا للعنه لان القاتل لا یلعن لاسیما وباب التوبة مفتوح والذی یقبل التوبة عن عبادة غفور رحیم قال الغزالی واما الترحم علیه فجاء من بل مستحب ونحن نترحم علیه فی جملة المسلمین والمومنین عموماً فی الصلوات ذکر ابن خلکان مبسوطاً بلفظه فی ترجمة الکیا هذا قال والکیا کبیر القدر مقدم ومعظم والله اعلم'' (البدایة والنهایه ج۱۲ ص۱۷۳)

اور لیکن غزالی نے اس میں خلاف کیا اور گالی دینے اور لعنت کرنے سے منع کیا اس لئے کہ یزید مسلمان ہے اور قتل حسینؓ پر یزید کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوا اور اگر قتل پر رضا مندی یزید ثابت بھی ہو تو یہ یزید پر لعنت کے جواز کی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ قاتل پر لعنت نہیں کی جاتی خصوصاً تو بہ کا دروازہ کھلا ہے اور جو اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے غفور رحیم ہے غزالی نے کہا ترحم یزید پر جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم عموماً نمازوں میں مجموعہ مسلمانوں اور مومنین میں یزید پر ترحم کرتے ہیں۔

اس کو بسط کے ساتھ کیا کے ترجمہ میں ابن خلکان نے ذکر کیا ہے۔ ابن خلکان نے کہا کیا کبیر القدر مقدم و معظم ہیں خط کشیدہ عبارت بغور پڑھیں جو بجائے

لفظوں کے ہے۔ غزالی کہتے ہیں کہ قتل پر رضا مندی ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس سے لعنت کرنے کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ قاتل پر لعنت جائز نہیں خصوصاً توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور توبہ قبول کرنے والے اپنے بندوں سے غفور رحیم ہیں۔ ابن کثیر کے متعلق اس میں کہاں پر ذکر ہے۔ امام غزالی کو رضا مندی قتل اور عدم رضا مندی میں خود تردد ہے۔ کیا کے ترجمہ میں ابن خلکان نے اس کو بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور بطور تنبیہ کے ابن خلکان نے کہا کیا کثیر القدر مقدم و معظم ہیں یہ کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے۔ غزالیؒ کے اعتبار سے فقیہ کیا کا قول راجح ہے۔ غزالی کہتے ہیں قتل پر رضا مندی کا ثبوت ہو یا نہ ہو۔ یزید پر لعنت جائز نہیں ہے۔ اس میں کسی جگہ پر موجود ہے ابن کثیر نے بھی یزید پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے ابن کثیر یزید کو قاتل حسینؓ کہتے ہیں جب وہ قاتل ہے تو رضا مندی قتل بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گی۔ ابن کثیر پر کھلا افتراء ہے امام غزالی کو جزم نہیں ہے جو ان کے قول ولوشبت سے ثابت ہے۔ دیکھا آپ نے جو عبارت مفید مدعا نہ تھی بلکہ خلاف مدعا تھی اس کو اڑا دیا یہ عبارت میں کتر بیونت ہے یا نہیں قدم قدم پر جھوٹ اور افتراء اور عبارت میں کاٹ چھانٹ ہے۔ امام غزالی لعنت کے جواز و عدم جواز سے بحث کرتے ہیں قتل کے ثبوت و عدم سے بحث نہیں کرتے ہیں تاکہ ان کے فتویٰ کو پیش کیا جائے ابن کثیر پر تہمت دہری جائے۔ یہ بات نامہ بر کی بنائی ہوئی سی ہے۔

یزید نے مدینہ پر فوج کشی کا کب حکم دیا ہے جب کہ احادیث میں اہل مدینہ کی اخافت وعید وارد ہو چکی تھی۔

اہل مدینہ کو ڈرانے والوں کے خلاف وعیدیں

اب ذرا ان احادیث صحیحہ پر بھی نظر ڈال لیں جو اہل مدینہ پر ظلم کرنے والوں کے متعلق ہیں۔ اس کے بعد البدایہ والنہایہ کی ایک اور عبارت پیش کروں گا

جس سے آفتاب نیمروز کی طرح ابن کثیرؒ کے خیال کا ثبوت ہوگا کہ وہ یزید کو کیا سمجھتے ہیں جس کے لئے کتاب خلافت کے اوراق سیاہ کئے گئے ہیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم میں موجود ہے۔ السائب بن خلاد کی حدیث مسند امام احمد اور نسائی میں موجود ہے جن کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

''عن سعد بن ابی وقاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یکید اھل المدینۃ احدٌ اِلاَّ انماع کما ینماع الملح فی الماء و فی روایۃ مسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزید احدٌ المدینۃ بسوءٍ الا اذابہ اللہ فی النار ذوب الرصاص اوذوب الملح فی الماء و عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اراد اھل المدینۃ بسوءٍ اذا بہ اللہ کما یذوب الملح فی الماء وعن السائب ابن خلاد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اخاف اھل المدینۃ ظلمًا اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین''

حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے کہ جو شخص اہل مدینہ سے کید کرے گا وہ اس طرح گھل جائے گا جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ فرمایا رسول اللہؐ نے جو کوئی مدینہ والوں کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں اس طرح پگھلا دیں گے جس طرح رانگ آگ میں پگھل جاتا ہے یا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہل مدینہ کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے گا اللہ

تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلا دیں گے جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو اہل مدینہ کو ناحق خوف زدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز خوف زدہ کریں گے۔

اس مضمون کی احادیث صحیح کتب حدیث میں اور بھی موجود ہیں۔ کیا یوم الحرّہ میں اہل مدینہ پر ظلم نہیں ہوا۔ کیا ان کو خوف زدہ نہیں کیا گیا۔ کیا یزید نے اباحتِ مدینہ کا حکم نہیں کیا۔ کیا صحابہ اور ان کی اولاد اور خیار تابعین کی ایک بڑی جماعت تہ تیغ نہیں ہوئی۔ کیا مدینہ میں عصمت دری نہیں ہوئی کیا بے خاوند والی ایک ہزار عورتیں حاملہ نہیں ہوئیں۔ کیا مدینہ میں لوٹ مار قتل و غارت گری نہیں ہوئی۔ وغیر ذلک! یہ سب افعالِ قبیحہ کس کے امر و حکم سے ہوئے۔ یزید کے امر و حکم سے ہوئے تو کیا وہ اور وہ لشکر احادیث بالا کا مصداق نہیں ہے۔ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ آج تک دنیا یزید کو کس نام سے یاد کرتی ہے۔ کوئی باقی ہے۔ سب رانگ کی طرح آگ اور پانی میں پگھل کر بہہ گئے۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں امان نداد کہ شب را سحر کند

''انه کان مع ذالك اماما فاسقا. والامام اذا فسق لایعزل لمبجرد فسقسهه وقالوا علی اصح قولی العلماء بل ولا یجوز الخروج علیه (ای علی الامام الفاسق) لما فی ذالك من اشارة الفتنة ووقوع الهرج وسفك الدما الحرام ونهب الاموال. وفعل الفواحش مع النساء وغیرهن وغیر ذلك مما کل واحدة فیها من الفساد اضعاف فسقه کماجری مما

تقدم الی یومنا هذا (البدایة والنهایة ج۸ ص۲۲۴)
فهذا ان قاله یزید بن معاویة فلعنة الله علیه اللاعنین وان لم یکن قاله فلعنة الله علی من وضعه علیه یشنع به علیه وسیذکر فی ترجمة یزید بن معاویه قریبًا وما ذکر عنه وما قیل فیه وما کان یعافیه من الافعال والقبائح والاقوال فی السنة الآتیة فانه لم یمهل بعد واقعة الحرّة وقتل الحسین الا یسیرًا حتی قصمه الله الذی قصم الجبارة قبله وبعده انه کان علیهما قدیرًا" (البدایه ج۸ ص۲۲۴)

علماء کا کہنا ہے کہ یزید ان سب باتوں کے باوجود فاسق تھا اور حکمران اگر فاسق ہو تو علماء کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق اسے محض اس کے فاسق ہونے کی وجہ سے معزول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے یعنی فاسق امام کے خلاف خروج بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں فتنہ کا برانگیختہ کرنا۔ قتل و غارت گری کا ہونا۔ حرام خونوں کا بہنا۔ لوٹ مار کا ہونا۔ عورتوں وغیرہ کے ساتھ فواحش کا ہونا۔ وغیرہ ذالک! ہر ایک ان میں سے فساد میں یزید کے فسق سے بہت ہی بڑھ چڑھ کر ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ تک جاری ہے، پس یہ شعر اگر یزید نے کہے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے اور اگر یزید نے یہ شعر نہ کہے ہوں تو اس کے وضع کرنے والے پر لعنت ہے کہ اس نے یزید پر تشنیع کرنے کے لئے وضع کئے ہیں اور قریب ہی یزید کے ترجمہ میں وہ امور بیان کئے جائیں گے اور جو اس سے نقل کئے گئے۔

اور جو اس کے بارے میں کہا گیا ہے اور خود جو کرتا تھا افعال و قبائح اور اقوال سال آئندہ کے احوال میں بیان ہوں گے اس لئے کہ واقعہ حرّہ اور قتل حسینؓ

کے بعد اس کو بہت ہی تھوڑی مہلت دی گئی تا اینکہ جس اللہ تعالیٰ نے حیاروں کی کمروں کو اس سے پہلے اور اس کے بعد توڑ دیا۔ اسی اللہ نے یزید کی کمر توڑ کر ہلاک کر دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم و قدیر ہے خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیں کہ یہ علامہ ابن کثیرؒ کی عبارت ہے اس میں بھی قتل حسینؓ کی نسبت یزید کی طرف ہے۔ کتنے اچھے الفاظ سے یزید کو یاد کیا گیا ہے۔

مسلم بن عقبہ کا قول

اسی کے ساتھ ایک قول اس سردار کا بھی علامہ ابن کثیر کی زبانی ہی سن لیں۔ جس کو مدینہ منورہ پر فوج کشی کے لئے یزید نے مقرر کیا تھا۔ جس کو مسلم بن عقبہ کہتے ہیں اس نے واقعہ حرّہ کے بعد کیا کہا تھا اور اسے بھی سن لیں۔ ابن کثیر نے جو ریمارک یزید و مسلم کے کردار پر کیا ہے اس کے بعد کتاب خلافت کے ص ۴۹ تا ۵۵ سب ختم ہو جاتے ہیں۔

''ثم قال (مسلم بن عقبة) اللّٰهم انی لم اعمل عملاً قط بعد شهادة ان لا اله لا الله وان محمد رسول الله احب الی من قتل اهل المدينة واجزی عندی فی الآخرة وان دخلت النار بعد ذلك الی لشقی ثم مات قبحه الله ودفن بالمسلك قاله الواقدی ثم اتبعه الله بيزيد بن معاوية فمات بعده فی ربيع الاوّل لا ربع عشرة ليلة خلت منه فما متعهما الله بشيءٍ مما رجوه واملوه بل قهرهم القاهر فوق عباده وسلبهم الملك ونزعه منهم من ينزع الملك ممن يشاء''

(البدایہ والنہایہ ص ۲۲۵)

پھر مسلم بن عقبہ نے کہا اے اللہ میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کے بعد کوئی عمل اہل مدینہ کے قتل سے زیادہ محبوب اور آخرت میں زیادہ جزا دینے والا ہوتا نہیں کیا ہے اگر اس کے بعد بھی میں دوزخ میں ڈالا جاؤں تو بے شک میں شقی ہوں پھر مر گیا اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے اور مقام مسلک میں دفن کر دیا گیا اس کو واقدی نے بیان کیا ہے پھر اس کے تابع اللہ تعالیٰ نے یزید کو کر دیا کہ اس کی بعد ربیع الاوّل کی ۱۴ تاریخ کو یزید کی موت واقع ہوئی۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے کسی شئی کے ساتھ منتفع نہ ہونے دیا ان اشیاء میں سے جن کی امیدیں کر رکھی تھیں۔ بلکہ اپنے بندوں پر جو خدا قاہر ہے اس نے ان کو مغلوب کر کے ان سے ملک چھین کر دوسروں کے حوالے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جس سے چاہتے ہیں ملک چھین لیتے ہیں۔ آپ نے مسلم بن عقبہ کی دعا دیکھی کہ مسلمان ہونے کے بعد سب سے محبوب عمل اس کے نزدیک قتل اہل مدینہ ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا اور اس کے بعد جو لفظ مسلم کے اور یزید کے لئے انہوں نے استعمال کئے وہ بھی نظر کے سامنے ہیں۔ فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں۔ احادیث مذکورہ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ متعدد مواضع میں ابن کثیر قتل حسینؓ کی نسبت یزید کی طرف اپنی کتاب میں کر چکے ہیں اس لئے کہ وہ آمر و حاکم ہے اگرچہ مباشر قتل نہیں ہے۔

ان عبارتوں کے علاوہ البدایہ والنہایہ میں متعدد مقامات پر اور بھی عبارتیں ہیں جن سے یزید کے فاسق و فاجر ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

یزید کا وہ خط جو فتنہ کی اصل بنیاد ہے

البدایہ والنہایہ کی ایک عبارت اور ہے اس کو بھی سن لیں۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد ولی عہدی کی بنا پر سن ساٹھ ہجری جب لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو سب سے زیادہ اہم کام یزید کے نزدیک ان حضرات

سے بیعت لیتا تھا۔ جنہوں نے یزید کی بیعت کا حضرت معاویہؓ سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے تخت حکومت پر آتے ہی امیر مدینہ کو حسب ذیل خط لکھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

''ولم یکن لیزید همته حین ولی الابیعة النفر الذین ابو اعلی معاویة لیزید فکتب الی نائب المدینة ولید بن عتبة بسم الله الرحمن الرحیم من یزید امیر المومنین الی ولید بن عتبة اما بعد فان معاویة کان عبدًا من عباد الله اکرمه الله واستخلفه وخوله و کن له فعاش بقدر و مات باجل فرحمه الله فقد عاش حمیدًا ومات برّاً تقیًا والسّلام و کتب الیه فی صحیفة کانها اُذُنُ الفارة اما بعد فخذ حسینًا وعبد الله بن عمر و عبد الله بن الزبیر بالبعیعة اخذًا شدیدًا الیست فیه رخصته حتی یبایعوا والسلام''

(البدایه والنهایه ج۸ ص۱۴۶،۴۶)

جب یزید والی ہوگیا تو اس جماعت کی بیعت اس کے نزدیک زیادہ اہم تھی جس نے حضرت معاویہؓ سے یزید کے لئے بیعت کا انکار کر دیا تھا تو ولید بن عتبہ نائب مدینہ کو یزید نے خط لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر المومنین یزید کی طرف سے ولید بن عتبہ کو معلوم ہو کہ معاویہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مکرم کیا اور خلیفہ بنایا اور ان کو قدرت دی تو تقدیر کے مطابق زندہ رہے مدت مقررہ پر وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے محمود ہو کر زندگی بسر کی بار وتقی ہو کر وفات پائی۔ والسلام اور ان کو یزید نے ایک دوسرا خط لکھا گیا۔

وہ (پرچہ) چوہے کا کان ہے۔ امابعد! حضرت حسین اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) کو سختی کے ساتھ پکڑ کر بیعت لو۔ اس میں کسی قسم کی نرمی نہیں ہے جب تک بیعت نہ کرلیں ان کو چھوڑو نہیں والسلام، یہ خط فتنہ کی بنیاد ہے جس کی طرف توجہ نہیں۔ اسی قسم کا ایک خط عبیداللہ بن زیاد کو بھی یزید نے لکھا تھا۔ یہ دونوں خط فتنوں کے بنیادی پتھر ہیں۔

بے شک حدیث مغفور لہم صحیح ہے لیکن اس کے معنی اخافتِ مدینہ والی حدیثوں کو سامنے رکھ کر کرنا چاہئے جن کو بخاری، مسلم، نسائی، امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے جو سطور متقدمہ میں گزر چکی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو مغفرت کا اہل ہوگا اسی کے لئے اس حدیث میں منقبت ہے جو اہل نہیں اس کی منقبت نہیں وہ اس حدیث کے منطوق سے خارج ہے۔

بخاری شریف میں باب ما قیل فی قتال الروم میں حدیث مذکور ج ۱ ص ۴۱۰ پر ہے۔ امام بخاری نے مختصر و مفصل مختلف ابواب میں اس کو روایت کیا ہے اوائل جہاد میں بھی گزر چکی ہے۔

''اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا قَالَتْ اُمُّ حَرَامٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَا فِيْهِمْ قَالَ اَنْتِ فِيْهِمْ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ فَقُلْتُ اَنَا فِيْهِمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَا''

اس میں اختلاف ہے کہ دونوں غزوے کس سن میں واقع ہوئے جن میں اوّلیت پائی جاتی ہو اور وہ قَدْ اَوْجَبُوْا کے مصداق ہوں یا مغفور لہم کے مصداق ہوں بعض نے ۲۷ھ بعض نے ۲۸ھ بعض نے ۳۳ھ بیان کئے ہیں حافظ عینی اور

حافظ ابن حجر رحمہا اللہ تعالیٰ نے اوّل غزوہ روم کو ۲۸ھ میں راجح قرار دیا ہے ان میں سے کوئی سن ہو یزید کی شرکت قد اوجبوا والی بشارت میں ممکن نہیں ہے اس لئے کہ یزید کی پیدائش حضرت عثمانؓ کے خلافت کے ۲۶، ۲۵ میں ہوئی ہے تو ۳۳ھجری تک یزید کی عمر سات آٹھ سال کی ہوتی ہے۔ اتنی عمر میں امیر لشکر نہیں ہوسکتا اور نہ غزوہ روم میں جاسکتا ہے عادتاً محال ہے۔

''وکان مولدہ سنة ست وعشرین فکان یوم بویع ابن اربع وثلاثین سنة'' (البدایة والنهایه ج۸ص۱۳۶)

واقعات ۲۵ھ میں ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔''وفیها ولد ابنه یزید بن معاویه'' (ج۷ص۱۰۱ فیہا معاویہ الہون ۲۶ ہجری میں پیدائش ہے ۶۰ ہجری میں خلافت کی بیعت ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ وفات ۳۵ ہجری تک زیادہ سے زیادہ یزید کی عمر نو ساڑھے نو سال کی ہوگی۔ اس وقت تک اس کی امارت میں غزوہ بحر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا قد اوجبوا والے جملہ میں یزید کی شرکت کی بحث لانا دور از عقل و قیاس اور دور از نقول ہے۔ حضرت معاویہؓ کی سرداری میں روم کا غزوہ ۲۷ھ یا ۲۸ھ میں یا ۳۳ھ میں پیش آیا جس میں ام حرام اپنے خاوند عبادہ بن الصامتؓ کے ساتھ شریک غزوہ تھیں جو حضرت معاویہؓ کا لشکر تھا آنحضرتؐ کی بشارت کے مطابق اسی لشکر میں ان کا انتقال ہوتا ہے جو بمزلہ شہادت ہے کہ ان کی سواری نے انہیں روند ڈالا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی۔ مختلف الفاظ حدیث کتب حدیث میں وارد ہوئے ہیں قیام کی حالت میں انتقال ہوا یا واپسی میں سوار ہوتے وقت یا بعد میں ام حرام ہیں یا اور کوئی عورت یا ان کے ساتھ اور کوئی عورت بھی تھی ایک واقعہ ہے یا متعدد ان جملہ امور پر حافظ عینی حافظ ابن حجر رحمہا اللہ نے کافی بحث کی ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے حافظ عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں۔

''اوّل جیشٍ من امتی یغزون البحر ارادبه جیش معاویة قال المهلب معاویة اول من غزا البحر وقال ابن جری قال بعضهم کان ذٰلك فی سنة سبع وعشرین وهی غزوة قبرص فی زمنِ عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه وقال الواقدی کان ذلك فی سته ثمان وعشرین وقال ابو معشر غزاها فی سنته ثلاث و ثلاثین وکانت ام حرام معهم انتهٰی (ج۶ ص۶۹۴ وفی ص۱۵۲) من البدایة وفی هذه السنة (۲۷) غزاً معاویة قبرص وقال الواقدی کان ذلك فی سنه ثمان وعشرین وقال ابو معشر عتراها معاویة سنة ثلاث وثلاثین والله اعلم الخ (وفی ص ۱۵۳ ج ۷ من البدایة ۵۲۸) فتح قبرص فیها ذکر ابن جریر فتح قبرص تبعاللواقدی''

مہلب کا قول ہے سب سے اوّل بحری جہاد حضرت معاویہؓ نے کیا ہے۔ ابن جریر ناقل ہیں۔ ۲۷ ہجری میں واقع ہوا۔ واقدی کا قول ہے ۲۸ ہجری میں ہوا اسی کو حافظ عینی اور حافظ ابن حجر نے راجح قرار دیا ہے ابو معشر کا قول ہے۔ ۳۳ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے جہاد بحری کیا اور ام حرام ان کے ساتھ تھیں۔

آپ دریافت فرماتے ہیں (اور بخاری کے اوجبوا میں یزید کا استثناء ہے) مذکورہ بالا توضیح کے بعد یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ یزید قدرتاً عقلاً نقلاً قد اوجبوا سے مستثنیٰ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غازیانِ بحر کی اوّل جماعت کے لئے قد اوجبوا فرمایا۔ اوجبوا فعل کا مفعول کیا ہے شراح حدیث اس میں مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس طرح اس کی شرح کی۔ ای فَعَلُوا فعلًا وَجَبَتْ لهم به الجنة (ج۶ ص۷۵)

یعنی انہوں نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے ان کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ اسی تشریح کو کتاب خلافت معاویہ و یزید کے ص ۲۴ میں عباسی صاحب نے نقل کیا اور یہ ترجمہ کیا ہے (یعنی ان سب غازیوں) کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ لیکن حافظ عینی نے عمدۃ القاری میں اس پر اعتراض کردیا ہے۔ (قلت هذا الكلام لا يقتضي هذا المعنى وانما معناه اوجبوا استحقاق الجنة وقال الكرماني قبوله اوجبوا اى محبةً لا نفسهم" (ج ۶ ص ۶۴۹) ..... میں کہتا ہوں یہ کلام اس معنی کا مقتضی نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے جنت کا استحقاق اپنے لئے واجب کرلیا اور کرمانی کا قول ہے کہ انہوں نے اپنے لئے محبت واجب کرلی۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ثابت ہوگئی۔ تینوں معنی میں آپس میں بہت ہی فرق ہے جو اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ وجوب کے معنی ثبوت کے ہیں۔ عوارض و موانع پیش آنے اور پیدا ہونے کی وجہ سے محبت و استحقاق دونوں زائل ہوسکتے ہیں اسی طرح اس فعل کا اثر بھی مٹ سکتا ہے جو موجب جنت ہو اس کے نظائر احادیث و آثار اور واقعات میں بکثرت ہیں۔ لہٰذا اجبوا کا انحصار اول معنی میں نہیں ہوسکتا کہ یہ منصوص نہیں ہے تاکہ اس کے خلاف نہ ہوسکے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت معاویہؓ نے بحری جہاد کی اجازت چاہی تھی۔ لیکن انہوں نے دریائی جہاد کی اجازت حضرت معاویہؓ کو نہ دی۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور ان سے حضرت معاویہؓ نے اجازت طلب کی تو انہوں نے دریائی جہاد کی اجازت دے دی پھر ۲۷ ہجری سے لے کر ۶۰ھ تک مدت وخلافت کے زمانے میں بتیس (۳۲) تینتیس (۳۳) سال کے اندر تقریباً سولہ (۱۶) غزوے بحری و بری بلادِ روم کے ہوئے۔ ۵۲ ہجری میں مشہور قول کی بناء پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوتی ہے۔ بعض نے ۵۵ ہجری تک میں ابوایوب رضی اللہ عنہ کی وفات بیان کی ہے۔ ۵۲ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ

عنہ نے سفیان بن عوف الازدی کی سرکردگی میں لشکر بلادِ روم میں جہاد کے لئے روانہ کیا تھا ان کا انتقال وہیں ہوا پھر ان کے بعد لشکر کا سردار عبداللہ بن مسعدہ الفزاری کو مقرر کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غزوے کے امیر لشکر بسر بن ابی ارطاۃ تھے اور ان کے ساتھ سفیان بن عوف تھے۔ علامہ ابن کثیر نے ۵۲ ہجری کے واقعات میں ابتداء اس طرح کی ہے۔

''سنة ثنتين وخمسين ففيها غزا بلاد الروم وشتى بها سفيان بن عوف الازدى فمات هنالك واستخلف على الجند بعده عبد الله بن مسعدة الفزارى وقيل ان الذى كان امير الغزو ببلاد الروم هذه السنة بسر ابن ابى ارطاة ومعه سفيان بن عوف'' (البداية والنهايه ج۸ ص۵۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ۵۲ ہجری کے رومی غزوہ میں امیر لشکر بسر بن ابی ارطاۃ تھے۔ یا سفیان بن عوف یا عبداللہ بن مسعدہ الفزاری۔

حضرت ابوایوبؓ پہلے ہی سے بلادِ روم جا چکے تھے

اس ۵۲ھ کے غزوہ میں ابوایوب انصاریؓ بھی شریک ہوئے وہ ۵۲ھ سے پہلے ہی بلادِ روم جہاد کے لئے گئے تھے وہیں ان کا قیام جہاد کے زمانہ میں رہا۔ یزید کے لشکر کے ساتھ نہ تھے نہ اس کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔

حدیث مبارک اوّل جیشٍ من امتی الخ

جواب: اس حدیث کا دوسرا حصہ قال النبیؐ اوّل جیشٍ من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم ہے آپ نے فرمایا میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر قبضہ کرے گا وہ مغفور لھم ہے۔ ہر ایک حامی یزید اس حدیث کو

سب سے پہلے پیش کرتا ہے کہ اس حدیث سے یزید کی منقبت وفضیلت ثابت ہوتی ہے اور وہ مغفرت شدہ ہے کہ اس غزوہ میں یزید امیر لشکر تھا اور اسی کی سرداری میں قسطنطنیہ فتح ہوا جو مدینہ قیصر ہے۔ عام طور پر یہی مشہور ہے بلکہ اس پر اتفاق نقل کیا جاتا ہے۔

''لانه كان امير ذلك الجيش بالاتفاق'' (فتح الباری ج۶ ص۴۰) ''وذكر ان يزيد بن معاوية غزا بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر و ابن عباس وابن الزبير وابو ايوب الانصاری وكانت وفاة ابی ايوب الانصاری هناك قريبًا من سور القسطنطنية وقبره هناك تستقی به الروم اذا قحطوا وقال صاحب المرآة والاصبح ان يزيد بن معاوية غزا القسطنطنية فی سنةٍ اثنتين وخمسين''

(عمدۃ القاری ج۶ ص۱۴۹)

بالاتفاق اس لشکر کا امیر یزید تھا۔ (اھ فتح الباری) اور بیان کیا گیا ہے کہ یزید نے بلاد روم کا غزوہ کیا۔ حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جن میں ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ ابو ایوب انصاری کی وفات اسی جگہ ہوئی، قسطنطنیہ کی شہر پناہ کے قریب ان کا مزار ہے۔ رومیوں میں جب خشک سالی ہوتی ہے تو اسی قبر کے وسیلہ سے پانی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ صاحب مرآۃ الزمان نے کہا کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ ۵۲ ہجری میں یزید نے قسطنطنیہ کا جہاد کیا ہے۔ صاحب مرآۃ الزمان علامہ ابن الجوزی کے پوتے ہیں۔ ان کے لفظ سے ظاہر ہے کہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے

اور علامہ ابن کثیر کی جو عبارت نقل ہو چکی وہ بھی اختلاف کی طرف مشیر ہے۔ اسی بناء پر آگے چل کر حافظ عینی نے اس پر تنبیہ کی ہے حافظ عینی کی تاریخ دانی مسلم ہے۔ تاریخ میں ان کی ایک مبسوط کتاب موجود ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

"وقیل سَیَّر معاویة جیشًا مع سفیان بن عوف الی القسطنطنیة فاوغلوا فی بلاد الروم وکان فی ذلك الجیش ابن عباس و ابن عمر و ابن الزبیر و ابن ایوب الانصاری (رضی الله عنهم) و توفی ابو ایوب الانصاری فی مدةِ الحصارِ قلت الاظهر ان هولاء السادات من الصحابة کانوا مع سفیان هذا ولم یکونوا مع یزید بن معاویة لانه لم یکن اهلاً ان یکون هؤلاء السادات فی خدمته"

(عمدۃ القاری ج۶ ص۶۴۹)

اور بیان کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عوف کی سرداری میں ایک لشکر قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ پس اس لشکر نے بلاد روم میں تہلکہ ڈال دیا۔ (اور اودھم مچا دیا) اس لشکر میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ مدتِ احصار میں ابوایوب انصاریؓ نے وفات پائی۔ میں کہتا ہوں کہ زیادہ ظاہر یہی بات ہے کہ یہ سادات صحابہ سفیان بن عوف کے ساتھ تھے۔ یزید کے ساتھ نہ تھے۔ اس لئے کہ یزید اس کا اہل ہی نہ تھا کہ سادات صحابہ اس کی خدمت میں ہوں۔

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو پھر بشارت مغفرت کا تعلق یزید کے ساتھ نہیں ہوسکتا جس کا شور مچایا جاتا ہے بلکہ سفیان بن عوف، بسر بن ابی ارطاۃ، عبد اللہ بن

مسعدۃ الفزاری کے لئے بشارت مغفور لہم ہوگی جو البدایہ والنہایہ سے منقول ہے کہ اوّلیت ان کو حاصل ہے۔

اور چونکہ کتاب خلافت معاویہ و یزید کے مؤلف کے نزدیک جملہ مؤرخین نے غلطیاں کی ہیں اور سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق عمل پیرا ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ بشارت تو اس لشکر کے لئے ہو جو سفیان بن عوف وغیرہ کی سرداری میں گیا تھا اور دھوکہ یا غلطی سے یا دانستہ خوش فہموں نے یزید کے ساتھ چسپاں کر دیا ہو تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ یزید بھی لشکر میں ہو تو بھی کچھ خرابی نہیں کہ ایک وقت ایک شخص کے حالات اچھے ہوں۔ ان کے اعتبار سے کسی شئے کا مستحق ہو جائے اور دوسرے وقت حالات بدل جائیں جن کی وجہ سے استحقاق جاتا رہا ہے تو یہ محال نہیں ہے ممکن ہی نہیں بلکہ ایسے واقعات کا وقوع ہے اس کے نظائر بکثرت ہیں اور رات دن پیش آتے رہتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بشارت مذکورہ میں داخل کرنے کے لئے یزید کو بھی لشکر کے ساتھ کر دیا ہو۔ اس بشارت اور جہاد قسطنطنیہ کے واقعہ کو عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب خلافت میں جلی حرفوں سے نقل کیا ہے اور بہت ہی داد سخن دی ہے کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم حافظ عینی اور صاحب المرأۃ اور صاحب البدایہ کی نقل نے اوّلیت اور امارت میں احتمال تو پیدا کر ہی دیا جو ناشی عن الدلیل ہے بلکہ حاضر العالم الاسلامی میں تصریح ہے کہ بحری بیڑہ سب سے پہلے بسر بن ابی ارطاۃ کی سرداری میں روانہ ہوا اور اس نے بحری ناکہ بندی کر دی جو سطور آئندہ میں آرہا ہے اور اگر بالفرض لشکر یزید ہی کی سرداری میں اول مرتبہ گیا اور یزید ہی نے مدینہ قیصر فتح کیا جب کہ اس کی عمر ۲۶ سال کی تھی تو پھر کیا ہو گیا۔ صحیح حدیث میں یہ بھی تو وارد ہے۔

ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر اللہ تعالیٰ دین کی تائید کبھی فاسق و فاجر سے بھی کرا لیتے ہیں۔ یزید سے بھی یہ خدمت لے لی اور مستحق مغفرت اس وقت کر دیا بعد میں کسی وجہ سے استحقاق باقی نہ رہے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ ایسا تو ہے کہ بروز قیامت کسی کے اچھے اعمال دوسرے حقداروں کے حوالے کر دیئے جائیں اور صاحب اعمال خالی ہاتھ رہ جائے۔ حدیث مَنِ المفلس اسی طرف مشیر ہے۔ اب ذرا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی زبانی ایک بات سن لیں۔ یہ وہی ابن حجر ہیں جن کے قول کو عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب خلافت میں نقل کیا ہے جس کی حقیقت سے سطور آئندہ میں ابھی پردہ اٹھنے والا ہے۔ ''فی ھذا الحدیث مشروعیة الجھاد مع کل امام التضمنه الثناء علی من غزا مدینة قیصر و کان امیر تلك الغزوة یزید بن معاویة و یزید یزید''

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۵)

اس حدیث میں ہر امام کے ساتھ جہاد کا مشروع نہ جائز ہونا بھی ہے کہ یہ حدیث اس شخص کی ثنا پر شامل ہے۔ جس نے مدینہ قیصر کا غزوہ کیا اور اس غزوہ کا امیر یزید تھا اور یزید تو یزید ہے۔ حافظ کے لفظ مع کل امام و یزید یزید کو بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں کہ ہر امام کے ساتھ جہاد جائز ہے۔ اگرچہ وہ جائر اور فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو جیسے یزید جس کو دنیا جانتی ہے کہ کیسا شخص تھا کہ ۶۰ ہجری سے لے کر ۶۴ ہجری تک کیا کچھ نہیں کیا اور اس کے امر و حکم سے کیا کچھ نہیں ہوا مدینہ، مکہ، کربلا ہر ایک اس پر شاہد ہے۔

دیکھا ہے تیرا جلوہ یکتا جو سر بزم
ہر شمع اک انگشت شہادت ہی لگن میں

حکومت کے حاصل ہونے سے پہلے بھی کیا کچھ نہیں کرتا تھا۔ ورنہ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل ..... نصیحت کیوں فرمائی اور ذیل کا مشورہ کیوں دیا۔ اس کو حافظ ابن کثیر ہی کی زبانی سن لیں جو البدایہ میں موجود ہے۔

''وقال الطبرانی حدثنا محمد بن زکریا الغلابی ثنا ابن عائشة عن ابیه قال کان یزید فی حداثة صاحب شراب یاخذ ماخذ الاحداث فاحش معاویه بذلك فاحب ان یعظه فی رفق فقال یا بنی ما اقدرك علی ان تصل الی حاجتك من غیر تهتك یذهب بمروءتك وقدرك ویشمت بك عدوك ویسیء بك صدیقك ثم قال یا بنی منشدك ابیاتا فتأدب بها واحفظها فانشده'' (البدایه والنهایه ج۸ ص۲۲۹)

یزید اپنی نوعمری میں صاحب شراب تھا۔ نوعمروں کے طریق کو اختیار کر رکھا تھا جس کا حضرت معاویہؓ کو احساس ہوگیا تو نرمی سے نصیحت کرنے کو پسند کیا اور فرمایا اے بیٹے تو بہت ہی قادر ہے کہ بغیر ایسے تہتک اور پردہ دری کے اپنی خواہشوں کو پورا کرسکتا جو تیری مروت اور قدر کھودے اور دشمن کو شماتت کا اور دوستوں کو تجھ سے برائی کرنے کا موقع دے پھر فرمایا میں چند شعر تجھ کو سناتا ہوں ان کو یاد کرلے اور ان سے ادب حاصل کر۔ اگر ان اشعار کی نسبت صحیح ہو تو یزید کی زندگی پر اس سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے ورنہ میرے نزدیک حضرت معاویہؓ کی طرف ان اشعار کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ قطعاً غلط ہے۔ اسی لئے میں نے ان کو نقل نہیں کیا گو البدایہ میں موجود ہیں اور علامہ ابن کثیر نے خود ان کے متعلق کوئی ریمارک نہیں کیا بلکہ ان کے نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے۔

''قلت وهذا کما جاء فی الحدیث من ابتلی بشیء من هذه القاذو ورات فلیستتر بستر الله عزوجل''

میں کہتا ہوں یہ طریق نصیحت ہے جو ان اشعار میں ہے ایسا ہی ہے جو حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص ان گھناؤنی چیزوں میں کسی کے ساتھ مبتلاء ہو جائے اس کو اللہ عزوجل کے پردے سے پردہ پوشی کرنی چاہئے۔

جس سے اشارتاً نسبت کی تصدیق ہوتی ہے کہ شب پردہ پوش عیوب ہے اور دن مراتب عالیہ کے حصول کے لئے بنایا گیا ہے۔ انسان کو روز روشن میں اپنی عزت وقدر کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ شماتتِ اعداء سے محفوظ ہو جائے اور دوستوں کی سوئے ظنی دامنِ عزت داغدار نہ ہو۔

آخر یزید امیر لشکر بھی ہو تو کیا ہوگا بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یزید تو یزید ہی ہے اور بقول حافظ عینی یزید اس کا اہل ہی نہیں کہ یہ سادات صحابہؓ اس کی خدمت میں ہوں۔ ابن کثیر کی عبارت کو غور سے پڑھیں۔ جبر و اکراہ سے کسی شئے کو اختیار کرنے کا حکم اور ہے اور اپنے قصد واختیار سے بطیب خاطر کسی امر کو قبول کر لینے کا حکم اور ہے دونوں ایک حکم میں نہیں ہیں۔

اب آپ اس بشارت کے جملے کی طرف آیئے آپ فرماتے ہیں (کیا مغفور لہم حدیث شیخ البحر اور بخاری کے اوجبوا میں یزید کا استثناء ہے) قد اوجبوا کی تشریح معلوم ہو چکی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ قد اوجبوا میں یزید داخل ہی نہیں تاکہ یہ کہنے کی نوبت آئے کہ کیا یزید کا استثناء ہے کہ پہلا غزوہ روم ۲۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کی سرداری میں واقع ہوا ہے جس وقت یزید کی عمر دو تین سال کی تھی۔ اس کی عمر ہی کیا تھی۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۲۵، ۲۶ میں یزید کی پیدائش ہے اور ۲۷ھ یا ۲۸ھ میں غزوہ روم واقع ہوا تو شرکت کیسے ہو سکتی ہے اور اوجبوا کے تحت کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ نیز تقدیر مفعول کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف معنی معلوم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس جملہ کو بحث سے خارج

کر دیجئے۔ جس کی پوری توضیح وتشریح گزر چکی ہے یزید کی پیدائش ۲۷ھ میں بھی بتائی جاتی ہے۔

حدیث کے دوسرے جملہ کے متعلق حافظ عینی کا نوٹ یاد رکھئے۔ ساتھ ہی یہ کہ جو مغفرت کا اہل ہوگا اس کے لئے بشارت ہوگی۔ نیز اصول للا کثر حکم الکل پیش نظر رہنا چاہئے۔ نیز جب کسی فرد کے متعلق کوئی دلیل خاص میسر ہو جائے تو وہ فرد حکم عام سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جس وقت یزید امیر لشکر ہو جو مدینہ قیصر فتح کرنے جا رہا ہے اس وقت وہ حالت نہ ہو جس کی وجہ سے استحقاق بشارت مغفرت کا ہوا تھا۔ حکومت کے بعد اس میں تبدیلی ہو جائے اور استحقاق یا محبت جاتی رہے جس کو بتفصیل میں سطور بالا میں البدایہ والنہایہ، فتح الباری، عمدۃ القاری، حیاۃ الحیوان، نبراس علی شرح العقائد وغیرہ سے نقل کر چکا ہوں تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ یزید امیر لشکر ہو یا فوجیوں میں شامل ہو بشارت کا مستحق بھی ہوسکتا ہے اور غیر مستحق بھی۔ غزوہ کے دوران میں مغفرت و جنت یا محبت کا استحقاق رکھتا ہو لیکن امور منہیہ کے ارتکاب نے اس استحقاق کو مٹا دیا ہو تو ہوسکتا ہے پھر اس میں خرابی ہی کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جملہ مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

''قوله يغزون مدينه قيصر اى قسطنطنية قال المهلب فى هذه الحديث منقبة لمعاوية ﷺ لانه اوّل من غزا البحر. و منقبة لولده يزيد لانه اول من غزا مدينة قيصر'' (فتح الباری ج۶ ص۴۷)

محدث مہلب نے کہا اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کے لئے منقبت وفضیلت ثابت ہے کہ سب سے اوّل انہوں نے بلاد روم کا بحری جہاد کیا اور اس حدیث میں ان کے لڑکے یزید کے لئے بھی منقبت ہے کہ سب سے پہلے شہر قیصر کا

جہاد کیا جو قسطنطنیہ ہے۔ یہ فتح الباری کی عبارت ہے اسی کو کتاب خلافت میں عباسی صاحب نے بھی ص ۲۳ پر نقل کیا ہے اور فرمایا ہے۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے محدث المہلب کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اوّل من غزا البحر و منقبة لولده لانه اوّل من غزا مدینة قیصر'' (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

حدیث کے بارے میں محدث المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہ کے انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے۔ ان کے فرزند (امیر یزید) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔ انتھی بلفظہ

عباسی صاحب کی دیانت

خط کشیدہ عبارت کے الفاظ تو فتح الباری میں اس جگہ پر ہیں ہی نہیں اور نہ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۴۱۰) میں ہیں۔ بلکہ یہ خود عباسی صاحب کی اپنی حاشیہ آرائی ہے۔ اسی لئے میں نے پوری عبارت قولہ سے فتح الباری کی نقل کر دی ہے جو بخاری کے اس باب میں ہے جس کو عباسی صاحب نے حاشیہ بخاری سے نقل کیا ہے مگر اسی حاشیہ میں جو اس کے بعد عبارت ہے اس کو دانستہ عباسی صاحب نے چھوڑ دیا تا کہ صحیح معنی میں حق ریسرچ ادا ہو جائے۔ داغ نے سچ کہا ہے۔

نگہ نکلی نہ دل کی چور زلف عنبریں نکلی
ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی

بعد والی عبارت نقل ہی کیوں کرتے کہ وہ درحقیقت مدعا کے خلاف تھی۔

مہلب کے قول کی تردید

سنئے اس کے بعد حافظ ابن حجر محدث مہلب کے قول کی تردید نقل کرتے ہیں جس سے خط کشیدہ عبارت کا بھی پردہ چاک ہوجاتا ہے۔

''وتعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله انه لايلزم من دخوله فی ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاصٍ اذلا يختلف باهل العلم ان قوله ﷺ مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لوارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل فی ذلك العموم اتفاقا فدلی ان المواد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم''

(فتح الباری ج ۶ ص ۷۴، حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

محدث ابن التین اور محدث ابن المنیر دونوں نے محدث المہلب کا تعاقب کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ دلیل خاص کی بنا پر اس عموم سے خارج نہ ہوسکے۔ اس لئے کہ اہل علم اس بارے میں مختلف نہیں ہیں۔ (یعنی ان کے نزدیک متفق علیہ) کہ آنحضرت ﷺ کا قول مغفور لہم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں۔ حتیٰ کہ (بالفرض) اگر ان غازیوں میں سے کوئی شخص اس غزوہ کے بعد مرتد ہوجائے تو باتفاق علماء وہ اس عموم میں داخل نہیں ہے تاکہ مغفور ہو۔ پس حدیث نے اس امر پر دلالت کی کہ ان میں سے مغفور وہی شخص ہوگا جس میں مغفرت کی شرط پائی جائے۔ ورنہ مغفور نہ ہوگا۔ حافظ عینی عمدۃ القاری میں حدیث مذکور کے ذیل میں ناقل ہیں۔

''وقال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر اھ قلت ای منقبةٍ کانت لیزید وحاله مشهور'' (عمدة القاری ج۶ ص۱۴۱)

.....مہلب نے کہا اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کی منقبت ہے اس لئے کہ وہ اوّل شخص ہیں جنہوں نے دریائی جہاد کیا اور ان کے لڑکے یزید کے لئے منقبت ہے کہ اس نے پہلے مدینہ قیصر پر غزوہ کیا۔ میں کہتا ہوں اس میں یزید کی کون سی منقبت ہے۔ حالانکہ اس کا حال مشہور ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ یزید کیسا شخص تھا۔ پھر اس کی منقبت کیا۔ حافظ عینی اس حدیث سے اس کی منقبت کو ثابت نہیں مانتے ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی کہ اس کا حال مشہور ہے۔ سب جانتے ہیں کیسا شخص تھا۔ مکہ، مدینہ، کربلا، عراق وغیرہ سب ہی شاہد ہیں کہ یزید کیسا شخص تھا۔

''فان قلت قال صلی الله علیه وسلم فی حق هذا الجیش مغفور لهم قلت لا یلزم من دخوله فی ذلك العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذلا یختلف اهل العلم ان قوله صلی الله علیه وسلم مغفور لهم مشروط بأن یکونوا من اهل المغفرة حتی لوارتدّ احدٌ من غزاها بعد ذلك لم یدخل فی ذلك العموم فدل علی ان المواد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم'' (عمدة القاری ج۶ ص۱۴۱)

اگر تم کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس لشکر کے حق میں فرمایا مغفور لہم میں (جواباً) کہوں گا کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ یزید کسی

دلیل خاص کی وجہ سے اس عموم سے خارج نہ ہو سکے اس لئے کہ اہل علم اس بارے میں متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مغفور لہم اہل مغفرت ہونے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ حتیٰ کہ (بالفرض) اگر اس غزوہ کے بعد کوئی شخص ان غازیوں میں سے مرتد ہو جائے تو وہ اس عموم میں داخل نہ ہوگا۔ پس یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ مغفور لہم سے وہی حضرات مراد ہیں جن میں مغفرت کی شرط پائی جائے۔ حافظ عینی کے نزدیک ہی نہیں بلکہ محدث ابن التین اور ابن المنیر اور حافظ ابن حجر ان چاروں کے نزدیک یزید مغفرت کا اہل نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس عموم سے خارج ہے۔ اب مہلب کا قول کہاں ہے جس کو عباسی صاحب نے پیش کیا تھا۔ حافظ ابن حجر اور حافظ عینی رحمہا اللہ دونوں نے محدث مہلب کے قول کی تردید کر دی۔ جس کو دانستہ عباسی صاحب نے یکسر اڑا دیا۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت میری

اس کتاب (خلافت معاویہ ویزید) کے مختلف مواضع میں عبارتوں کے نقل میں فریب کاری سے کام لیا گیا جو عبارت مفید ہونا سمجھی اس کو نقل کر دیا اور جو عبارت مدعا کے خلاف دیکھی اس کو ترک کر دیا جس کے چند نمونے ناظرین کے سامنے ہیں۔ اب کیسے اس کتاب پر اور اس کے نقول پر اعتماد ہو سکتا ہے لہٰذا اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا جب تک یزید میں اہلیت ثابت نہ ہو جائے۔ اقوال تاریخیہ میں اختلاف ہے اس کی بناء پر فیصلہ دشوار تر ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں یزید بحری فوج کا امیر ہی نہ تھا۔ اس کو اوّلیت حاصل نہیں ہے۔

حدیث میں یہ موجود نہیں ہے کہ کسی مانع مغفرت کے وجود پر بھی وہ مغفور ہے۔ اگر بعد میں عدم مغفرت کے دوسرے اسباب و موانع پیدا ہو جائیں تو بھی ہو سکتا ہے اس میں استحالہ نہیں ہے۔ حدیث مذکور اور واقعات بلاد روم پر دوبارہ نظر ڈالئے کہ حدیث کے دونوں جملوں میں اوّلیت جیش مذکور ہے۔ ''اوّل جیش من

امتی یغزون البحر الحدیث'' جو میری امت کا پہلا لشکر دریائی جہاد کرے گا اس نے اپنے لئے جنت کا استحقاق ثابت کرلیا اور ایسا فعل کیا جس سے جنت یا محبت ان کے لئے واجب ہوگئی۔ پھر فرمایا میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر پر غزوہ کرے گا وہ مغفور لہم ہے۔

سطور متقدمہ میں اشارہ کر چکا ہوں کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بلادِ روم پر سولہ (۱۶) غزوے پیش آئے ہیں۔ ان میں سے پہلا ۲۷ھ یا ۲۸ھ یا ۳۳ھ میں ہوا جو حضرت معاویہؓ کی سرداری میں ہوا جس میں ام حرامؓ شریک غزوہ تھیں۔ اس میں یزید کی شرکت ناممکن ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ابن کثیر کی زبانی سن لیں وہ کیا کہتے ہیں۔

''قال ابو زرعة عن رحیم عن الولید عن سعید بن عبد العزیز قال لما قتل عثمان رضی اللہ عنہ لم یکن للناس غازیة تغزوحتی کان عام الجماعة فَاَغْزَا معاویةُ ارضَ الروام سة عشر غزةً تذهب سریة فی الصیف ویُشْتَوُا بارض الروم ثم تقفل و تعقبها اخروی و کان فی جملةٍ من اغزی ابنه یزید و معه خلق من الصحابة فجازبهم الخلیج و قاتلوا اهل القسطنطنیة علی باب ها ثم قفل بهم راجعًا الی الشام وکان آخر مع اوصی به معاویة ان قال شدخناق الروم''

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۳۳)

یہ عبارت اس لئے نقل کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ حضرت حسنؓ سے صلح کے بعد جس کو عالم الجماعۃ کہتے ہیں حضرت معاویہؓ نے بلاد روم میں سولہ غزوے کرائے ہیں۔ ایک لشکر موسم گرما میں جاتا تھا اور ایک موسم سرما میں جاتا تھا۔ جن کو غزوات

میں سردار بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان میں سے یزید بھی ہے۔ قسطنطنیہ کے دروازے پر بہت سخت معرکہ ہوا۔

لیکن حدیث میں جو اوّلیت ذکر کی گئی ہے وہ اس صورت میں صادق نہیں آتی اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ یزید نے پہلا بحری جہاد کیا۔

سب سے پہلے بحری بیڑے کے سردار حضرت بسر بن ارطاۃ تھے نہ کہ یزید

دریائی لشکر اور بیڑے کا سردار یزید نہیں تھا بحری بیڑے کے سردار بسر بن ابی ارطاۃؓ ہیں جن کو پہلے بھیجا گیا تھا۔ اوّلیت کا سہرا انہیں کے سر بندھا ہے۔

وہی اَوَّلُ جیشٍ من امتی کے مصداق ہیں۔

حاضر العالم الاسلامی جلد اول ص ۲۱۴ میں یہ عبارت ہے جس کو غور سے پڑھنا چاہئے جس سے عباسی صاحب نے بھی نقل کیا ہے۔ جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے اس کے پہلے حصے کے اجزا ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جن کو عباسی صاحب نے چھوڑ دیا ہے۔

"وکیف کان الامر فالمسلمون تنبهوا من بدء الاسلام لاهمیته القسطنطنیة وسنة ۶۵۳ جهز العرب اسطولا عظیمًا فی میناء طرابلس الشام عقد واله بسر بن ابی ارطاة لاجل غزوة القسطنطنیة"

واقعہ جیسا بھی ہو۔ ابتدائے اسلام سے مسلمان اہمیت قسطنطنیہ پر متنبہ تھے۔ ۶۵۳ء میں مسلمانوں (عربوں) نے ایک بیڑہ عظیم طرابلس الشام میں تیار کر کے قسطنطنیہ کے غزوہ کے لئے بسر بن ابی ارطاۃ کی سرداری میں روانہ کیا تھا۔ اس اسلامی بیڑے کی رومی بیڑے سے مڈبھیڑ ہوئی رومی بیڑے کو شکست دی۔

فتلاقی هذا الاسطول باسطول الروم وهزمه الا ان الاسطول العربی فی هذه الغزاة لم یبلغ القسطنطنیة مگر اس غزوہ میں اسلامی بیڑہ قسطنطنیہ تک نہیں پہنچا تھا۔

''وفی سنة ۴۴ للهجرة وفق ۶۶۴ المسیح غز الاسطول العربی القسطنطنیة بقیادة بسر بن ابی ارطاة المذکور ووصل الیها کما رواه الطبرانی''

(حاضر اسلامی ج ۱ ص ۲۱۴)

۴۴ ہجری مطابق ۶۶۴ عیسوی میں عربی بیڑے نے قسطنطنیہ پر غزوہ کیا جس کی قیادت بسر بن ارطاۃ مذکور کر رہے تھے اور یہ بیڑا قسطنطنیہ تک طبری کی روایت کے مطابق پہنچ گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اول اول بحری غزوہ بسر بن ابی ارطاۃ کی قیادت میں ہوا یزید اس وقت اس لشکر میں نہ تھا۔

حدیث مغفور لہم کا مصداق حضرت بسر بن ارطاۃ ہیں نہ کہ یزید

حدیث مغفور لہم کا مصداق یہی بحری بیڑا ہے جس نے بسر بن ارطاۃ کی قیادت میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔ یزید دریائی فوج کا افسر یا امیر نہ تھا تاکہ مغفور لہم کا مصداق ہو۔

''ثم ان فضالة بن عبید غزا خلیقید ونیة ما جاورا لبوسفور من اسیا الصغریٰ حیث وافاه یزید بن معاویة'' (حاضر العالم الاسلامی ج ۱ ص ۲۱۴)

پھر فضالہ بن عبید نے خلقید ونیہ کا غزوہ کیا جو ایشیاء کوچک کے باسفور کے قریب اور پڑوس میں ہے۔ اس جگہ یزید بن معاویہ ان سے ملے ہیں۔ جو فتح

کر کے آ رہے تھے۔ یہ دونوں مل کر آگے بڑھے ہیں۔

''حیث وافاہ یزید بن معاویة'' (حاضر الاسلامی)

اس سے معلوم ہوا کہ یزید اوّل جیش من امتی میں داخل نہیں۔ بلکہ فضالہ بن عبیدہ غزوہ کرنے میں مقدم ہیں۔ یزید مقدم نہیں ورنہ فضالہ سے ملاقی ہونے کے کیا معنی ہیں جو فتح کر کے آ رہے تھے۔

''وقد جعل المؤرخ یتوفان ھذہ الغزاۃ فی سنة ٦٦٦ للمسیح ولکن الیاس النزبی قال ان السنة التی حاصر فیھا یزید بن معاویة القسطنطنیة کانت سنة (٥١) للھجرۃ وفق سنة ٦٧٢ مسیحة وقد جاء ھا یزید برا وکان بسر بن ابی ارطاۃ ماسکا البحرً''

(حاضر العالم الاسلامی ج ا ص ۲۱۴)

مؤرخ یتوفان نے اس غزوے کو عیسوی ٦٦٦ میں بتایا ہے لیکن الیاس فزبی نے کہا کہ جس سال یزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۵۱ ہجری تھا جو عیسوی ٦٧٢ کے مطابق ہے اور یزید وہاں خشکی کے راستہ سے پہنچا تھا اور بسر بن ارطاۃ دریا کے راستہ سے پہلے پہنچے تھے بحری بیڑے کے سردار بسر بن ابی ارطاۃؓ تھے جنہوں نے اپنے بیڑے کو پہلے ہی دریا کے ساحل پر پھیلا دیا تھا اور بحری ناکہ بندی کر دی تھی۔

یزید تو خشکی کے راستہ سے بعد میں پہنچا تھا بری فوج کا افسر یا امیر تھا جس کو حضرت معاویہؓ نے فی جملة من اغزاھا میں روانہ کیا تھا۔

''وقد انتشرت السفن الحربیة العربیة علی طول ساحل بحر مرمزۃ وھاجم العرب القسطنطنیة بن

شهری اپریل و ستمبر ولم یتمکنوا من فتحها فلما جاء الشتاء انکمشوا الی جهة (قیزیقیا) فی الشمال الغربی من اسیا الصغریٰ"

دریائے مرمرہ کے طول ساحل پر عربی جنگی جہاز (کشتیاں) پھیل گئے ماہ اپریل وستمبر کے درمیان عربی لشکر نے قسطنطنیہ پر ہجوم کیا لیکن فتح نہ کر سکے پس جب کہ موسم سرما آ گیا تو ایشائے کوچک کے شمال غربی میں شہر قیزیقیا کی طرف عربی فوج چلی گئی اور ربیع میں دوبارہ عربی لشکر نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔

"وفی الربیع عاودو احصار تلك العاصمة ویقال انهم لم یتصرفوا عن القسطنطنیة الابعد حروب استمرت سبع سنوات (الی قوله) والمرجح ان الجیش العربی الذی جاء من البربد أبا لحصار سنة ۶۶۷ وان الاسطول غزا العربی القسطنطنیة سنة ۶۷۳ و مؤرخو العرب یجعلون غزاة القسطنطنیة هذه من سنة ۴۸ الی ۵۲ للهجرة ومنهم من ذلك الی سنة ۵۵ و یقولون ان ابا ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ توفی فی حصارٍ القسطنطنیة سنة ۵۰ ومنهم من یقول سنة ۵۱ ومنهم من یقول سنة ۵۲ والذی فی الطبقات الکبری لابن سعد انه توفی سنة ۵۲ و حرج غازیًا فی زمان معاویه رضی اللہ عنہ" (حاضر العالم الاسلامی ص ۱۴، ۱۵، ۱۶)

حاضر العالم السلامی کی عبارت کے جو اجزاء نقل کئے گئے ہیں ان سے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے۔

خیال ہے کہ آپ کسی مذہب مروج کے ساتھ ضرور وابستہ ہوں گے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اہل حدیث وغیرہ مذاہب میں سے کسی ایک سے منتسب ہوں گے۔ لیکن آپ نے حمایت یزید کے سلسلہ میں اپنی تحقیق کا مدار امام ابن تیمیہ، امام غزالی، ابن کثیر رحمہم اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ غالباً آپ کے نزدیک یہی محققین میں داخل ہیں۔ ۲۶ھ کے بعد ائمہ اربعہ ہی نہیں بلکہ صحابہ تک موجود تھے ان میں سے کسی کو ذکر نہ فرمایا کہ ان حضرات کا کیا خیال ہے۔ مذکورین حضرات سے بہت پہلے ائمہ اربعہ ہیں اور علی سبیل التنزل یہ گزارش ہے کہ آپ نے حافظ ابن حجر، حافظ ذہبی، حافظ عینی، محقق ابن الہمام، ابن الجوزی، قاضی ابویعلیٰ، قاضی ابوالحسین، علی بن محمد ابوالحسن الطبری الفقیہ الکیا الہراسی، حافظ قاسم بن قطلو بغا، علامہ تفتازانی، خود حافظ ابن کثیر، شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی، قاسم العلوم النانوتوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ ائمہ اربعہ کے ہزاروں متقدمین ومتاخرین فقہاء محدثین اور علما وفضلاء کو کیوں چھوڑ دیا اور یزید کی حمایت میں مصروف ہوگئے۔ اس سے تو خاموشی بہتر تھی۔

یزید پر لعنت کے بارے میں اختلاف ہے فاسق ہونے میں نہیں

یزید کے لعنت کے بارے میں اختلاف ہے اس کے ظالم و فاسق ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اردو میں ایک مثل مشہور ہے کہ زید سینگ کٹا کے بچھڑوں میں شامل ہوگیا۔

شرح العقائد میں ہے۔ اس کے ساتھ نبراس کی عبارت بھی پڑھتے جایئے۔ ظالم سے ظلم کی طرف ترقی کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔

''وانما اختلفوا فی یزید بن معاویة ولد سنة خمس و عشرین وقیل سة و قیل سبعة الی قوله ثم روی عنه امور اخر منکرة من الفسق والفجور واشد

المنکرات ماجری علی اهله البیت رضی الله عنهم
اه نبراس. حتی ذکر فی الخلاصة انه لا یجوز اللعن
علیه ولا علی الحجاج بن یوسف. وهذا توقد من
الظالم الی الاظلم نبراس. لانه النبی صلی الله علیه
وسلم نهی عن لعن المصلین ومن کان من اهل
القبلة وما نقل من لعن النبی صلی الله علیه وسلم
لبعض اهل القبلة فلما انه یعلم من احوال الناس
ما لا یعلمه غیره ومنهم اطلق اللعن علیه او منهم
ابن الجوزی المحدث وصنف کتابًا سماه الرد علی
المتعصب العنید المانع عن ذم یزید ومنهم
الامام احمد بن حنبل مستدلاً بقوله تعالیٰ فهل
عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا
ارحامکم اولئك الذین لعنهم الله ورد القاضی
ابویعلی مستدلاً بقوله علیه الصلوٰة والسلام من
اخاف اهل المدینة اخافه الله وعلیه لعنة الله
والملئکة والناس اجمعین وصح ان یزید ارسل
جیشًا الی المدینة حتی قتلوا اهلها و ظلموا ظلماً
عظیماً فیها وتسمی هذه الواقعة وقعة الحرّة اه نبراس.
لما انه کفر حین امر بقتل الحسین واتقوا علی جواز
طعن علی من قتله اوامر به اواجازه ورضی به واما
من قتله فلقوله تعالیٰ من یقتل مومنا متعمدًا فجزاء
جهنم خالدًا فیها وغضب الله علیه ولعنه واما

الآخر فلانه شر بدد القاتل فی الاثم واما من اجازه ورضی به فلان الرضاء بالمعصیة کفر وایضًا قال الله تعالیٰ ان الذین یؤذون الله و رسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة وقال الله تعالیٰ لعنته الله علی الظالمین ولاشك ان قاتله والآمر به والراضی به موذ ظالم. والحق ان الرضاء یزید بقتل الحسین رضی اللہ عنہ واستبشاره لذالك و اهانته اهل البیت النبی صلی الله علیه وسلم ومما تواتر معناه وان کان تفاصیله احادًا فنحن لا یتوقف فی شانه ای فی قبح فعله بل یجزم بانه قبیح الفعل اولانتوقف فی شان اللعن بل نجزم بجوازه بل نتوقف فی ایمانه علی الایمان بناءً علی ان کفرة بالرضا والاشتبشار ثابت باتواتر وتوبته بعد ذلك غیر معلومةٍ لعنة الله علیه وعلی انصاره واعوانه (ای جنوده والذین حاربو الحسین رضی اللہ عنہ)"

یہ عبارت شرح العقائد اور نبراس کی ہے بنراس کی عبارت کے کچھ اجزاء میں نے چھوڑ دیئے ہیں کہ صاحب نبراس نے جو شبہات اور اعتراض مذکورہ دلائل پر کئے ہیں ان کے جوابات محشی نبراس نے دے دیئے ہیں اور ان انظار کو رد کر دیا ہے اسی بناء پر دونوں کو نقل نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ لعنت کے بارے میں اختلاف ہے فسق و فجور یزید میں اختلاف نہیں ہے۔

شارح احیاء نے تصریح کی ہے کہ جواز لعن و عدم جواز میں یہ دونوں قول آپس میں متقابل و متعارض ہیں اور تیسرا قول توقف اور سکوت کا ہے اس میں حافظ

قاسم بن قطلو بغا الحنفی سے نقول پیش کئے ہیں میں مسامرہ اور اس کے حواشی کی نقول سطور آئندہ میں اور پیش کروں گا۔

آپ کے خط سے مترشح ہوتا ہے کہ کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کی تالیف کا سبب شاید آپ کی حمایت یزید ہے۔ مؤلف کتاب (محمود عباسی) آپ (سہیل عباسی ثوبہ) سے نسبی تعلق تو رکھتے ہی ہیں۔ اس حمایت یزید کا نتیجہ کتاب خلافت کا وجود ہے یا حمایت یزید کا وجود کتاب خلافت سے ہوا۔ بہر حال اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا بھی انکار ہے جو اہلسنت کا اجتماعی مسئلہ ہے۔ الخلافہ ثلاثون سنۃ تو رد ہوگیا مگر یزید کی خلافت ثابت ہوگئی اور وہ خلیفہ برحق ہوگیا۔ حضرت حسینؓ کے سلسلہ میں بمقابلہ یزید جو کچھ لکھا گیا۔ حتیٰ کہ ان کی صحابیت میں بھی کلام کر دیا گیا وہ ناظرین کے سامنے ہے۔ مغفور لہم والی تو یاد ہے کہ یزید کسی طرح اس میں داخل ہو جائے مگر سید اشباب اہل الجنۃ الحسن والحسینؓ فراموش ہے۔

''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھما ریحانتای من الدنیا رواہ البخاری والترمذی. وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احبھما فقد احبنی ومن ابغضھما فقد الفضنی (رواہ احمد) نظر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی علی والحسن والحسین وفاطمۃ فقال انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم (رواہ احمد) سئل رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ای اھل بیتك احب الیك قال الحسن والحسین''

(رواہ الترمذی)

یہ کوئی حدیث یا دنہیں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان احادیث کو اور حدیثوں کے ساتھ فضائل حسینؓ میں ذکر کیا ہے۔ حضرت حسینؓ کی صحابیت تو مشتبہ ہوگئی جس کو (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۰) میں حافظ ابن کثیر نے بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے لیکن یزید تابعی ان سے بڑھ گیا۔ امام حسینؓ سادات صحابہ میں داخل ہیں مجتہد ہیں یزید گو تابعی ہے مجتہد نہیں ہے پھر مجتہد کیوں تقلید کرتا۔ مظلوم تھے اسی مظلومیت کے قتل سے ان کو درجہ شہادت حاصل ہوا جو سادات مسلمین اور علماء صحابہ میں داخل ہیں جن کا قتل ہر مسلمان کو غمگین کرتا ہے۔

''وسنذکر ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرمھم بہ وما کان یظھر من محبتھما والحنو علیھما والمقصود ان الحسین رضی اللہ عنہ عامر رسول اللہ ﷺ وصحبہ الی ان توفی وھو عنہ راض ولکنہ کان صغیرا ثم کان الصدیق یکرمہ ویعظمہ وکذلک عمر وعثمان وصحب اباہ وروی عنہ وکان معہ فی مغازیہ کلھا فی الجمل و صفین وکان معظمًا مؤقرًا ولم یزل فی طاعۃ ابیہ حتی قتل انتھی (ص ۱۵۰ ج ۸ البدایہ) فانہ من سادات المسلمین وعلماء الصحابۃ وابن بنت رسول اللہ ﷺ والتی ھی افضل بناتہ''

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳)

کردار یزید ضرور بیان کیا گیا مگر حضرت حسینؓ کے متعلق یہ عبارت نقل کرنی یاد نہ رہی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی ادھوری عبارت ازالۃ الخفاء سے نقل کر کے شاہ صاحب پر افتراء کر دیا گیا مگر مدینہ منورہ کے ارباب حل وعقد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی اس کو نظر انداز کر کے احادیث

کے ذخیرے اور اہل سنت کے عقیدے کو غلط قرار دے دیا گیا۔ اگر وقت نے مساعدت کی تو بتاؤں گا کہ عبارتوں کے نقل کرنے میں عباسی صاحب نے کتنی دیانت سے کام لیا ہے اور فریب دہی کے جوہر کہاں کہاں دکھائے ہیں؟ ناظرین کو اس کا اندازہ مذکورہ چند نمونوں سے ہوگیا ہوگا۔ کتاب خلافت تالیف ہو کر منظر عام پر آگئی اور دنیاوی مفاد ضرور حاصل ہوگیا مگر دوسری طرف آپ کی حمایت یزید اور تالیف کتاب کا یہ نتیجہ ہوا کہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کو سب وشتم اور افترأت و غلط الزامات سے یاد کیا جانے لگا۔ کتابیں تالیف ہوچکیں جن میں سب وشتم افترا اتہام کی صحابہ کرام پر بھرمار ہے۔ اس کا سبب آپ کی بے جا حمایت یزید اور تالیف کتاب خلافت ہے جس کا کفارہ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ مثل مشہور ہے کہ چچا کی حمایت اتنی اور ایسی حمایت تو نہ ہونی چاہئے جس کی وجہ سے باپ اور اس کے سارے کنبہ پر گالیاں پڑنے لگیں۔ مگر انسان مقتضائے طبع سے مجبور ہے۔

بات سیدھی کوئی صاحب کی نظر آتی نہیں
آپ کی پوشاک کو کپڑا بھی آڑا چاہئے

قرآن عزیز نے کتنا اچھا اصول بیان کیا تھا۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم الایہ دیکھو غیر خدا کے ماننے والے والوں کو گالی نہ دینا ورنہ وہ عداوت و جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو کوئی شخص تم میں سے اپنے باپ کو گالی نہ دے۔ عرض کیا گیا کون ایسا ہوگا جو اپنے باپ کو گالی دے گا فرمایا دوسرے شخص کے باپ کو گالی دو گے وہ تمہارے باپ کو گالی دے گا۔ اس گالی دینے کے تم سبب ہوئے تو گویا تمہیں نے اپنے باپ کو گالی دی۔ پس یہ حمایت کر کے آپ اور کتاب

دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دلوانے کے سبب ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اگر کوئی شخص مسلمان ہے اور ایمان پر خاتمہ ہوا ہے تو حدیث مغفور لہم اس کو شامل ہوگی۔ اس حدیث کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والے جو چاہیں کریں بروز قیامت کسی قسم کی باز پرس اور پکڑ دھکڑ نہ ہوگی اس حدیث کی نظیر تو وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے (من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ) جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا جنت میں داخل ہوگیا (جنتی ہوگیا) کیا مذنب و فاسق، عاصی و فاجر سے بنا برآیات و احادیث وعید کے کسی قسم کی باز پرس نہ ہوگی؟ اس لئے کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا ہے۔ نہیں بلکہ کہا جائے گا کہ اس کلمہ کے شرائط و آداب کی پابندی کے ساتھ خلوص دل سے اس کلمہ کو پڑھا ہے وہ اول وہلہ میں جنتی ہے مغفور ہے اور جس نے اس کلمہ کے شرائط و واجبات اور آداب ترک کر دیئے اور ان کا لحاظ نہیں کیا لیکن لا الہ الا اللہ کا مقر و معتقد ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے وہ جنتی ہے سزا بھگت کر جنت میں جائے گا یا وہ مشیت خداوندی پر موقوف ہے۔

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا

اسی طرح حدیث مغفور لہم کا حکم ہوگا۔ یہ بھی جب ہی ہوگا کہ یزید اور اس کے لشکر کو اوّلیت حاصل ہو۔ ورنہ سطور متقدمہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ اوّلیت بسر بن ابی ارطاۃؓ کے بحری بیڑے کو حاصل ہے۔ اسی نے پہلے جا کر بحرہ مرمرہ کے ساحل پر جنگی جہازوں کو پھیلا کر مدینہ قیصر کی ناکہ بندی کر دی تھی اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اسی لشکر میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے جو پہلے سے اس غزوے میں شریک تھے بعد میں یزید خشکی کے راستہ سے چل کر لشکر فضلہ میں عبید سے جا ملا پھر وہ دونوں بھی حصار شہر میں شریک ہو گئے اور قسطنطنیہ کو فتح کر لیا۔

متقدمین یزید کے کفر و ایمان میں مختلف ہیں

متقدمین تو یزید کے کفر و ایمان میں مختلف ہیں پہلے اس کو طے کیا جائے پھر حدیث مغفور لہم سے بحث کی جائے۔ واقعات و احوال، الاقوالِ رجال اور روایات تاریخیہ آپس میں مختلف و متعارض ہیں۔ اس بناء پر حنفیہ نے یزید اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سکوت و کف لسان کو بہتر سمجھا تا کہ نتیجہ میں کسی ایسے شخص کی طرف برائی کی نسبت نہ ہو جائے جس کا دامن اس سے پاک ہو جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔

''اللّٰھم اجعلنا من ناصر بھم و تابعھم واحشرنا فی زمرتھم۔ آمین!''

یزید کے بارے میں حنفیہ کے اقوال

اب چند اقوال یزید کے بارے میں حنفیہ کے بھی سن لیں۔

''وقد اختلف فی اکفار یزید ابنہ فقیل نعم لما وقع منہ من الاجتراء علی الذریۃ الطاھرۃ کالامر بقتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وما جری مما ینبوا عن سماعہ الطبعُ ویصم لذکرہ السمع وقیل لا اذیثبت لنا عنہ تلك و الاسباب الموجبۃ للکفر و حقیقۃ الامر ای الطریقۃ الثابتۃ القویمۃ فی شانہ التوقف فیہ و مرجع امرہ الی اللہ سبحانہ لانہ عالم الخفیات والمطلع علی مکنونات السرارً وھوا جس الضمائر فلا یتعرض لتکفیرہ اصلا و ھذا ھو الاسلم واللہ سبحانہ اعلم'' (کتاب المسائرہ ص ۱۳۴ ماحقق علی

الاطلاق و مجتهد فی المذهب)

الشیخ ابن الہمام الحنفی اپنی کتاب المسائرہ اور شارح اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یزید کی تکفیر کے بارے میں فقہاء علماء مختلف ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ وہ کافر ہے اس لئے کہ ذریت طاہرہ پر اس نے جرأت کی مثلاً حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم کیا اور اسی جیسے اور امور اس سے سرزد ہوئے کہ ان کی سماعت سے طبیعت اچٹتی ہے اور ان کے ذکر کے لئے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ یزید کی تکفیر جائز نہیں کہ ہمارے نزدیک ایسے اسباب کا ثبوت نہیں ہوا جو اس کے کفر کے موجب و مثبت ہوں اور حقیقت امر اور طریق ثابتہ اور سیدھا راستہ بھی ہے کہ اس کے بارے میں توقف سے کام لیا جائے اور اس کے حال کو اللہ سبحانہ کے سپرد کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور راز کی باتوں اور قلوب کی خطرات سے بخوبی واقف ہیں۔ ہرگز اس کی تکفیر کے درپے نہ ہونا چاہئے یہی طریق اسلم ہے۔ اللہ پاک زیادہ واقف اور دانا و بینا ہیں۔

یزید کی تکفیر میں دو قول ہیں اس بارے میں ہمارے نزدیک سکوت و توقف اسلم و احوط ہے۔ محقق ابن الہمام کے شاگرد رشید حافظ ابن قاسم بن قطلو بغا مسائرہ کی تعلیقات میں لکھتے ہیں۔ (حاشیہ بر کتاب مسائرہ ص ۱۳۱)

''قوله واختلف فی اکفارا بنه یزید قلت عندالخوارج من ارتکب صغیرة او کبیرة یکون کافرًا عند المعتزله یخرج عن الایمان و عند اهل السنة لا یخرج عن الایمان فعن هذا وقع الخلاف الذی ذکره المصنف وبقی ههنا امر اٰخرو وهوانه هل یجوز لعنه قال فی الخلاصة لا ینبغی اللعن علیه ولا علی الحجاج لان النبی صلی الله علیه وسلم نهی

عن لعن المصلين ولمن كان من اهل القبلة وما نقل من لعن النبي صلى الله عليه وسلم لبعض من اهل القبلة فلما انه يعلم من احوال الناس ما لا يعلمه غيره قال فى شرح العقائد وبعضهم اطلق اللعن عليه لما انه كفر حين امر بقتل الحسين رضی اللہ عنہ واتفقوا على جواز اللعن على من قتله او امر به او اجازه ورضى به والحق ان رضا يزيد بقتل الحسين واستبشاره بذلك واهانته اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم مما تواتر معناه وان كان تفاصيله آحاد فنحن لا نتوقف" (ص ۱۳۱)

اکفار یزید میں اختلاف ہے۔ خوارج کا مذہب کہ جو مسلمان گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہو کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کے نزدیک ایمان سے نکل جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان سے خارج نہیں ہوتا اسی جگہ سے اختلاف پیدا ہوا جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے لیکن اسی جگہ ایک شے بیان سے باقی رہ گئی کہ یزید پر لعنت بھی جائز ہے یا نہیں تو خلاصہ الفتاویٰ میں نہ یزید پر لعنت جائز ہے نہ حجاج بن یوسف پر اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرما دیا ہے اور بعض اہل قبلہ پر جو آپ کا لعنت کرنا منقول ہے وہ اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے احوال کا جتنا علم ہے دوسروں کو نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے حال سے واقف تھے۔ اس لئے لعنت فرمائی۔ شرح عقائد میں بیان کیا ہے کہ بعض حضرات نے مطلقاً یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے اس لئے کہ قتل حسینؓ کا حکم کرنے کی وجہ سے کافر ہو گیا۔ جس نے حسینؓ کو قتل کیا یا ان کے قتل کا حکم کیا یا اس کو جائز رکھا اور اس کو پسند کیا اس پر

لعنت کے جواز میں علماء متفق ہیں اور حق یہ ہے کہ قتل حسینؓ پر یزید کی رضا مندی اور اس کا خوش ہونا اور اہل بیت نبی ﷺ کی اہانت وغیرہ ایسے امور ہیں جو معناً تواتر یزید سے ثابت ہیں۔ اگرچہ ان کی تفصیل از قبیل آحاد ہے پس ہم یزید کے بارے میں متوقف نہیں ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا مکتوب

قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں۔

''وجہ جواز لعن آنست کہ ابن الجوزی روایت کردہ کہ قاضی ابو یعلیٰ در کتاب خود معتمد الاصول بسند خود از صالح بن احمد بن حنبل روایت کردہ کہ گفتم پدر خود را کہ اے پدر مرد ماں گمان می برند کہ ما مردم یزید را دوست می داریم احمد گفت کہ اے پسر کسی کہ ایمان بخدا و رسول داشتہ باشد اور ادوستی یزید چگونہ روا باشد و چرا لعنت نہ کردہ شود بر کسے کہ خود بروئے در کتاب خود لعنت کردہ گفتم در قرآن کجا بر یزید لعنت کردہ است احمد گفت فھل عسیتم ان تولیتم'' نیز مکتوبات ص ۲۳ میں ہے۔

غرض کہ کفر یزید از روایت معتبرہ ثابت میشود پس او مستحق لعن است اگرچہ در لعن گفتن فائدہ نیست لیکن الحب فی اللہ والبغض فی اللہ مقتضی آنست واللہ اعلم۔

قاضی صاحب پانی پتی قدس سرہ کی اس عبارت اور دوسرے علماء کی عبارتوں کے متعلق جو یزید کے بارے میں ہیں حضرت قطب الاقطاب فقیہ عصر محدث حضرت گنگوہی حنفی قدس اللہ سرہ سے کسی صاحب نے دریافت کیا جو فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کے ص ۱۰ پر جواب حسب ذیل ہے۔

حضرت گنگوہی کا فتویٰ

''حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص قابل لعن کا

ہے تو لعن اس پر پڑتی ہے ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار قرآئن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اوّل میں وہ مومن تھا اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا تحقیق نہیں ہوا پس بدوں تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ پس وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں پس جواز لعن و عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔'' فقط واللہ تعالیٰ اعلم! رشید احمد عفی عنہ

اسی حصہ کے ص ۳ میں اسی کے متعلق سوال و جواب ہے:

''سوال: یزید کہ جس نے حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا ہے وہ یزید آپ کی رائے شریف میں کافر ہے یا فاسق۔

الجواب: کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ''

حضرت تھانویؒ کا فتویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں سوال طویل ہے جواب منقول ہے۔

یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا حضرت امامؓ نے ناجائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا۔ مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ پس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس کے قتال میں اس لئے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کراتا تھا خصوصاً جب کہ حضرت امامؓ اخیر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو تو عداوت ہی تھی چنانچہ امام حسنؓ کے قتل کی بنا بھی یہی تھی اور تسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے۔ مگر مسلط ہونا کب جائز ہے۔ خصوص نااہل کو اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا پھر اہل حل و عقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے۔ ۲۵ر جمادی الاوّل ۱۳۳۶ ہجری۔" (ج ۴ ص ۴۱۴)

حضرت مفتی عزیز رحمٰن کا فتویٰ

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند سے کسی نے دریافت کیا تھا اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

الجواب: "راجح عند اہل السنۃ والجماعۃ عدم تکفیر وعدم لعن یزید است اگرچہ در جور ظلم وتعدی وفسق او کلام نیست لیکن ایں امور موجب کفر وارتداد نمی تواند شد واگر باشد تاوقتیکہ یقین او حاصل نہ شود تکفیر نباید کرد۔ والحق ما قالہ ابن الحاج ونقل عنہ فی شرح الفقہ الاکبر وحقیقۃ التوقف فیہ ومرجع امرہ الی اللہ سبحانہ اہ واین توقف ہم حکم عدم تکفیر وعدم لعن میکند" (فتاویٰ دارالعلوم ج ۱ ص ۸ وبہ عزیز الفتائے)

ایک عبارت اور نقل کر کے میں جواب کو ختم کرنا چاہتا ہوں بات میں بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور جواب طویل سے طویل تر ہوتا جاتا ہے۔

حضرت نانوتویؒ کا مکتوب

خاتم المحققین حضرت قاسم العلوم بانی دارالعلوم قدس سرہ فرماتے ہیں۔

''چوں ایں مقدمات شازدہ کا نہ تمہید یافت اعتراض شیعیان خود پاش پاش شد و بطور سنیان در شہادت جگر گوشہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم امام الشہداء حضرت حسینؓ وعن اولادہ جائے انگشت نہادن نماندو ہمچنیں ولی عہد کردن امیر معاویہؓ یزید پلید را خدشہ موجب انکار نہ برآمد۔ اول از ولی عہدی یزید بحث می کنم بعد ازاں در شہادت حضرت سید الشہدا علیہ وعلی آباۂ السلام حرف میزنم تاوقتیکہ امیر معاویہ یزید پلید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نہ بود و اگر چیزے کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ را ازاں خبر نبود علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از و مشہود شد مشہور است در بیعت ام حرام بنت ملحانؓ کہ حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ اجمعین یکبار و در نمار خفتند و بیدار شدند و ہر بار خندط و در وجہ خندہ فرمودند کہ جماعتے از امتیاں خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد میکنند و در شان او شان فرمودہ اند۔ ملوك علی الاسرۃ او مثل الملوك علی الاسرۃ مصداق خواب ثانی ہمیں یزید و ہمراہیانش برآمدند چنانچہ ہر تاریخ دانان و حدیث خوانان پوشیدہ نیست غایۃ مانی الباب بسبب خرابی ہائے پنہانی کہ واشد ہمچو منافقان کہ در بیعۃ الرضوان شریک بودند و بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشان نشد یزید ہم از فضائل ایں بشارت محروم ماند و ایں طرف مذہب حضرت امیر معاویہؓ در بارہ خلافت آں بود کہ ہر کرا کہ سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگران باشد گو افضل از و باشد افضل است از دیگراں نظر بریں اورا افضل از دیگراں دانستند و اگر افضل ندانستند پس پیش ازیں نیست کہ ترک افضل کرو چنانچہ قدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلاف افضل افضل است نہ واجب لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت ..... ہاں پس از انتقال یزید پائے خود را از شکم آورد و دل بکام و دست بجام سپرد و اعلان فسق نمود و ترک صلوٰۃ

داد بحکم بعضے مقدمات سابقہ قابل عزل گردید وایں قسم تحویل احوال گفتہ آمدہ ام ممکن است محال نیست'' (مکتوب نہم از قاسم العلوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۲، ۱۳)

اس عبارت میں مولانا قدس سرہ نے یزید کی صفت پلید بھی ذکر فرمائی ہے نیز حدیث بشارت کے سلسلہ میں فرمادیا کہ یزید اس بشارت سے محروم ہے عام طور پر جو مشہور ہے اسی بناء پر تقریر فرمائی ہے کہ اگر بالفرض یزید عموم میں داخل بھی ہو تو تب بھی اس بشارت سے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے خارج ہے۔ ورنہ میں بیان کر چکا ہوں کہ یزید اور اس کے لشکر کو اوّلیت جہاد مدینہ قیصر حاصل نہیں ہے بلکہ بسر بن ارطاۃ یا سفیان بن عوف کے لشکر کو اوّلیت حاصل ہے۔ یزید توفی جملۃ من اغزاھا میں داخل ہے۔ اصل مقصود نقل عبارت سے یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ حضرت نانوتویؒ کی نظر میں یزید مذکور کی کیا حیثیت ہے۔ ورنہ یزید کی جوانی کی حالت اور حضرت معاویہؓ کا احساس اور ان کی یزید کو نصیحت اور حافظ ابن کثیرؒ کی تصدیق وغیرہ ماسبق میں سب گزر چکی ہے۔ بعض عبارتیں قصداً مکرر نقل کی ہیں۔ ان پر نظر ڈالیں۔ آپ کے جتنے سوالات خط میں موجود تھے یہاں پر ان کے جوابات ختم ہوتے ہیں۔

اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدیم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو اور سب مسلمانوں کو طریق مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو ما انا علیہ و اصحابی کا طریق اور صحابہ کرامؓ کے زمرہ میں محشور کرے کہ وہ سب مغفرت شدہ ہیں اور صحابہ اور اہل بیت کی محبت کے وسیلہ اور توسل سے ہمارے گناہوں، معصیتوں اور لغزشوں کو معاف کر دے۔ آمین! سید مہدی حسن شاہجہان پوری غفرلہ

خادم دارافتاء دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

(۱) اوّل بلا دروم اور قسطنطنیہ کے بارے میں ایک ہی غزوہ نہیں ہے بلکہ فتح ہونے سے پہلے چند مرتبہ جہاد اور لشکر کشی کی نوبت آئی ہے اور تقریباً سات (۷) سال تک جہاد بلا دروم ہوتا رہا ہے۔

(۲) دوسرے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات میں اختلاف ہے کہ کس سنہ ہجری میں واقع ہوئی ۵۰ھ سے ۵۲ھ تک کے قول ہیں گورا ج ۵۲ھ ہے بلکہ ۵۵ھ میں وفات کا بھی ایک قول ہے۔

(۳) تیسرے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ یزید کے لشکر میں نہیں تھے بلکہ پہلے سے جہاد قسطنطنیہ میں معروف تھے یعنی حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ہی پہلے سے ابو ایوبؓ جہاد قسطنطنیہ کے لئے چلے گئے تھے یزید کے لشکر کے ساتھ نہیں گئے اگرچہ وفات یزید کے آنے کے بعد ۵۲ھ میں ہوئی۔

(۴) چوتھے جہاد قسطنطنیہ صریزید ہی کی امارت میں نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل بھی جہاد ہوتا رہا۔

(۵) پانچویں پہلا بحری بیڑا جہاد قسطنطنیہ کے لئے حضرت معاویہؓ نے جو روانہ کیا ہے وہ بسر بن ابی ارطاۃؓ کی امارت وسرکردی میں تھا جو بقول طبری قسطنطنیہ تک پہنچ گیا تھا۔ اوّلیت اسی کو حاصل ہے اس نے دریائی محاصرہ کر دیا تھا۔ یزید کا لشکر بعد میں ۵۲ھ میں خشکی کے راستہ سے پہنچا ہے جو فضلہ بن عبیدہ کے لشکر سے جا ملا ہے پھر دونوں ساتھ روانہ ہوئے ہیں اور بسر بن ابی ارطاۃؓ کے محاصرہ میں شریک ہوئے۔

(۶) چھٹے حدیث کے لفظ اوّل جیش من امتی غزا مدینۃ قیصر مغفور لہم

یہ بسر بن ابی ارطاۃ کی قیادت میں جو لشکر گیا ہے اس پر صادق ہے مغفور لہم اسی کے لئے بشارت ہے۔ یزید کی قیادت والا لشکر بری ہے بحری نہیں۔ ثانوی ہے اوّل نہیں ہے۔ یہ جدا امر ہے کہ بعد میں یزید بھی شریک ہو گیا دونوں نے مل کر مدینہ قیصر فتح کیا ہے۔

(۷) ساتویں حدیث میں اوّل جیش کے غزوہ کرنے کا ذکر ہے کہ میری امت کا جو پہلا لشکر مدینہ قیصر پر جہاد کرے گا مغفور لہم ہے۔ اس میں فتح کر دے کا ذکر نہیں ہے کہ فتح کر لینے کے بعد مغفور ہو گا فتح کرے یا نہ کرے وہ مغفور ہے۔ بعد کو دونوں لشکروں کے محاصرہ کرنے سے فتح بھی ہو گیا اوّلیت غزوہ کو مضر نہیں ہے۔ پس عباسی صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس فوج کی امیر اور سپہ سالار امیر المومنین کے لائق فرزند امیر یزید تھے۔ یہی پہلا اسلامی جیش تھا جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی۔

(ص ۲۲ کتاب خلافت معاویہ و یزید)

پہلا لشکر بسر بن ابی ارطاۃ کا ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا ہے ۳ یا پہلا لشکر سفیان بن عوف کا ہے یا دونوں کا پہلا لشکر ہے یا عبداللہ بن مسعدہ قراری کا پہلا لشکر ہے جس کو حافظ عینی نے ذکر کیا ہے جو پہلے نقل ہو چکا ہے۔ انہیں میں صحابہ کرام کی جماعت تھی۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ یزید کی لشکر میں نہ تھے۔ بلکہ پہلے سے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ سات سال تک مسلسل جہاد ہوتا

رہا۔ یزید کے لشکر کو بعدیت حاصل ہے اوّلیت نہیں لشکر اسلامی کے سردار بسر بن ابی ارطاۃؓ ہیں سفیان بن عوف ہیں عبداللہ بن مسعدہ ہیں۔ یزید بھی بری دستہ فوج کا امیر تھا۔ جو بعد میں پہنچا ہے۔

ان جملہ امور پر نظر ڈالنے سے حدیث بخاری مغفور لہم کا مصداق متعین ہوتا ہے اور حدیث کی شرح صحیح ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مغفرت عام ہے کوئی اس میں دخیل نہیں ہوسکتا رحمت عامہ تمام مسلمانوں پر حاوی ہے جب یزید مسلمان ہے اور ایمان پر موت واقع ہوئی ہے۔ اس کو بھی مغفرت و رحمت خداوندی شامل ہو جائے تو اس میں کسی کا اجارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بخش دیں جس کی چاہیں مغفرت کر دیں کلام صرف حدیث کے معنی اور اس کے مصداق میں ہو رہا ہے کہ تاریخی حیثیت سے اس کا مصداق کیا ہے اور اوّلیت کس امیر و قائد کی فوج کو حاصل ہے۔ حصار مدینہ قیصر میں اوّل و ثانی دونوں فوجیں شریک ہیں اور دونوں نے مل کر فتح کیا ہے۔ حدیث میں فتح کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف فوج کشی اور جہاد کا ذکر ہے۔ جو سات سال تک ہوتا رہا اور مسلمان اسے فتح کر کے ہی واپس ہوئے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب غزووں میں شریک رہے۔ یہ کہنا کہ یزید کے لشکر میں ہی صحابہ کی جماعت روانہ ہوئی تھی واقعات اس کی شہادت نہیں دیتے بلکہ خلاف کے شاہد ہیں۔

ایک ہفتہ

شیخ الہند دیوبند میں

مصنف

مناظرِ ختمِ نبوت

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب



عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت ملتان

www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com